وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (قرآن)

# فتنۂ انکارِ ختمِ نبوّت

مرزا محمود سربراہ ثانی کی ذاتی اور سیاسی کردار کی چند خیرہ کُن جھلکیاں

مؤلف

مرزا محمد حسین

شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور

# فتنۂ انکارِ ختمِ نبوّت

# فتنۂ انکارِ ختمِ نبوّت

مؤلف

**مرزا محمد حسین**

منکرینِ ختمِ نبوّت کے سربراہِ ثانی کی لاثانی داستان

☆

شیخ محمد اشرف تاجرِ کتب کشمیری بازار لاہور

طابع ——— شیخ محمد اشرف

مطبع ——— اشرف پرنٹنگ پریس، لاہور

تاریخ اشاعت ——— نومبر ۱۹۷۸ء

طبع اوّل ——— ایک ہزار

# عرضِ ناشر

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریرات، تصنیفات اور عقائد باطلہ کی تردید میں یوں تو تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام نے اپنے اپنے انداز میں قلم اُٹھایا ہے مگر جس اسلوبِ علمی اور منہج تحقیق سے علمائے اہل حدیث نے اس کا تجزیہ کیا ہے اور جس شرح و بسط سے اس کے تار پود بکھیرے ہیں اور ہر میدان میں خود مرزا غلام احمد سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے مرزائی کا تعاقب کیا ہے وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا۔ علمائے اہل حدیث نے ہر موقع پر مرزائیت کا علمی محاسبہ کیا ہے اور یوں تفصیل سے اس کے ایک ایک پہلو کو نقد و جرح کی کسوٹی پر رکھا ہے۔ ان کی تصنیفات میں جہاں بھی کسی مقدار میں کوئی زہر موجود تھا اس کی نشان دہی کر دی ہے۔ اس موضوع سے متعلق ان کی خدمات گوناگوں کی پورے برصغیر میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ جَزَاءهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

متحدہ ہندوستان میں انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا اس کے زیرِ سایہ قائم رہا۔ لیکن اس کے بعد مرجھا گیا۔ دسمبر ۱۹۷۴ء میں اس کو اقلیت قرار دینے کے بعد تو اس میں کوئی جان باقی نہیں رہی۔ یہ فیصلہ اس کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

علمی طور پر تو مرزائیت کو علمائے اہل حدیث نے اپنی پیہم ضربوں سے پہلے ہی ختم کر دیا تھا لیکن مولانا الیاس برنی کی تصنیف "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" نے تو رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اب مزید اس موضوع پر

# کتاب ضبط کرنے والا طریق ٹھیک نہیں

مرزا محمود احمد کا ربوہ سے اعلان

" اسلام کے خلاف بھارت میں شائع شدہ کتاب

" مذہبی رہنما " کے جواب کا صحیح طریق یہ ہے کہ ہم

اس کا مدلل ردّ لکھیں اور اس کی وسیع اشاعت کریں"

( الفضل ۲۳ نومبر ۱۹۶۱ء )

********************

# مرزا محمود کا اس بارے میں دوسرا اعلان

اسی مذموم کتاب کا ذکر کرتے ہوئے خلیفہ ربوہ نے کہا

" میں نے اس پہ خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ ضبط

کرنے والا طریق ٹھیک نہیں۔ تب تو ان لوگوں کے

دلوں میں شبہ پیدا ہوگا کہ اِن کی باتوں کا کوئی جواب نہیں۔ واقعہ میں محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ایسے ہی ہوں گے۔ تب ہی کتاب ضبط کرتے ہیں۔ اِس کا جواب نہیں دیتے۔ اصل طریق یہ تھا کہ اس کا جواب دیا جاتا۔ اور امریکہ اور ہندوستان میں شائع کر دیا جاتا۔"

(الفضل۔ ۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء)

********************

## اپنے خلاف لکھی ہوئی کتابوں کے متعلق

مرزا محمود احمد کا قادیان سے اعلان

"بہرحال کسی کتاب کے پڑھنے سے دوسروں کو

روکنا اتنی بڑی نادانی کی بات ہے کہ اس سے بڑی نادانی اور کوئی نہیں ہو سکتی ۔پس مصری صاحب نے جو باتیں پیش کی ہیں وہ سچّی ہیں تو ان کے پڑھنے سے لوگوں کو روکنا بہت بڑا گناہ ہے ۔ اور اگر ہم روکیں تو قیامت کے دن یقیناً ہم ایسی حالت میں اُٹھائے جائیں گے کہ ہمارا منہ کالا ہوگا ۔ ہم خدا کے حضور لعنتی قرار پائیں گے ۔ غیروں کا لٹریچر پڑھنا عیب کی بات نہیں ۔ بلکہ میں اُن لوگوں کو بے وقوف سمجھتا ہوں جو ایسی کتابیں چھُپ چھُپ کر پڑھتے ہیں ۔کیونکہ جو کسی دوسرے کو تحقیق سے روکتا

ہے وہ اپنے جھوٹے ہونے کا آپ اقرار کرتا ہے۔

(الفضل - ۲ر اگست ۱۹۳۹ء)

**********************

# مسلمان حکومتوں کو دھمکی

## مرزا محمود احمد کا چیلنج

"اسلام کی ترقی احمدی سلسلہ سے وابستہ ہے۔ اور چونکہ یہ سلسلہ مسلمان کہلانے والی حکومتوں میں نہیں پھیل سکتا - اس لیے خدا نے چاہا تو ان مسلمان کہلانے والی حکومتوں کی جگہ اور حکومتوں کو لے آئے - تاکہ اس سلسلہ حقہ

کے پھیلنے کے لیے دروازے کھولے جائیں"۔

(الفضل ۱۲ر نومبر ۱۹۱۴ء)

**********************

## تقسیمِ ہندوستان کے خلاف محمودی سکیم

"ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح پھر متحد ہو جائے"۔

(الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

*********************

## اکھنڈ ہندوستان کے لیے محمود کی آرزو

"بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان

بنے اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں۔"

(الفضل ۱۵۔ اپریل ۱۹۴۷ء)

*********************

# حکومت سے لڑنے کی دھمکی

" اگر تبلیغ کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کی جائے تو ہم یا تو ملک (پاکستان) سے نکل جائیں گے یا پھر اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے تو پھر ایسی حکومت سے لڑیں گے۔"

(الفضل ۱۳۔ نومبر ۱۹۵۲ء)

*******************

# مؤلف کا قارئین سے خطاب

اِن گیدڑ بھبھکیوں کو پڑھنے کے بعد قارئین
پر منکرینِ ختمِ نبوت کے وجود کے خطرات
منکشف ہو جائیں گے۔ اُن پر یہ بھی روشن ہو
جائے گا کہ چاند پر تھوکنے والے کا کیا حشر
ہوتا ہے ـــــ جس گرگ باراں دیدہ کو
۱۹۷۰ء کے انتخاب پر چالیس لاکھ روپیہ صرف
کیا تھا۔ اُسی کی ہاتھوں قہار و جبار خدا نے

ان دشمن ایمان لوگوں پہ انہی کی تکفیر کی شمشیر
چلا کر اُن کو نزع میں مبتلا کر دیا۔

مؤلف

مرزا محمد حسین

************************

اور ——— اُسی جبّار و قہار خدا نے اُسی
"گرگ باراں دیدہ" کو صرف چار سال بعد اپنے اِس
ظلم کی عبرت ناک سزا دے دی۔

"قاری"

مبارک

۱۹.۴.۷۶

# پیش لفظ

پیش لفظ سے کسی تصنیف یا تالیف کی پیش رفت ہوتی ہے۔ لیکن جب تالیف کا موضوع ایک ایسا شخص ہو جو اپنے کردار اور اطوار سے نادر کالمعدوم کا درجہ رکھتا ہو اور اُس کے اعمال و افعال کی صحیح تصویر کشی کے لیے کسی زبان میں کوئی الفاظ نہ ہوں اور بڑے بڑے لسّان اور ادیب اُس شخص کے احوال واقعی کو بیان کرنے سے قاصر اور عاجز ہوں۔ تو پیش لفظ بڑی پس و پیش کے بعد ہی لکھا جا سکتا ہے۔ منکرین ختمِ نبوّت کے سربراہ ثانی نے جس بے باکی اور ہوشربا عبارت سے خدا کے عتاب و عقاب اور تعزیر و عذاب کو ساری عمر پکارا بلکہ للکارا ہے۔ اُس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک (قرآن مجید) کے متعلق فرمایا ہے کہ " ہم نے اس کلام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔ بڑے شدید عیسائی دشمن اور یہودی مستشرقین بھی اس دعوے کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ سر ولیم میور جیسا خطرناک دشمن بھی معترف ہے کہ " قرآن کریم کا متن بالکل اُسی طرح ہے جیسے یہ بارہ سو سال پہلے تھا"

## رُوح فرسا دعویٰ

اب منکرین کے سربراہ کے لیے تو ناممکن تھا کہ وہ خدا کے دعوے کو چیلنج کر کے قرآنی متن کے خلاف کوئی جتن کر سکتا۔ لیکن اُس نے قرآنی متن کی کسی نہ کسی آیت کے

معنی کے ساتھ بوجہلی تلعب کرنے میں اسلام کے مسلّم غیر مسلم دشمنوں کو بھی مات کر دیا۔ جب وہ اپنے ناقابلِ بیان کردار کے انکشاف کا حریف نہ ہو سکا۔ تو اُس نے ایک اعلان داغ دیا کہ سورۂ نور چودہ سو سال پہلے اُس کے دفاع کے لیے نازل ہوئی تھی۔ اِس رُوح فرسا اعلان کی کہاں کہاں زد پڑتی ہے۔ اُس کا تصوّر بھی اثمِ عظیم ہے۔ قارئین محض کنائے سے اندازہ لگالیں گے کہ ایسے اعلان کرنے والے کے باطن میں کتنے دوزخ بھرے ہوئے تھے۔ اور اُس کو کسی مقدّس سے مقدّس ہستی کی توہین کرنے میں کوئی باک نہ تھی۔ سورۂ نور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے مثال پاکدامنی کے ثبوت اور اس ثبوت کے خلود کے لیے اللہ نے نازل فرمائی۔ ناہنجار عصیاں کار نے اپنے لرزہ خیز حالات کو نظروں سے اوجھل کرنے کے لیے بوجہلی کا سہارا لیا۔ گویا اپنی سیاہ کاریوں کو جہنم کے شعلے بنا کر اپنے ماننے والوں کو بھی دوزخ کا ایندھن بنا دیا۔

## فتیلۂ سوزاں

آیئے آپ کو ایک اور گھناؤنے فتنے کے فتیلۂ سوزاں کی طرف متوجہ کریں۔ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے چند سال ہوئے ایک کتابچہ بعنوان "دینی معلومات" (بطرز سوال و جواب) ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا تاکہ ربوہ کی نئی نسل میں ملعون مکائد مذہبی عقائد بن کر اُن کی رگ و پے میں سرایت کر جائیں۔ یہ کتابچہ اُس وقت شائع ہوا جب آزاد کشمیر میں مکرم سردار عبدالقیوم خاں کی صدارت میں ربوہ والوں کو قانوناً غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ اور اُس وقت مسٹر بھٹو بڑا مضطرب ہوا تھا اور سردار صاحب مذکور کی معزولی پہ کمربستہ ہو گیا تھا۔ کتابچے کا ایک نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے صفحہ ۱۰ پہ انیسواں (۱۹) سوال ہے:-

"قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک کتنی دفعہ

آیا ہے؟ کسی ایک مقام کا ذکر کریں"۔

جواب:- چار دفعہ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

تبصرہ:- جواب میں صرف چار کہا ہے کیونکہ سورۃ الصّف کی ساتویں آیت (۶۱-۷) کو مجرمانہ طور پر نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے پیش گوئی کی تھی: اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔" اس آیت میں "اَحْمَدُ" سے حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مراد ہیں۔ لیکن منکرین کے سربراہ ثانی نے اپنی دیوار گریہ کو سہارا دینے کے لیے اِس کو اپنے باپ مرزا غلام احمد پر چسپاں کر دیا اور یہ اب تک اِس منکر گروہ کا عقیدہ ہے۔ ایک عامی بھی جانتا ہے کہ اَحْمَدُ سے کبھی بھی طرح غلام احمد نام مراد نہیں ہو سکتا۔ ہاں! افتراء کے لیے ہر دروازہ کھُلا ہے۔

سوال ۲۳:- " قرآن کریم میں جن جن انبیاء کے اسماء کا ذکر ہے بیان کریں"۔ (ص-۱۰)

جواب:- حضرت آدم علیہ السّلام سے فہرست شروع کر کے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نام مبارک کے بعد لکھا ہے:- حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام" (اس سے ان کی مراد مرزا غلام احمد ہے) (دینی معلومات ص۱۰)

اِس جواب سے عیاں ہے کہ منکرین ختم نبوت مرزا غلام احمد کو "حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام" تسلیم کرتے ہیں۔ اُس پر مستزاد یہ کہ یہ قرآن کریم میں درج ہے۔ معاذاً باللہ۔ یہ قرآن کریم میں اضافہ کی ابلیسی جسارت ہے۔ اصل میں یہ اِفتراء مذکورہ بالا آیت سے تراشا گیا ہے جس میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام "مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"

کہہ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی بشارت خدا کی طرف سے دی تھی۔

اِس افتراء سے اظہر من الشمس ہے کہ یہ لوگ " غلام احمد " کو احمد تسلیم کرکے نہ صرف انبیاء کی صف میں کھڑا کرتے ہیں۔ بلکہ اُس کو حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام پر کھڑا کرتے ہیں بلکہ ایک لحاظ سے اُس کو " افضل " قرار دینے کی ملعون کوشش کرتے ہیں کہ اُس کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے۔ اِسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ اس طرح تو مرزا غلام احمد اپنے مریدوں کے نزدیک خاتم النبیین ہوا۔ بیاذاً باللہ۔ خشیۃ اللہ بالائے طاق رکھ کر اُمتِ محمدیہ کو " کافر " قرار دیتے ہیں۔ اِس طرح اُن کا یہ عیارانہ انداز کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی " غلامی " سے حضرت عیسیٰؑ کی پیش گوئی کا مصداق بنا۔ فحش اور فاش ضلالت ہے۔ احمدؐ کے مقدس نام کو غصب کرنا۔ خدا اور اُس کے رسولؐ کو چیلنج کرنا ہے۔ ایسے آدمی کو " غلام احمد " کہنا ایسی ہی بات ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے بیباک منکر کو " غلام اللہ " کہا جائے۔ کہاں حضرت احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اور کہاں مرزا غلام احمد چہ نسبت خاک را بعالم پاک!

## ایک اور نقب زنی

قرآن کریم کی اس عریاں تحریف پر قناعت نہیں کی بلکہ خاتم الانبیاء کے مقدس خطاب اور لقب پر بھی چھاپہ مارا ہے۔ " لِسانَ العرب " عربی کی مستند ڈکشنری ہے۔ اس میں خاتِمْ اور خاتَمْ کو ( INTERCHANGEABLE ) قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ مترادف الفاظ ہیں۔ اور اس کے معنی لکھے ہیں:۔ وہ آخری جو افضل ہو۔ EDWARD WILLIAM LANE کی مشہور لغت (ARABIC-ENGLISH LEXICON) میں خَتَمَہٗ کے معنی لکھے ہیں:۔

پر وہ اِس کے لیے مثال دیتا ہے:۔

أَعْطانی خَتمی:- "HE GAVE ME MY SUFFICIENCY OR WHAT SUFFICED ME, BECAUSE WHAT SUFFICES A MAN IS THE LAST OR UTMOST OF HIS DESIRES OR DEMAND."

جب کوئی گروہ قرآن کریم کے صراط مستقیم سے عمداً اور عملاً انحراف کرتا ہے تو عذابِ الہٰی اُس کا مقدر ہو جاتا ہے۔

## ایک اور ضلالت

سورہ البقرہ کی پانچویں آیت اِس طرح ختم ہوتی ہے۔ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ط

یہاں آخرۃ سے ان لوگوں نے مرزا صاحب کی "وحی" مراد لی ہے۔ آخرت کا لفظ ۳۹ دفعہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ سورۂ لقمان کی پانچویں آیت بالکل اسی طرح ہے۔ ۳۷ جگہ آخرت سے قیامت مراد لی ہے۔ اور سورۂ لقمان کی پانچویں آیت میں بھی آخرت سے مُراد قیامت ہی۔ ان لوگوں نے لی ہے۔ لیکن سورہ البقرہ میں آخرۃ کو مرزا صاحب کی "وحی" قرار دیا ہے۔ یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مؤلف نے ایک قلمی نام سے اس گروہ کے مفسر سے اس بارے میں طویل مراسلت کی وہ اِس مقام پر آخرۃ سے مرزا صاحب کی "وحی" مراد لینے پر مُصِر ہے۔ ان کے تراجم میں یہی غیر قرآنی مفہوم لیا گیا ہے۔ جب مؤلف نے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب نے خود اِس کو اس معنی میں لیا تھا تو انکار کر دیا۔ یعنی جس کی طرف یہ لوگ آخرۃ کو بطور "وحی" منسوب کرتے ہیں اُس کے متعلق خود معترف ہیں کہ اُس کو کوئی ایسا علم نہ تھا۔ جب پوچھا کہ کیا حکیم نور الدین بھی آپ والے معنے کرتے تھے تو جواب دیا کہ وہ بھی اس کے یہ معنی نہیں لیتے تھے، تو اس سے یہی ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو محکمات کو متشابہات اور

متشابہات کو محکمات بنا کر قرآن کریم کی رُوح کو مجروح کرنے کی چاٹ پڑ گئی تھی۔ انہی لوگوں پر اپنی بیہودگی واضح ہونی چاہیے کہ جس کی طرف وہ اپنا افترار منسوب کرتے ہیں اُس کو ساری عمر معلوم نہ ہوا کہ اِس آیت (بالاخرۃ ھم یوقنون) میں آخرۃ سے اُس کی "وحی" مراد ہے۔ ضلالت میں یہ اضافہ ۱۹۱۸ء میں ہوا اور مولوی بشیر علی کو راوی قرار دیا گیا۔

## مکّہ مبارکہ اور مدینہ منوّرہ کی توہین

قرآن کریم کی تحریف و تحویل پر قناعت نہیں کی بلکہ مکہ مبارکہ اور مدینہ منوّرہ کے تقدّس پر بھی چھاپہ مارا اور دینی شعور سے کاملاً عاری جماعت کے سامنے خطبہ میں کہا گیا کہ اب معاذ اللہ حرمین شریفین کی چھاتیوں میں رُوحانی دُودھ خشک ہو گیا ہے۔ اب یہ "قادیان" میں ملے گا۔ جب رعونت اور فرعونیت دل و دماغ میں مستولی ہو تو دشمنِ ایمان و آگہی بننے اور یاوہ گوئی میں کوئی روک نہیں ہوتی۔ یہ نامحمود "خلیفہ" ابرہہ کا المناک اور عبرت آموز انجام بھول گیا کہ مکہ معظمہ پر حملہ کی پاداش میں اُس کا کیا حشر ہوا۔ اِس "خلیفہ" کو اپنے نام سے کوئی نسبت نہ تھی۔ اِس سے تو بڑھ کر ابرہہ کا ہاتھی تھا جو حملہ کے لیے نہ بڑھا۔ الحاج محمد اسحاق صاحب نے نوائے وقت مورخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ایک ایمان افروز مقالہ بعنوان "قصّہ ابرہہ کے ہاتھیوں کا" میں لکھا:- "ابرہہ کے لشکر میں طیاریاں ہونے لگیں۔ ابرہہ نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام کچھ مفسرین نے محمود لکھا ہے۔ ہراول دستے میں رکھا۔ لشکر کی کمربندی ہو چکی تو مکّہ کی سمت کوچ کا حکم ہوا۔ عین اُسی وقت سردارِ عرب نفیل بن حبیب نے جس کے ساتھ راستے میں ابرہہ کی جنگ ہوئی تھی اور اب بطور قیدی اِس کے ساتھ تھا۔ وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی (محمود) کا کان پکڑ کر کہا:- "محمود بیٹھ جاؤ اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا۔

تو خدا تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے۔" یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا۔ ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا۔ اب ہزار جتن فیل بان کر رہے ہیں۔ لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے ہار گئے۔ ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا ہی نہیں۔ سر پہ آنکس پڑ رہے ہیں۔ اِدھر اُدھر بھالے اور برچھے مار رہے ہیں۔ آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں۔ غرض تمام جتن کر لینے کے باوجود بھی ہاتھی نے جنبش تک نہ کی۔ پھر بطور امتحان اُس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا۔ شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا۔ مشرق کی طرف جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا۔ پھر مکّہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا تو وہیں بیٹھ گیا۔ فیل بانوں نے اُسے پھر مارنا پیٹنا شروع کر دیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔"

منکرین ختم نبوت کے محمود کے کان تو ابرہہ کے ہاتھ میں تھے۔ اُس نے تو مکّہ معظمہ کی طرف ہی حملہ کرنے کے لیے دوڑنا تھا۔ اُس کو تو لارڈ کچنر کا سمندر میں غرق ہونا بھول گیا۔ پہلی عالمی جنگ میں لارڈ کچنر نے عربوں کو دھمکی دی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کو اصطبل بنا دے گا معاذاللہ۔ اس دھمکی کے بعد "لُوسی ٹمانیا" جہاز میں رُوس جاتے ہوئے شمالی سمندر میں مع جہاز غرق ہو گیا۔ اس انجام کا نقشہ یوں ہوا:-

آسماں خاکِ ترا گورے نہ داد
مرقدے جز دریم شورے نہ داد

دوسری عالمی جنگ میں مسولینی نے مکّہ معظمہ پر بم پھینکنے کی دھمکی دی۔ اُس کی شکست فاش کا یہ انجام ہوا کہ اُس کی قوم نے اُس کو گولی کا نشان بنا کر اُلٹا لٹکا دیا۔ اور عوام اُس کی لاش پر تھوکتے رہے۔ مؤلف کے معزز و موقر دوست کرنل ڈاکٹر نور احمد صاحب نے مؤلف کو بتایا کہ انہوں نے خود

مسولینی کی اُلٹی لٹکی ہوئی لاش دیکھی (اُس پر تھوکا گیا تھا)۔ اس نامحمود کو بھی اگست ۱۹۴۷ء میں قادیان سے "نالۂ دِل دُودِ چراغِ محفل" ہوکر ہندوؤں کا لباس پہن کر نکلنا پڑا۔ اور دُنیا سے رخصت ہونے سے سات آٹھ سال پہلے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر پیوندِ خاک ہوا۔ گویا چنگیز اور مسولینی کا سا انجام ہوا۔

## حضرت خاتم النبیینؐ کے خلاف یاوہ گوئی

یہ ایسا بے لگام تھا اور گسستہ مہار تھا

کہ ایک دفعہ خطبۂ جمعہ میں یہ کہا کہ حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بڑا نبی آسکتا ہے۔ اس کو زمیندار اخبار نے ہوا دی اور ہندوستان کے سارے اسلامی اخبارات اور رسائل اس پر لعن طعن کی بارش کرنے لگے۔ اور جماعت میں بھی اس ملک گیر اشتعال سے خوف پیدا ہوا تو پھر ڈھیلے منہ سے کہہ دیا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ ایسا کرسکتا ہے۔ لیکن وہ کرے گا نہیں۔ منیر ٹریبونل میں بھی پہلی پیشی پر جب اس پر سوال ہوا کہ کیا وہ حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو معصوم عن الخطاء تسلیم کرتا ہے تو اس نے مبہم سا جواب دیا۔ لیکن آتشیں احتجاج سے خوف زدہ ہوکر دوسرے دن بیان کی نفی کر دی۔ اس نے انکارِ ختمِ نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے جماعت کے ذہن کو مفلوج کر کے بڑی شدادی کا کاروبار چلایا۔ بفرضِ محال یہ دل سے اپنے باپ کے "دعاوی" کا قائل ہوتا تو اُس کے پاس رہتے ہوئے اخلاق سوزی کا ڈرامہ نہ رچاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں کسی پولیس افسر کے پڑوس میں رہ کر آدمی محتاط رہتا ہے۔ چونکہ دل ہی دل میں باپ کے الہاموں کو ابہام ہی سمجھتا تھا اس لیے بڑی سے بڑی بے باکی اور ناپاکی سے نہیں چوکتا تھا۔ مبیّنہ طور پر اپنی نجی مجلسوں میں تو صریح الحاد کی باتوں سے لذت یاب ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس کو

جماعت کی طرف سے اعتراض کا خوف نہ تھا۔ اُس نے جماعت کے لوگوں کو بے خبر رکھا اور جو باخبر تھے اُن کو بے بس کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کنچنی کے ناچ کو فن قرار دیتے ہوئے کہتا تھا کہ علم کی خاطر کوئی چیز بُری نہیں"۔ (الفضل - ۳ر دسمبر ۱۹۵۵ء)۔

یہی بات اُس نے حکیم نور الدین کی طرف منسوب کر کے کہی کہ انہوں نے بھی کنچنی کے ناچ کو ایک طرح کا علم قرار دیا اور دیکھنے کی ترغیب دی۔
(الفضل - ۳ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

اسی اعترافِ معاصی کی رَو میں اُس نے یہ بھی کہا:-

"مجھ پر حملے کرتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں مَیں نے کب اپنے آپ کو پاک کہا ہے" (الفضل - ۲ فروری ۱۵ء)

خدا کی خدائی میں گناہ کا خاصہ ہے کہ گناہ ہی گناہگار پر سوار ہوتا ہے گناہ پر سوار کرنا اور اُس کو اپنے اندر سمیٹے رکھنا فطرتاً ناممکن ہے۔ اِس ضمن میں غالب کا کہنا بالکل صحیح ہے ؎

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

## معصیّت کا نتیجہ ذہنی امراض

معصیت کے ارتکاب سے چند لمحوں کی نشاط تو ہوتی ہے۔ اس کے محو ہو جانے کے بعد سوزِ غم دل و دماغ پر محیط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اشخاص (SCHIZOPHRENIA) شقاوتِ ذہنی کے مریض ہوتے ہیں۔

افشاءِ راز کے سارے جھروکے اور دریچے بند کرنے کی پیہم سعی میں ایک اور ذہنی عارضے کے شکار ہو جاتے ہیں وہ ہے (PARANOIA) (خبط فضیلت) وہ زندگی کے سنگین حقائق اور اُن کے عواقب سے خیالی

طور پر بیٹھنے کے لیے (GRANDIOSE DELUSION) جلالی اوہام) کے مریض ہو جاتے ہیں۔ انہی ذہنی عوارض سے اُن کے اندر (SADISM) (ایذا رسانی کی لذّت) کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے طفیل وہ اپنے حلقہ بگوشوں کو لذّتِ ایذا طلبی (MASOCHISM) کا عادی بنا دیتے ہیں۔ یہی وہ ساری کیفیات تھیں جو مرزا محمود کے وجود میں پیدا ہوئیں۔ انہی کے نتیجہ میں جماعت جمود و خمود میں مبتلا ہو کر ایک متحرک لاش ہو کر رہ گئی اور نادانوں نے اس کو تنظیم کا نام دیا۔ حالانکہ یہ انسانیت کی تجہیز و تکفین تھی۔ وہ یہ نہ سمجھی کہ اُس کا خلیفہ اپنی ناپاکی کا اقرار کر کے بھی یہ کہہ گذرتا ہے:-

"جو شخص مجھے ناکام بنانا چاہتا ہے وہ اسلام کے غلبے کو روکتا ہے۔" (الفضل۔ ۲۸ر اگست ۵۶ء)

"میرا مقابلہ کرنے والا دہریت سے ورے نہیں رہتا۔ (الفضل ر ۱۵ر اگست ۱۹۳۶ء)

یہ ذہن کا فالج نہیں تو اور کیا ہے!

میکاؤ ولی نے آمر (وہ آمر کو PRINCE کہتا ہے) کے متعلق لکھا کہ اُس کو اپنے تحفظ کے لیے لومڑی اور شیر کے خواص پیدا کرنے چاہییں۔ شیر پھندوں سے محفوظ نہیں ہو سکتا اور لومڑی اپنے آپ کو بھیڑیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے آمر کو یہ خواص اس طرح پیدا کرنے چاہییں کہ وہ محسوس ہوں۔ یعنی جب پھندے کا خوف نہ ہو تو شیر بنا رہے جب پھندا نظر آئے تو لومڑی کی مکاری کو شیوہ بنا لے۔

یہی حال مرزا محمود کا تھا۔ جب بے خوفی کی لہر آتی تو روحانی طور پر افضل اکابر کی تحقیر کرتا جب احتجاج کا پھندا یا قانون کا دام ہمرنگ زمین اُس کو نظر آ جاتا تو گناہ گار بن جاتا۔

## اپنے پیشرو سے حسد

چونکہ جماعت میں سربراہ اوّل حکیم نورالدین کا احترام بہت تھا - اس سے خائف ہو کر اُس نے لومڑی کے انداز اختیار کر لیے اور اپنے پیشرو کی جو اُس کا خسر بھی تھا، مذمت کئی حیلوں سے کرتا - اُس نے کہا:-

"خلیفہ اوّل کے زمانے میں میں لنگر خانے کا افسر تھا اور یہ بات بھی جانتا ہوں اور دوسرے سب لوگ بھی جانتے ہیں کہ خلیفہ اوّل کے گھر لنگر سے کھانا جایا کرتا تھا - مگر ہمارے گھر میں کبھی لنگر خانے کا کھانا نہیں آیا -

(الفضل ۳۱ راگست ۱۹۳۸ء) خطبہ

"خدا تعالیٰ نے نوح جیسے نبی کی پروا نہیں کی - نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ (حکیم نورالدین) کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں"۔

(الفضل - ۲ راگست ۱۹۵۶ء)

"اُس وقت بھی خلیفہ اوّل کے خاندان کے چند افراد پیغامیوں کے ساتھ مل کر خلافت کے مٹانے کے لیے کوشاں تھے"

(نوٹ:- اُس وقت سے مراد شاید وہ زمانہ ہے جب حکیم صاحب کی اولاد کا ربوہ سے اخراج نہیں ہوا تھا)

(الفضل - ۲۸ راگست ۱۹۵۶ء) -

اور بہت سے ایسے فقرات ہیں جن سے اُس نے حکیم صاحب کو نظروں سے گرانے کی کوشش کی اور کرتا رہا۔

اصل میں اس تحریک انکارِ ختم نبوت میں کبھی بھی التزام موجود نہ تھا - بانی تحریک حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو از روئے قرآن کریم بن باپ مانتا تھا اور ایسا نہ ماننے والوں کو منکرینِ دین سمجھتا تھا - لیکن حکیم نورالدین اُس کے زمانے میں ہی اِس تصوّر کے قائل نہ تھا - وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

کو بن باپ نہیں مانتا تھا۔ اُن کے چھ سالہ دَورِ سربراہی میں اُن کا خیال ہی غالب رہا۔ اور لاہوری جماعت اب تک اسی کی قائل ہے۔ ۱۹۱۴ء کے بعد سربراہ ثانی نے تو اپنے پیشرو کے استخفاف میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جیسے کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے عیاں ہے۔ اب تیسرے "خلیفہ" نے گدی کی لی اور دعویٰ کیا کہ وہ از روئے تالمود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کا مصداق ہے۔ حالانکہ تالمود یہودیوں کی سیتارتھ پرکاش سی ہے۔ وہ باوجود تحریر و تقریر کے ملکہ سے عاری ہونے کے اپنے باپ سے افضل عملاً تسلیم ہوتا ہے۔ حالانکہ اُس کا کارنامہ ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو منصۂ شہود پر آگیا تھا۔

اپنے اعمال اور احوال کی اذیت ناک زبونی کی بے نتیجہ تلافی کے لیے منکرین کے فرمانروا ادعائے باطل کے بڑے رسیا تھے، تاکہ جماعت کے منہ پر مہر لگی رہی اس طرح جماعت بھی کچھ اذیت پسندی سے اور کچھ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کا مصداق ہو کر زبان بندی کی قیود کی عادی ہو چکی تھی اور اس کا حال بقول شاعر یہ تھا:۔

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

## منکرین کے "قمر الانبیاء" کا حشر

موجودہ سربراہ ثالث کا چچا اور ایم ایم احمد کا باپ "قمر الانبیاء" کہلاتا تھا۔ اور اس کے بڑے بھائی سربراہ ثانی کمربستہ ہو کر اس کے ساتھ ایسا کمر توڑ سلوک کیا کہ وہ اس دکھ کی آگ میں پگھل گیا۔ اس کے صاحب اقبال اور تنومند بیٹے کو اپنا داماد بنا کر بے اولاد رکھا۔ اُس داماد کی چھوٹی بہن سربراہ ثانی یعنی اپنے تایا محمود کی بہو تھی۔ اُس کو اپنے بیٹے سے طلاق دلوائی۔ اسی "قمر الانبیاء" کے دوسرے بیٹے کے نکاح کا مقاطعہ

گیا۔ اور اس کو نکاح خواں نہیں ملتا تھا۔ یہ اُس خاندان کا حال ہے جو "خاندان نبوت" کہلاتا تھا۔ یہ سب انہی باطل ادعاؤں پر خدائی تعزیر تھی۔

## سربراہ ثالث پر داماد کی ضرب

اب حال ہی میں سربراہ ثالث کے پھوپھی زاد بھائی داماد نے اس کی پانچ بچوں والی بیٹی کو طلاق دے کر جماعت سے باہر شادی کر لی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے درونِ خانہ کی عفونتوں کی خبر اولوالامروں کو پہنچا دی ہے۔ اُس مہم جُو جوان کے بزرگ بھائی نے خود مؤلف کو بتایا کہ جو اُس نے کیا وہ شریعت کے مطابق کیا ہے اور اُس کی خبر رسانی کی تردید نہ کی۔ گویا شکمی مناقشت نے زور پکڑ لیا ہے۔

## ناشدنی اور ناگفتہ سانحہ

مذکورہ بالا "قمرالانبیاء" نے اپنے والد پر کتاب بعنوان "سیرت مہدی" لکھی اور اُس میں لوگوں کی روایتیں درج کیں۔ اپنی والدہ کی طرف سے "خلوت صحیحہ" کی تفصیل بھی درج کی۔ یہ حال ہے اِس "اولاد مبشرہ اور ذریت طیبہ" کا! کوئی ماں خلوت صحیحہ کی تفصیل اپنے بیٹے کو کیسے بتا سکتی ہے! "سیرت مہدی" کی پہلی جلد حکماً" واپس لی گئی۔ لیکن جماعت کا یہ حال رہا ہے۔

دیکھ جو کچھ سامنے آئے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

یہ سب انکارِ ختم نبوت کی پھٹکار ہے۔

# تحدیثِ نعمت

مؤلف ۷۳ سال کے مرحلہ میں "صبح گیا یا شام گیا" کا مصداق ہے۔ کسی طویل تحریر کی ہمت نہ تھی لیکن چند صاحبان کرام کی اثر انگیز ترغیب کا لابدی نتیجہ ہے۔ بھٹو شاہی کے دور میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کے بعد مؤلف نے بغیر کسی پہلے تعارف کے ایک آزاد ایم۔این۔اے۔ سے مراسلت کی کیونکہ بقول شخصے انہوں نے خصوصی پارلیمانی کمیٹی (جس نے ۷ ستمبر ۷۴ء کا فیصلہ صادر کیا تھا) کی روئیداد کو فائل پہ منتقل کیا تھا۔ یہ رکن اسمبلی بڑی قدر و منزلت کے انسان کیونکہ اُن کی نظر کرسی پہ کبھی نہیں رہی - بلکہ اُن کا دل و دماغ آیت الکرسی پہ ہی مرتکز رہا۔ اُن سے عرض کی کہ وہ روئیداد شائع کروا دیں۔ کیونکہ منکرین ختم نبوت اندر ہی اندر پراپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں کہ صمدانی رپورٹ اور خصوصی کمیٹی کی رپورٹ حکومت اس خوف سے شائع نہیں کرتی مبادا آدھا پاکستان مرزائی ہو جائے عیاذ باللہ گویا بھٹو نے اشاعت روک کر پاکستانی مسلمانوں کو منکرین کے داؤ پہ لگا دیا تھا۔ مکرم اس وقت ج۔ و۔ ء کے معزز رکن ہیں۔ ان کا مراسلہ محفوظ ہے۔ مؤلف نے انکو BIO-DATE مختصراً لکھ دیا۔ انہوں نے مؤلف کی بات کو تو صرف نظر کر دیا۔ لیکن تاکیداً لکھا کہ مؤلف اپنے تاثرات اور حقائق ضرور لکھے۔ اُن کی تحریر میں گہری تاثیر تھی۔ اُن سے پہلے ایک مکرم دوست میاں محمد رفیق سلمہ اللہ جو احباب میں "علامہ رفیق" کہلاتے ہیں نے اتنا

دباؤ ڈال کر دس ہزار کا چیک (CHEQUE) لے کر مؤلف کا تعاقب فرماتے رہے۔ بڑی مشکل سے دوسرے احباب کے تعاون سے اُن کو قائل کیا کہ طباعت اور اشاعت مؤلف کے بس کی بات نہیں۔ لیکن مؤلف ایک ابتلاء میں مبتلا ہو گیا۔ اِس ابتلاء سے محض اللہ کے فضل و کرم سے نجات اس طرح ملی کہ اسلامی لٹریچر کے بین الاقوامی شہرت یافتہ ناشر مکرم محترم شیخ محمد اشرف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مختصر سی ملاقات میں محض ایک منظم فتنے کے استیصال کی خاطر اور خالصتاً ختمِ نبوت کی رفعت اور پاکیزگی کے تحفظ کی خاطر طباعت اور اشاعت کے حامی بن گئے۔

ترغیبات کے سلسلے میں ایک جریدہ فریدہ کے برگزیدہ مدیرِ اعلیٰ نے بھی جو اسلامی نظریے کے لیے جوَر اور جبر کا مقابلہ کرتے رہے ہیں مؤلف کو بڑے مؤثر مختصر مکالمے کے بعد کہا کہ مؤلف اپنی وفات سے پہلے اُن کو ایک تالیف مرتب کر کے دے جائے وہ اس بارے میں متعلقہ ذمہ داریوں کے لیے طیار معلوم ہوتے تھے۔ ان سب ہمت بندھانے والے احباب کا مخلصانہ شکریہ لازم ہے۔ اصل میں تو خدا کا شکر ہے جس کے فضلِ عمیم سے ان احباب کی دلداریاں مؤلف پہ اس طرح گذریں جس طرح صبحِ صادق کے وقت نسیم کلیوں پر سے گذرتی ہے۔ اس لیے بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

یک منعم و یک نعمت و یک منّت و یک شکر
صد شکر کہ تقدیر چنیں راندہ قلم را

آخر میں عرض ہے کہ اِس تالیف کے مشمولات محض لائبریری کی سطح کے نہیں بلکہ لیبارٹری کی سطح کے ہیں۔ یعنی کتابی ہی نہیں تجرباتی ہیں۔ مؤلف نے قادیان کے دارِ بے امان میں عصمتوں اور عفتوں کو نارِ نمرود میں جلتے دیکھا حیاتِ انسانی سے حیا کی قبا بھی مسلسل چاک ہوتے دیکھی اس تجربے کے بعد وہ کہنے میں

حق بجانب ہے:-

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں!

ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

مؤلف
مرزا محمد حسین

# صدق اور کذب کی قرآنی کسوٹی

## ہوشربا معصیتیں

یہ تالیف جن واقعات اور واردات پر مشتمل ہے اُن کا مؤلف کو حق الیقینی درجے کا علم ہے۔ کیونکہ اُس کو قادیان میں اُس طبقۂ اناث میں بطور اتالیق کے کام کرنے کا موقعہ ملا جو جنسی معصیت کا صید زبوں بنا ہوا تھا اور مؤلف نے اُن خاص "خلافتی" مساکن کو قریب سے دیکھا جو جنسی بدرشوں کے محاذ بنے ہوئے تھے۔ مؤلف نے اپنے مشاہدات کو دل میں مخفی رکھا اور یہ سینے کا داغ بن کر اُس کے وجود کو کھاتے رہے۔ ایک روک تھی کہ فواحش کی اشاعت بظاہر کارِ خیر نہیں۔ ایک خوف بھی دل پر مسلط رہا کہ جس "لاثانی عاصی" کی یہ "لاثانی داستان" ہے وہ اپنے بہیمانہ زور سے نہ صرف اشاعت کو روک دے گا بلکہ وہ کچھ ایسے ستم نازل کر دے گا جس کے تصور سے ایک عاجز انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ ان دو وجوہ کے علاوہ بھی ایک اور بات سدِ راہ تھی وہ یہ کہ معصیتوں کی نوعیت ایسی سنگین اور خوارقِ عادت ہے کہ نہ ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور نہ دیکھ کر بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ بیان کر دینے پر بھی ان کو سننے والا یا پڑھنے والا کبھی تسلیم کر سکتا ہے۔

ان موانع کے باوجود مؤلف نے ان المیوں کے المناک اور حیرت ناک ذکر

چھیڑا ہے۔ یہ اس لیے کہ یہ معصیتیں اخفاء کے پردے میں ایک جماعت کا مسلک بنی ہوئی ہیں اور ان کی پردہ داری کے لیے دین اسلام کی توہین کی پیہم اور بڑے پیمانے پر نصف صدی سے زیادہ عرصے سے نیم کامیاب سعی جاری ہے۔

## پہلی تصانیف کا بنیادی سقم

مؤلف کو اس کا پورا پورا احساس ہے کہ اس کو اپنے مشاہدات، واردات اور یقینی مسموعات کو الفاظ کی قید میں لانا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

یہ المیہ کیا ہے؟ ایک ہوش ربا معصیت کا ایک حدود فراموش خارزار ہے جس کی نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم۔ چونکہ اس کے طشت از بام کرنے سے انکارِ ختمِ نبوت کے اژدھے کا سر کچلا جا سکتا ہے اور غیؔ اور رُشد میں تمیز ہو سکتی ہے۔ اور اس فتنۂ عظیم کے حامیوں کو بھی اپنی خامیوں پر نظرِ ثانی کرنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے اس لیے بتوفیق ایزدی اس ضلالتِ بے پایاں کو بے نقاب کرنا ضروری ہے اس سے پہلے عظیم اصحابِ علم و قلم نے فتنۂ انکارِ نبوت کی گمراہیوں اور کفر سازیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی مساعی جمیلہ کی ہیں لیکن وہ منطق اور فلسفہ کے چکر میں اسیر ہو کر سوادِ اعظم کے سامنے اِس فتنہ کی تباہ کاریوں کو عام فہم انداز میں پیش کرنے میں قاصر رہی ہیں۔ اُن کی افادیت علماءؔ تک ہی محدود رہی جن کے لیے یہ کوششیں تحصیلِ حاصل سے زیادہ نہ تھیں۔ اِن مساعی میں ایک سقم تھا کہ اُن کی سطح بڑی عالمانہ تھی اور دلائل کا انبار تھا۔

## صدق و کذب میں امتیاز کا قرآنی معیار

صدق و کذب میں تمیز کا کامیاب طریق قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

صداقت کے بارے میں ان الفاظ مبارک میں بتلایا ہے :۔ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ " تحقیق میں نے تم (یعنی کفار) میں چالیس سال گذارے ہیں۔ اپنے مشاہدات کی عینک لگا کر میرے دعوے کو پرکھو کیا تم عقل سے عاری ہو گئے ہو۔" چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاکیزگی اور اظہر من الشمس صدق کی وجہ سے الامین مشہور تھے ، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی ہی حضورؐ کی صداقت کا سب سے زیادہ عظیم ثبوت تھا اور ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصلی کسوٹی عملی زندگی ہوا کرتی ہے ۔ اس لیے منکرین ختمِ نبوت کو لاجواب کرنے کے لیے اُن کے سربراہ ثانی کی اپنی زندگی کو پیش کرنا چاہیے اور اسی سے وہ کتراتے ہیں اور پہلو تہی کرتے ہیں ۔ مشاہدات کے مقابلے میں دلائل کی کوئی حیثیت نہیں ہوا کرتی ۔ دلائل سے مشاہدات کی نفی نہیں ہوتی ۔ ہاں مشاہدات بڑے سے بڑے منطقی براہین کو کاٹ کر رکھ دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے اثبات کے لیے کائنات کے مناظر کو بار بار پیش کیا ہے ۔

جن اصحاب علم و قلم نے فتنۂ انکارِ نبوت کے خلاف قلمی جہاد کیا ہے ۔ وہ لائق تحسین ہیں ۔ چونکہ ختمِ نبوت کی صداقت آفتاب آمد دلیلِ آفتاب کی مصداق ہے ۔ اِس مقدس حقیقت پر بحث کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی آسمان و زمین ، لیل و نہار ، دریا و کوہسار کے وجود کے حقیقی ہونے پر دلائل کا سہارا لے ۔ چونکہ منکرین ختم نبوت کے مقابلے میں منطقی موشگافیوں پر تکیہ رہا ہے ۔ اس لیے دلائل سے دلائل ٹکرائے جو لوگ ضد پر قائم تھے وہ ٹس سے مس نہ ہوئے ۔ اگر شروع سے قرآنی کسوٹی یعنی حقیقی واقعات کو سامنے رکھا جاتا اور اُن کے سربراہ ثانی کی جنسی معصیتوں کو الم نشرح کیا جاتا تو اِن منکرین کو یارائے کلام نہ ہوتا ۔ یہ اس لیے کہ قادیانی اپنے سربراہ ثانی کو اپنی تحریک کا نقطۂ عروج سمجھتے ہیں گویا اُس کی خانہ ساز خلافت میں اُن کی تحریک کا مزاج پنہاں ہے اور ان کے عقیدے کے مطابق بیٹے کی "خلافت" باپ کی "پیش گوئیوں" کی مصداق ہے

گویا یہ قادیانیت کا نقشِ ثانی ہے۔ چونکہ اس "سودیشی خلافت" میں فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کا منہ زور پروپیگنڈہ ہوا۔ اِس لیے انکارِ ختمِ نبوت کی لعنت اِسی دَور میں نمایاں ہوئی۔ اِسی قبیح قیادت میں یہ لوگ نہ صرف سوچ بچار سے بلکہ شرم و حیا سے بھی عاری ہو کر رہ گئے۔

## مؤلف کے خروج کی وجہ

اس دَور میں کئی خروج ہوئے وہ صرف سربراہ ثانی کی جنسی تاخت اور اخلاقی تاراج سے پیدا ہوئے۔ ہر دفعہ اس عصیاں کار کے قرب و جوار سے ہی اس کے خلاف بغاوت ہوئی۔ جن لوگوں نے دفاع کیا کچھ عرصے کے بعد مدافعین اس کی غلیظ زندگی کا شکار ہو کر نکلے اور انہوں نے وہی انکشافات کیے جو اُن سے پہلے نکلنے والوں نے کیے تھے۔ گویا آج کے مدافعین کل کے مخالفین بن کر برسرِ پیکار ہوئے۔ مؤلف کا عقیدہ ہے کہ ختمِ نبوت کے انکار کی سزا سے عصمت و عفت کا تصوّر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان منکرین کی جماعت کا ہوا۔ اِس جماعت کا وجود ملکی اخلاق کے لیے سرطان کا حکم رکھتا ہے۔ اِس لیے مؤلف نے احباب کے مسلسل اور پُرزور مشورے اور ترغیب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ احباب میں مؤلف اپنے مشاہدات اور معلومات کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ بقول شاعر مؤلف کی حالت یہ تھی:۔

ع جور و ستم کی داستاں جس سے رقم ہوئی
اُس کو ہی میں نے درد کے قِصّے سُنا دیئے

یہ ایک (CATHARISIS) (ذہنی جُلاب) کا عمل تھا۔ جس سے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا سا ہو جاتا تھا۔ کہنے سُننے میں علاجِ درد کی صورت تھی۔ مؤلف کو انکشافِ درد سے لذت تو ہوتی لیکن اس لذّت میں اذیّت ضرور ہوتی تھی۔ حضرت علاّمہ اقبالؒ کے اس شعر سے ہی اس متضاد کیفیت کا اظہار

ہو سکتا ہے:۔

علاجِ درد میں بھی درد کی لذّت پہ مرتا ہوں
جو تھے کانٹے جگر میں نوکِ سوزن سے نکالے ہیں

احباب کے علاوہ متعدد اہلِ خبر لوگوں کا بھی اصرار اتنا تھا کہ میری کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ:۔

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مجھے اپنی قلمی خامیوں کا شدید احساس ہے کیونکہ جس "لاثانی" داستانِ عریانی پر قلم اُٹھانے کی جسارت کر رہا ہوں وہ کوئی بڑا سخنور اور رستمِ قلم ہی بیان کرتا تو قارئین کو مزا آجاتا۔ لیکن:۔

کوئی بارِ وفا اُٹھا نہ سکا..... یہ بھی الزام میرے سر ہی رہا

# پاکستان کے داخلی دشمن

مجھ سے کوئی منکرِ ختمِ نبوت پوچھ سکتا ہے کہ نصف صدی کے بعد لکھنا چہ معنی دارد؟ تو مؤلف اعتراف میں یہ عرض کرے گا:۔ "خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر"۔ لیکن اب جو یہ بیڑا اُٹھایا جا رہا ہے وہ محض اس لیے کہ ایک سرطان نے پاکستان میں اُمتِ محمدیہ کے مبارک قلعہ میں سُرنگ لگا رکھی تھی اور اب محض مشیتِ ایزدی سے وہ سُرنگ، ستمبر ۱۹۷۴ء کو بھک سے اُڑ گئی۔ اس طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث بھی پوری ہوئی کہ خدا بعض دفعہ ایک فاسق فاجر سے بھی اپنا کام لے لیتا ہے۔ ایک فاسق فاجر آمر جو منکرینِ ختمِ نبوت کا بڑا منظورِ نظر تھا اُس نے اپنے دشمنِ ایمان و آگہی اور رہزنِ تمکین و ہوش اقتدار میں عظیم فسق و فجور برپا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سیلابِ بلا کا ایک دھارا فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کی طرف بھی پھیر دیا۔ گویا ایک فسقِ عظیم کا خاتمہ ایک دوسرے فسقِ عظیم کے دَور میں ہو گیا۔

اب بھی کئی قسم کے خوف دامن گیر ہیں ۔ لیکن مؤلف کے دامن میں ایک مقدس خوف بھی ہے وہ ہے :۔ من خاف مقام ربہ جنتن ۔ اور جنت میں نہ خوف ہوتا ہے نہ حزن ۔

## صداقت کی سند

ایک بات کا ذکر لابدی ہے وہ یہ کہ مؤلف کے پاس تالیف کی کیا صداقت ہے اس بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کسب معاش کے لیے قادیان میں مؤلف کی کارگاہ ہی مقادیانی راس پوتین کی جنسی یورشوں کی جولانگاہ تھی یعنی طبقہ اناث ۔ مؤلف اتالیق اناث تھا ۔ اس کو محض خدا کے فضل سے اس میدان میں کامیابی ہوئی ۔ منکرین کے سربراہ ثانی کے قبیلے سے یہ کام شروع ہوا ۔ رب العالمین نے معاش کے راستے کشادہ اور ہموار کر دیے حتیٰ کہ سربراہ ثانی خود مؤلف کی شہرت کا ذریعہ بن گیا ۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف سے اتالیقی کے لیے مانگ پیدا ہوئی ۔ اس طرح اس صنف ضعیف کی مجبوریوں کے لیل و نہار صورِ متحرکہ بن کر سامنے آنے لگے ۔ سربراہ ثانی کے قبیلے کے لیے اس کے گھر میں کئی دفعہ دن میں جانا پڑتا تھا ۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مؤلف کا کردار ان سے پوشیدہ رہے اور قبیلے کا کردار معلم سے مخفی رہے ۔ ۱۹۳۱ء میں مؤلف کو سربراہ ثانی شملہ لے گیا ۔ وہاں چار ماہ تک ایک چھت کے نیچے ہی رات دن بسر کرنے پڑے ۔ مؤلف اپنی مغفرت کے لیے رات کے کسی پہر اٹھتا تھا ۔ اُدھر سے رات کا ہی کوئی حصہ عادی معصیت کار کے لیے محفوظ ہو سکتا تھا ۔ وہاں یہ تجربہ ہوا کہ رات کو ہی مغفرت کے طلب گار اور معصیت کے رسیا کا ملاپ بھی ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ قارئین کے لیے اشارہ کافی ہوگا ۔ " ہے حیا مانع کہوں یا نہ کہوں "۔

اشارہ اور کنایہ کے رنگ میں ہی کسی ہوشربا عریانی اور فحش کاری کو بیان کرنے سے ہی تہذیب کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے ۔ انگریزی کا ایک محاورہ ہے

ALLUSION EXPLAINED IS ALLUSION LOST یعنی کنائے کی تفصیل و تشریح سے کنائے کی شائستگی مجروح ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ نامحمود کی جنسی چیرہ دستیوں کو مِن وعن بیان کرنا مشکل ہے۔ گر فاش میگویم جہاں برہم زنم اس لیے مؤلف اِس بات کا محتاج ہے کہ قارئین بصارت سے زیادہ بصیرت سے کام لیں۔

# افشائے رازِ نہانی

شملہ سے واپس قادیان آنے کے بعد مؤلف کے مخبرِ اوّل (ڈاکٹر) احسان علی نے جو خلیفہ کی سوتیلی خوشدامن کا سگا بھتیجا تھا، بے دریغ سارے پردے چاک کر دیے اُس کی معلوماتِ حقیقی کا منبع "خلیفہ" کا وہ ڈرائیور تھا جو دن رات سیاہ کاریوں کو دیکھتا تھا بلکہ اس کا رازدارِ خصوصی تھا۔ اس ڈرائیور نے خود براہ راست مؤلف سے قصرِ خرافات کے راز ہائے دروں سُنانے شروع کر دیئے۔ اس کے علاوہ مؤلف کے ایک شاگرد مصلح الدین سعدی نے جو اس عشرت کدے کا ایک سُورما تھا جو حالات سُنائے اُن سے ڈرائیور مذکور کی روایات کی پوری تصدیق ہو گئی تھی۔ مسٹر سعدی نے مؤلف کے مسلسل تردّد کو اِس طرح پاش پاش کیا کہ مؤلف کو عینی قائل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب قریبی مشاہدہ اور عملی شرکتِ معصیت میں اتنا قرب ہو گیا جو دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں ہوتا ہے تو مؤلف کا زہرہ آب ہو گیا۔ جب "خلیفہ" کو افشائے راز کا اندیشہ ہوا تو اُس نے گوناگوں مظالم کے سلسلے سے مؤلف کو دم بخود کر دیا۔ یہ اشارہ جملہ معترضہ کے طور پہ ناگزیر تھا تاکہ انکشافِ راز کا سارا ڈرامہ سامنے آجائے۔ اگر قارئین کو وضاحت کی طلب ہو تو اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ "قصرِ خرافات" عصمتوں کا مقتل بنا ہوا تھا۔ اِس قتل عام سے پہلے صید زبوں اس قصر کے نسوانی مکین تھے۔ بلکہ اُن کا وجود طعمہ کے طور پہ تھا تاکہ گناہ کا خوف

فوراً کافور ہو جائے۔ اور رہرآنے والا عصیاں وطغیان کے بحرِ ظلمات میں کودنے سے احتراز نہ کرے۔

# اقلیم معصیت کا شہزادہ

مؤلف نے لرزہ خیز ہوس کاریوں کو اپنے قلمی ناتوانی کے علی الرغم اس لیے بیان کرنے تہیہ کیا ہے کہ اقلیم معصیت کے اس شہزادے کے بے سرو پا دعاوی اور اس کے پیروؤں کی مبلغانہ مبالغہ آرائیوں کو واقعات و واردات کے ترازو میں تولا جائے تو اُن کی کج بحثیوں کو موت کی نیند سُلا دیا جائے۔ یہ مقصد دلائل سے نہیں حاصل ہو سکتا تھا یہ نقاب کشائی کا متقاضی تھا۔ افراد کا کاروبار افشائے راز نہانی سے ختم ہو سکتا ہے۔ اس طرح شاید کسی بھٹکے ہوئے راہی کو راہِ نجات کی آرزو پیدا ہو۔ کیونکہ قرآنی فارمولا یہی ہے کہ کسی مدعی کے دعاوی کو عمل کی روشنی میں پرکھا جائے۔ جب خلیفہ کی عملی زندگی بے نقاب ہو گی تو اس کے سارے دعاوی اور مُریدوں کی ارادت کیشیاں باطل ہو کر رہ جائیں گی۔ اس بیان کی ضرورت نہیں کہ اس ساری عصیاں کاری میں میخواری کو گہرا تعلق تھا "خلیفہ" ام الخبائث کی آغوش میں ہوش سے سبکدوش ہو کر اپنی ہوس کاریوں کا ناٹک رچاتا اور سجاتا تھا۔ بنتِ عنب کے ذخائر جمع رہتے تھے۔ اُس نے اپنی محافظت کے لیے اپنے سارے خاندان کو اِس متعفن بحیرۂ مُردار میں غرق کر رکھا تھا۔ یہ تین بھائی تھے اور ہر ایک نے ہوس کاری کے لیے اپنا الگ میدان بنا رکھا تھا۔ اِن کے ذوقِ عشرت کا یہ عالم تھا کہ وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے تھے:۔

؎ طالبِ دستِ ہوس کے کئی اور دامن تھے
ہم سے ملتا جو نہ یوسف کے گریباں سے ملا

ان کی خلوتیں ان کی جلوتوں سے خائف اور ان کی جلوتیں ان کی خلوتوں

سے نالاں رہیں۔ "خلیفہ" خود ساحر المو ط بنا ہوا تھا اُس نے صنفِ نازک کو انجام سے ایسا بے خبر کر رکھا تھا کہ وہ عصمت کے تصوّر سے اجنبی ہو کر اُس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنے کے لیے طیار رہتی تھیں۔ اُن کے محافظ بھی ان فتنہ سامانیوں سے مانوس ہو کر خاموش ہو گئے تھے۔

# گناہوں کی المناک یورش

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر اور علم و عرفان کے دعوے کرتا ہوا ایسے حدود فراموش گناہوں میں کس طرح مبتلا ہو گیا اور اُن کے مہیب عواقب سے بے خبر ہو کر کیسے رقصِ ابلیس کرنے لگ گیا۔ اس چیستان کو حل کرنے کے لیے مؤلف کو جرمن کے شہرۂ آفاق شاعر وتمثیل نگار گوئٹے کے معرکۃ الآرا ڈرامہ فاؤسٹ (FAUST) سے ایک کردار کا بیان مل گیا جس سے عقدہ کشائی ہو جاتی ہے۔ اس جرمن ڈرامہ میں دو عورتیں اپنی ہوس کاریوں اور عصمت فروشیوں کا آپس میں ذکر کرتی ہیں اور اپنے اپنے دوزخی واردات کا مبادلہ کرتی ہیں اور اپنے تاریک ماضی کی یاد سے دل گرفتہ بھی ہو جاتی ہیں۔ پھر ان میں ایک مارگیرٹ —— (MARGARET) اپنے گھر جاتے ہوئے خود کلامی (SOLILOQUIES) کرتے ہوئے کہتی ہے:۔ "اے خدا! میں نے گناہ کی زندگی اختیار کی تو اس لیے کی کہ زناکاری میرے سامنے ایسے دلرُبا اور دلکش انداز میں آئی کہ میں اُس کے عشق میں مبتلا ہو کر اُسی کی ہو کر رہ گئی۔"

تالیف کے وِلین (VILLAIN) کے ساتھ بھی یہی سانحہ پیش آیا —— زناکاری ایسی ہوشربا پڑی بن کر اُس پر مسلط ہوئی کہ وہ جنونِ زوج کا مریض بن کر رہ گیا۔ خدا کا تصوّر اُس کے دل سے اس طرح نکل گیا جس طرح کوئی پرندہ اپنے نشیمن سے پرواز کر جائے۔ لیکن اپنی پردہ داری کے

لیے مذہب کا روپ دھار کر اُس معصیت کی پری سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

سب کچھ اک تیرے سوا بھول گئے
کیا ہوا کیا نہ ہوا ، بھول گئے
تیری منزل کا پتہ یاد رہا
اپنی منزل کا پتہ بھول گئے

## نیچر کا انتقام

نیچر بڑی منتقم ہوتی ہے ۔ اس کے ناخن اور دانت بڑے خونی ہوتے ہیں۔ (NATURE IS RED IN TOOTH VELAN) اس کے قوانین کے خلاف بغاوت کرنے والا انجام کار اس کی سفاک گرفت میں آجاتا ہے ۔ انجام کار موت سے پہلے یہی حال اِس بے باک شہوت کار کا ہوا ۔ وہ .V. D سے کیا بچتا اس کے رگ وپے میں وی ۔ ڈی پھیل گئی تھی ۔ اِس کا حافظہ باطل ہوگیا ۔ جب یہ نماز پڑھاتا تو کبھی رکوع ترک کر دیتا کبھی سجدے سے بے خبر ہو کر نماز کا حُلیہ بگاڑ دیتا ۔ یہ بھی خدائی تعزیر کا سماں تھا تاکہ اس کے ثُمّؑ ، بُکُمؑ اور عُمیؑ مرید اس سے عبرت حاصل کریں ۔ نمازوں میں جو یہ مجنونانہ حرکات کرتا اُس کے مُرید ہزاروں کی تعداد میں اس کی اقتداء میں وہی کچھ کرتے کسی کو یارائے کلام نہ تھا ۔ ایک جلسہ کے زمانے میں چوہدری ظفراللہ خاں نے مبینہ طور پر کہا کہ جماعت کے لیے شدید ترین ابتلاء "حضور" کی بیماری ہے کہ ان کے پیچھے نماز صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتی ۔ اس پر اس تقریر کے صدر خلیفہ زادے میاں رفیع نے شکوہ کے طور پر کہا کہ یہ چوہدری صاحب ہی ہیں کہ "حضور" کی "امامت" پر ایسا تبصرہ کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں ۔ گویا "حضور" کی "اطاعت" نماز سے زیادہ "مقدس" تھی ۔ نماز بے شک ذبح ہوتی رہے لیکن اس قتلِ صلوٰۃ پر کوئی حرف گیری نہ کرے ۔

# بستر بیت الخلا بن گیا

حواس باختگی میں یہ فحش گزیدہ "خلیفہ" جلسہ میں تقریر کے لیے لایا جاتا تو غلیظ باتیں کرتا۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ وہ جب پاکستان آیا تھا تو اُس کی عمر ۴۹ سال تھی۔ اب اس کی عمر ۱۰۵ سال ہے۔ اس پہ اس کے بیٹے نے تصحیح کی تو جلسہ میں ایک دل گرفتہ غریب مُرید اُٹھا اور کہا کہ "حضورؒ" کا معاملہ ختم ہو گیا ہے اور یہ کہہ کر جلسہ گاہ سے چلا گیا۔ جب یہ جنونانہ حرکات مسلسل سرزد ہونے لگیں تو "حضور" کو نماز سے ہٹا دیا گیا اور جلسہ میں آنے سے روک دیا گیا۔ اُس کے ہذیان کی پرواہ نہ کی گئی۔ آخر ان لوگوں کو وہی کچھ کرنا پڑا جو اقبالؒ نے ایک شعر میں فرمایا ہے!

؎ تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سجود
ایسے امام سے گذر ایسی نماز سے گزر

اس جنون کی کیفیت میں اُس کے بے اختیار بول و براز سے اُس کا بستر بیت الخلاء کو مات کرتا تھا۔ اس جنون میں ایک "کفرناک" اضافہ یہ ہوا کہ "خلیفہ" نے چیخ چلا کر کہنا شروع کیا کہ اُس کو قادیان لایا جائے تاکہ وہ اپنے باپ کی قبر دیکھے۔ اس پر راہ گم کردہ منتظمین نے مرزا صاحب کا ایک مزار طیار کیا اور اُس کو "مسیح موعود" کا مزار قرار دے کر "خلیفہ" کو دکھایا گیا۔ یہ وہ ناشدنی حرکت تھی کہ جماعت کا بااثر طبقہ بگڑا اور چوہدری ظفراللہ خاں نے بقول کسے دباؤ ڈال کر یہ "کفرکاری" ختم کرا دی۔

# لاعلاج مرض سے معزولی

جب ہوش و حواس کاملاً جواب دے گئے تو ایک انتظامی مجلس (REGENCY) قائم کر دی گئی جو جماعت کے کام چلاتی رہی۔ اس حالت میں

بھی فریب کاری جاری رہی۔ "خلیفہ" کی ہمشیرہ کا ایک بیان "الفضل" میں شائع ہوا کہ "حضور" کے کرنے کے کام پورے ہو گئے ہیں۔ اس لیے بیماری کوئی روک نہیں۔ نہ معزول ہونے والا "خلیفہ" اللہ کے حکم سے معذور ہو کر معزول ہو گیا۔ یہ قہرِ الٰہی تھا کہ جو جماعت مسلمانوں کی نمازوں کو نماز نہیں سمجھتی تھی اُس کو اپنے ہاتھوں اپنی "نمازیں" محض مذبوحی حرکات بنانی پڑیں۔

"خلیفہ" کی لاعلاج امراض پر کروڑوں روپے ضائع ہوتے۔ پی۔ آئی۔ اے کی ہر پرواز پر قیمتی ادویات دوسرے ممالک سے آتی تھیں۔ ایک دفعہ جب خلیفہ ہوش کی حالت میں تھا۔ تو ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کیا تو اُس نے کہا کہ "خلیفہ صاحب" کے جسم کے علاوہ اُن کے "خیال" میں فالج نفوذ کر چکا ہے۔ چونکہ وہ "قادیان" کا نام لے لے کر روتا تھا۔ اس لیے اشکباری سے خیال ہٹانے کے لیے یہ مشورہ دیا گیا کہ "خلیفہ" ایک گیند لے کر دیوار پر مارے اور پکڑے اور پھر مارے اور پکڑے اور یہ عمل جاری رہے۔ اس سے اس کے خیال کا رُخ بدل جائے گا جو عیاذاً باللہ حضرت فاروق اعظمؓ سے بڑا بنتا تھا۔ اُس کو یہ علاج اپنے کافرانہ تمرّد کے منافی معلوم ہوا تو ڈاکٹر مذکور نے کہا کہ ایک ربڑ کا گیند اپنے پاؤں کے محراب کے نیچے رکھ کر پاؤں گھماتے رہو۔ یہ بھی "بیمار" کے لیے ناقابلِ عمل تھا۔ الغرض خدا نے مفتریانہ دعاوی کی یہ سزا بھی دی کہ ہر علاج مزاج پر گراں گزرنے لگا۔ اس طرح حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ پھر بستر پر اضطراب میں مبتلا ہو کر اُس کا جسم چکر کھاتا رہا اور بستر کو اس طرح بنا دیا گیا کہ وہ نیچے نہ گر جائے۔ تحت الشعور کے کواڑ کھل جانے سے جو غلاظت اندر مدفون تھی سب دشتم کے انداز میں نکلنی شروع ہو گئی تھی۔

## لاش کو سنوارا گیا

آٹھ سال تڑپ تڑپ کر مجروح روح شکستہ قفسِ عنصری سے نکلی۔ لاش

اتنی متعفن ہو چکی تھی اور چہرہ اس قدر مسخ ہو چکا تھا کہ گھر والوں کو خوف پیدا ہو گیا کہ اس کیفیت سے سارا اخفا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ چنانچہ داڑھی کو "سنوارا" گیا اور رخسار جو گڑھوں میں تبدیل ہو چکے تھے ان پر غازہ ملا گیا اور جسم پر کئی من برف رکھ کر منظر کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ اس طرح شاہراہِ معصیت کا راہی تہ خاک جا کر زمین کا بوجھ بن گیا۔

اس نے اپنے جنونِ زوج کی تسکین کے لیے اپنی "عبقریت" کو اپنی کورئیت میں غرق کر کے عصمت اور حیاء کے تصور کے استیصال کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ قادیان میں اپنے پرچارکوں کو شادی کے بعد معاً دُور دراز ملکوں میں بھیج دیتا تھا۔ اِس طرح اُن کی منکوحہ بیویاں اس کے لیے کال گرلز ( CALL GIRLS ) بن جاتیں۔ اس طرح یہ بھی ہوا کہ ان مظلوم عورتوں کو اپنے خاوندوں کی غیر موجودگی میں بچوں کی مائیں بننا پڑا۔ اسی طرح نائیجیریا کے "مبلغ" اور واقف زندگی بیوی کو یہی سانحہ الیمہ پیش آیا۔ ذرا سی لہر اُٹھی لیکن جہاں جنسی معصیت کا دَور دَورہ تھا وہاں یہ الم ناک حادثہ دب کر رہ گیا۔

# مؤلف کا حلف

یہ تفصیلاً عرض کر دینے کے بعد کہ فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کے سالار اور اس کے ادعائے باطل کے پرکھنے کا طریق بتانے کے بعد یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغازِ داستان کے ساتھ ہی مؤلف حلفاً عرض کرے کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے وہ سچ ہے اور یہ سچ اس لیے نذرِ قرطاس ہو رہا ہے کہ ایک منظم کذب کا تار و پود بکھر جائے۔ حُسنِ اتفاق سے بڑی موزوں اور مؤثر مندرجہ ذیل عبارت سامنے آگئی جس سے مؤلف کا مافی الضمیر پورے طور پہ واشگاف ہو جائے گا۔

## گناہوں کا خارزار

مؤلف الفاظ کے محراب میں لب کشائی کی پورے یقین سے جرأت کر رہا ہے۔ چالیس سال کے دوران خوف زدگی اور حزن و ملال کی فضا میں تنہا تنہا جو ارمان دل میں مچل رہے تھے وہ اکثر محفلِ احباب میں لب شناس ہوئے۔ مگر زبانِ خامہ پہ سہارا لینے کا یارا نہ ہوا۔ ساحرالموط کے مثیل بلکہ اس سے بڑھ کر فتنہ کار کی صدا کو ندائے فلک سمجھنا تو ترک کر دیا تھا۔ کیوں کہ علم و آگہی نے اندیشہ ہائے دُور دراز کے پردوں کو چاک کر کے رکھ دیا تھا اور نقوشِ حیات نکھرنے لگے، سنورنے لگے۔ سینے کے داغ نوکِ قلم پر رقص

کرنے لگے۔ اس لیے کہ احباب کرام کا مسلسل تقاضا تھا کہ عصمت کے قتلِ عام کے ہوشربا مناظر زینت قرطاس بنیں تاکہ کسی کے لیے عبرت کا سامان ہو اور کسی کو ہوش کے ناخن لینے کی ترغیب ہو اور جس کے دل میں اسلام لبس رہا ہو اُس کو علم ہو کہ ختم نبوت کے انکار سے کس طرح حیا اور شرم سلب ہو جاتی ہے۔

# علم الحیات کے ماہر کی ایک بات

حلفاً مؤلف کو کامل اطمینان ہے کہ وہ گناہوں کے خارزار کے مزاج کا رازدار ہے اور ہوسناکیوں کے سبک شگوفوں کا محرم ہے۔ اس لیے مؤلف عرض پرداز ہے :۔

مجھے قسم ہے قلم کی عظمت کی۔ حرف و معنی کی معرفت کی۔ کتابِ حکمت ربّانی کے گنجہائے گرانمایہ کی کہ اس تالیف کا موضوع صدق اور صرف صدق پر مبنی ہے۔ مندرجہ ذیل حکایاتِ خوں چکاں مصدقہ معلومات کے برگ و بار میں۔ خدا علیم و خبیر ہے وہ جانتا ہے کہ مؤلف اس کے لکھنے میں حق بجانب ہے کہ منکرینِ ختمِ نبوت کی پہلی بستی میں جو اب بھارت میں ویرانہ آباد تھا ہے جنسی معصیت کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ پاکدامنی کا لفظ شرمندۂ معنی ہو کر رہ گیا۔ علم الحیات کے ایک جیّد عالم نے ایک بات خوب کہی کہ مچھلی کی جسمی ساخت کو انسانی معاشرہ سے ایک خاص مشابہت ہے۔ مچھلی کے سر میں پہلے تعفّن پڑتا ہے اُس کے بعد یہ تعفّن اُس کے سارے جسم میں پھیل جاتا ہے اور سڑاند پھیل کر اُس کے جسم کو کھا جاتی ہے۔ یہی حال انسانی معاشرہ کا ہے۔ اس میں اخلاقی عفونت اُوپر کے طبقے سے شروع ہوتی ہے اور پھر سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہی حال منکرین ختم نبوت

کے مریض معاشرہ کا ہوا۔ جب ایک پچیس سالہ پیرزادہ جو معروف تعلیم سے "عاری" تھا گوناگوں حیلوں اور وسیلوں سے "مسند ارشاد" پر قابض ہو گیا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہی جنسی معصیت کے جرم میں ماخوذ ہوا تھا اور پھر ماں کے توسط سے بچ نکلا تھا۔ اُس کو مقتدرِ اعلیٰ بن کر کھُل کھیلنے کا خوب موقعہ ملا۔ اُس نے اپنے اردگرد خانہ ساز "الہامات" اور خوابوں کی فصیلیں کھڑی کر لیں تاکہ احتساب کو راہ نہ مل سکے۔ اُس نے اپنے کردار سے جنسی مزاج کو ایسا فروغ دیا کہ اُس کا پیدا کردہ سارا معاشرہ ملتہب دوزخ بن کر رہ گیا۔ اُس کا اباحی مسلک اُس کے مُریدوں کی نظروں میں ایک "شاخِ نور" کے طور پر اُبھرا۔ اُس کو ظلمتوں نے سینچا اور اس پر شراروں کے پھول آئے اور نیک و بد کی تمیز یکسر مٹ گئی۔

اس تالیف میں تاریخ وار اِس "خانہ ساز خلیفہ" کے وہ بیانات آئیں گے جن کو پڑھ کر ایک عام قاری بادنٰے تدبر جان لے گا کہ عصمتوں کے اس سوداگر کا باطن محیر العقول آلودگیوں سے معمور تھا۔

## میکاوَلی کا بُروز

مؤلف جب بھی مولانا مہر مرحوم و مغفور سے منکرین کے اس سربراہ کے متعلق بات کرتا تو مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص ایک چیستان ہے۔ یہ دُنیائے اسلام کو کافر قرار دیتا ہے۔ اپنے "الہاموں" کی دھڑا دھڑ اشاعت کرتا ہے۔ لیکن یہ میکاؤلیانہ سیاست کا ایسا رسیا ہے کہ گھنٹوں اس سے گفتگو سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو مذہب یا اخلاق سے دُور کا بھی کوئی لگاؤ ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس کو ماننے والے ایسے عقل باختہ اور ادنیٰ ہوش سے عاری ہیں کہ وہ عملاً اِس

کو اولیاء اور انبیاء سے افضل درجہ دیتے ہیں۔ اور یہ شخص اپنے خطبوں میں اپنے مضحکہ خیز "الہاموں" اور "خوابوں" کے انبار لگا دیتا ہے تاکہ جو بوت سامعین کے عقول و قلوب پر وارد ہو چکی ہے وہ قائم رہے۔

مولانا موصوف سے مؤلف کا ایک ہی جواب ہوا کرتا تھا کہ وہ ایسا مادر پدر آزاد دہریہ ہے کہ اُس کے رستے میں کوئی روک نہیں۔ نہ وہ محرم و غیر محرم میں کوئی امتیاز کرتا ہے نہ اُس کو اپنی جماعت کی طرف سے کوئی خدشہ ہے کیوں کہ اُس نے اپنے مُریدوں کو بھی اِسی بے حیائی کے عارضے میں مبتلا کر دیا ہے۔ دہریہ بھی کسی نہ کسی حد تک رُک جاتا ہے۔ لیکن جب عصیاں کاری اوڑھنا بچھونا بن جائے تو پھر یہی کچھ ہوگا۔ جو یہ شخص شب و روز کرتا ہے اس کی سیاست کاری بھی ایک سنڈاس خانہ ہے۔ یہ سارا وبال حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالی سے انکار سے نازل ہوا۔ اِس فتنۂ عظیم سے بے اعتنائی کی سزا ساری قوم پا رہی ہے۔ کیوں کہ جو جماعت یا گروہ ختم نبوت کا قائل نہیں وہ کلمہ طیبہ کا بھی قائل نہیں ہوتا۔

# باپ نے بیٹے پر کمیشن بٹھایا

چونکہ یہ سو دیشی خلیفہ شروع سے ہی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم رفعت کا منکر تھا اس لیے وہ عنفوانِ شباب میں جنسی دھاندلیوں میں مبتلا رہا۔ اُس پر اُس کے باپ نے ایک کمیشن بٹھایا۔ اس کے ارکان چار تھے۔ مولوی نور الدین، خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی اور مولوی شیر علی۔ ان اشخاص کے سامنے اس مجرم کی والدہ نے اپنا دامن پھیلا کر منت سماجت کی اور ارکان سے کہا کہ اگر اس کے معصیت کار بیٹے پر گرفت ہوئی تو اُس کا باپ اُس کو نکال باہر کرے گا۔ ان لوگوں نے اپنی

فقہ کے پردے میں اس مجرم کو بَری کر دیا یعنی یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ چار گواہ عینی نہیں ہیں اس لیے یہ مستوجب سزا نہیں ٹھیرتا گویا نہ زنا کار چار گواہوں کے نہ پیش ہونے سے زانی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو اسی مجرم سے سزا دلوائی۔ ان میں سے دو کو ۱۹۱۴ء میں اس کے خلیفہ بننے پر قادیان سے رخصت ہونا پڑا۔ ایک یعنی مولوی محمد علی کے مکان پہ پہلے پتھراؤ ہوا۔ یہ بات مؤلف کو ربوائی جماعت کے مفسر قرآن نے بتائی تھی۔ کیوں کہ اُس وقت وہ نوین جماعت کا مشہور قابل متعلم تھا۔ اُس نے پتھراؤ کا معاملہ سُنا اور مولوی محمد علی کی مظلومیت کا حال اس کی زبانی سُنا۔ پتھراؤ کے دوسرے دن وہ (مولوی محمد علی) قادیان سے بھاگ نکلا۔ خواجہ کمال الدین ولایت میں تھا وہ وہیں سے الگ ہوگیا۔ اور قادیان بھی شاید نہ آسکا۔ مولوی نورالدین کے بیٹوں کو "خلیفہ" نے ۱۹۵۶ء میں ربوہ سے رسوا کر کے نکال دیا۔ یہی حشر مولوی شیر علی کے پس ماندگان کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ناپاک حرکت سے اغماض کرنے کی جلدی یا بدیر سزا نازل فرما دی۔

## راسپوتین کا مثیل

اس مثیل راسپوتین کو سربراہ اوّل نے داماد بنا کر اُس کے فروغ کے راستے کشادہ اور ہموار کر دیے۔ ضمناً عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ راسپوتین رُوسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں (WOMEN-CHASER) عورتوں کے پیچھے بھاگنے والا۔ یہ ایک رُوسی پادری کا نام بن کر رہ گیا تھا حالانکہ اُس کا نام مانک گریگوری (MONK GREGORY) تھا۔ چونکہ اس نے زارِ روس کی بیوی کا مرشد بن کر زناکاری کا بازار گرم کر دیا تھا تو وہ راسپوتین مشہور ہوگیا لیکن وہ محرم اور نامحرم کی تمیز سے عاری نہ تھا۔ لیکن

ہماری تالیف کے راسپوتین نے تمام ریکارڈ مات کر دیے۔

انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ FIERCE LIGHT BEATS ON THE THRONE یعنی تخت پر سورج کی روشنی شدت سے پڑتی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی آدمی سربراہ بن کر اپنے اعمال اور افعال کو پردے میں رکھنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس پر چار دیواروں سے پھلانگ کر سورج کی روشنی میں آجاتے ہیں اور بے خبر عوام بھی باخبر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی حال اس راسپوتین کا ہوا۔ اندر ہی اندر چرمے گوئیاں تو ابتداء سے ہی چل پڑی تھیں۔ اس کی بہیمانہ جولانیوں کے صید زبوں ہی ایک وقت باہر آ گئے۔ وہ تھے قادیان کے لوگ جو "مستری" کہلاتے تھے۔ ان کا باپ مستری فضل کریم اور اس کا بڑا بیٹا مولوی عبدالکریم تھا۔ اُس کے چھوٹے بھائی اور بہن خلیفہ کی بزم کے رکن رکین تھے، جب اُن دونوں کو ایک بہانے کسی رات "دو چار" کرا دیا تو وہ صبر نہ کر سکے اور انہوں نے اپنے باپ اور بھائی کو سارا ماجرا سنا دیا۔ ان لوگوں نے بھرپور حملہ کیا۔ اور ایک ہفتہ وار پرچہ "مباہلہ" کے ذریعے درونِ خانہ کی غلاظتوں کو طشت از بام کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے مکانات جلا دیے گئے۔ بڑے بڑے مقدمے چلے لیکن برطانوی قانون ایک مکڑی کا جالہ تھا جس میں مکھی تو پھنس کے رہ جاتی تھی لیکن زنبور بچ کر نکل جاتا تھا۔ یہی حال قادیان میں ہوا۔

## مستریوں کا مقابلہ

مستریوں کی یورش کا مقابلہ "خلیفہ" کے مقرّبِ خاص شیخ عبدالرحمٰن مصری نے کیا۔ تحریری حملوں کا جواب تحریراً دیا۔ اور اپنی طرف سے بھی وہ نبرد آزما ہوا، جس سے اُس کو اور زیادہ قرب حاصل ہوا۔ وہ مکافاتِ عمل کے

قانون سے بے خبر ہو کر گناہگار کے لیے چوکھی لڑتا رہا۔ اُس کو علم نہ ہوا کہ اُس کے قرب نے اُس کے گناہگار مرشد کے لیے اس کے گھر میں راہ کھول دی ہے اور اُس نے نقب لگانی شروع کر دی ہے ۔ لڑکی کا راز تو کچھ پوشیدہ سا رہا لیکن مصری کے بیٹے کے ذریعے سارا معاملہ آناً فاناً مصری پر آشکارہ ہوگیا۔ اُس نے بیٹے کو سرکش پایا۔ اُس کی عادات میں مجرمانہ حرکات کے علامات ظاہر ہونے لگے۔ مصری نے اس کی تفتیش شروع کر دی ۔ اور کپور تھلہ میں جا کر بیٹے کو کالج کے ہوسٹل میں جا گھیرا۔ بیٹے نے گھبرا کر ساری تحریرات باپ کو دے دیں ۔ یہ سارا واقعہ مصری کے بیٹے حافظ بشیر احمد نے مؤلف کو لاہوری جماعت کی مسجد کے ایک حجرے میں بیٹھ کر سنایا تھا۔ اور یہ ساری طلسم ہوشربا کہانی اسی تالیف کے اگلے دو بابوں میں بیان کر دی گئی ہے۔

# قصرِ خرافات کے سنگین راز

بہت قریب سے دیکھا ہے رہنماؤں کو
بہت قریب سے کچھ راز پائے ہیں میں نے
کہہ دوں تو گردشِ لیل و نہار رُک جائے
وہ راز جن سے زخم کھائے ہیں میں نے

# معمہ میں ملفوف چیستان

اِس تالیف سے ایک دیرینہ قرض کو بطور فرض ادا کرنے کی سعی کر رہا ہوں - ما توفیقی الا بالعزیز الحکیم - اس وقت تک تعلیم یافتہ طبقہ نے ——— MYSTERIES OF THE COURT OF LONDON کا حال سُن رکھا ہے - اگر مؤلف اپنے معلومات کو قلم و قرطاس کے ذریعہ ادا کر سکا تو قارئین کورٹ آف لندن کے آتشیں رازوں کو بھول جائیں گے - وہ جان لیں گے کہ معصیت میں بھی عمل ارتقاد جاری ہے - معصیت کے نابغوں نے وہ وہ گل کھلائے ہیں کہ شیطان بھی ورطۂ حیرت میں غرق ہو کر رہ جائے - اور ان نابغوں کے سامنے بڑے بڑے شیطان بھی نابالغ نظر آتے ہیں - ان رازوں کے متعلق مؤلف کہہ سکتا ہے کہ از راہِ گوشم دیدہ اند - ان کا بیان خلش و تپش کی داستان ہے - یہ

آبلۂ دل ہے - تحفۂ غم کی سوغات ہے - یہ سیاہ کاریوں کے گہوارہ کا دیدہ وشنیدہ نقشہ ہے - اِن رازوں کا انکشاف مؤلف کے لیے برقِ خاطف کا کام کر گیا - یہ اس لیے کہ یہ راز جس شخص کے متعلق ہیں وہ کئی برس مؤلف کے دل و دماغ پر "مرشد" کے طور پر مستولی رہا - اُس کی ہر بات بے خبری کے دَور میں مؤلف کے لیے حرزِ جان تھی اور اُس کا ہر فرمان اُس کا وردِ زبان تھا - اس مجہول حالت میں اس کے خد و خال کی معمولی حرکت مؤلف کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی تھی - بقول شاعر اس کی قلبی کیفیت یہ تھی :-

ہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقت ناز اِک جنبش تیرے اَبرُو میں ہے

# ایک رات میں سر کے بال گر گئے

ہر چند کہ مؤلف حال مست تھا - حالات کا حقیقی تقاضا تھا کہ مولف بے خبری کی شبِ یلدا پہ بیوہم تبلی الشرا اثر طلوع ہو - اِس کا بلیغ اشارہ پہلے ابواب میں ہو چکا ہے - جب راز کا پردہ چاک ہوا تو مؤلف کے اوسان و حواس جواب دے گئے - ایک رات میں مولف کے سر کے بال غائب ہو گئے - یہ حالت جسم تک محدود نہ رہی - مؤلف کے دل کے نشیمن سے طائر ایمان پرواز کر گیا اور مؤلف چند روز تک دہریت کے اژدہا کا لقمہ بن کر رہ گیا - اس ناگہانی انکشاف سے یہ سب کچھ ہونا بعید از قیاس بات نہ تھی - کہاں یہ کہ مؤلف جہالت میں اُس کو "فضل عمر" سمجھتا تھا کہاں یہ کہ مؤلف کو اُس کی سیاہ کاریوں کے لیے اب تک موزوں الفاظ نہیں مل سکے - شاید ہی کسی بڑے سے بڑے اہل زبان اور اہل قلم کو اُن کے بیان کرنے کا یارا ہو - مؤلف کے لیے کیسے ممکن ہے کہ الفاظ میں ان معصیتوں کی تصویر کشی کر سکے - معاملہ یہ ہے :-

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ

اے نالہ! نشانِ جگر سوختہ کیا ہے

مؤلف اس تالیف کا نام نشانِ جگر سوختہ رکھتا تو اس عنوان سے مؤلف کے عجز بیان کی کوئی جھلکی سامنے آجاتی۔

اس نامحمود شخص نے انکار ختم نبوت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور اس کے پرچار کو "دینی" مشغلہ قرار دے لیا۔ بس کیا تھا! اس پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ کیونکہ اقبال نے صحیح کہا ہے:

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

فتنۂ انکار ختم نبوت کے اس موجد پر ایسی "بولہبی" نازل ہوئی کہ ابولہب بھی ششدر ہو کر رہ جاتا۔ ختم نبوّت کے کھلے خزانے انکار اور اس انکار کے منظم پرچار کی لعنت تھی کہ اس نامحمود خلیفہ اور اس کے عقل باختہ مُریدوں کو اللہ تعالیٰ نے فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ یہ لوگ تکفیر اہلِ قبلہ کی تعزیر کے نتیجہ میں کاروانِ ذلّت و ضلالت بن کر دھرتی کا بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ اور کیفر کردار پر پہنچنے پر بھی ضلالت کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ شرم اور حیا تو اُن کی زندگی کی گریبر سے معدوم ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معصیت کی لہروں کو اپنے سامنے، اپنے پیچھے اور اپنے دائیں بائیں دیکھتے ہیں لیکن وہ اس سے مضطرب ہونے کی اہلیت بالکل کھو چکے ہیں۔ مؤلف اُن کے معصیت سے مانوس ہونے پر حیران ہوتا ہے تو یہ لوگ اُلٹا اُس سے معترضانہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ وہ ایک طویل عرصہ ساتھ رہنے کے بعد کیوں الگ ہو کر برسرِ پیکار ہے۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ بے خبر ہیں کہ ان کا مرکز ان کے مزعومہ دین کا مرقد بن چکا ہے۔ اس لیے فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى کی قرآنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مؤلف کہتا ہے:۔

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

اس ضمن میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ مؤلف ذاتی طور پر بڑا مطمئن تھا کہ ایک ہٹلر قسم کے خلیفہ کے خاندان کی خواتین کا اتالیق ہونے کی وجہ سے اُس کو ایک طرح کا اعزاز حاصل تھا - اور دُنیاوی آسودگی حاصل تھی اور اگر اس کو دو اور دو چار کی طرح پرُ "خلافتی" سیاہ کاریوں کا علم نہ ہوتا اور نہ اُس کو یہ علم ہوتا کہ اُس کو بھی اُس بحرِ ظلمات میں گھسیٹنے کی درپردہ کوششیں ہو رہی ہیں تو وہ اس ظاہری جعلی آسودگی کو ترک کر کے قلبی اذیت میں مبتلا نہ ہوتا - اور نہ اس راسپوتین کی جبری اور خفی عذاب ناکیوں کا شکار ہوتا۔

جب اِن لوگوں میں سے بعض لوگ ذرا نرمی لیکن اصرار سے رازجوئی کرتے ہیں تو مؤلف اُن سے اسی نرم لہجے میں کہتا بلکہ اُن سے پوچھتا کہ مؤلف کو جب معصیتوں اور عصمت ریزیوں کا حق الیقینی علم ہوا تو وہ اس منظر کے اثرات کو اِس لیے نسیاً منسیاً کر دیتا کہ اسیرانِ ضلالت اس کو تسلیم نہیں کریں گے - اگر مرشد بدکار اور سیاہ کار ہے تو کیا بے خبر مُریدوں کی بے خبری سے یقینی معلومات اور عینی مشاہدات باطل ہو سکتے ہیں -

اب جو مؤلف قلم و قرطاس کے سہارے کچھ سنگین حقائق بے نقاب کرنے کی جرأت کر رہا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کہیں اِن حقائق کا مسلسل اخفا بارِ خاطر نہ بن جائے - اور کئی نفسانی عوارض پیدا نہ ہو جائیں - شاید غالب نے اِسی طرف اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے :

سینے کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہُوا

مؤلف کو شدید احساس ہے کہ وہ دل کی بات پوری طرح ادا کر سکے گا کیونکہ جو جنسی جفاکاریاں اور حیاسوزیاں اُس کے یقینی علم میں آئیں اور ایک

عجوبۂ روزگار انداز میں آئیں وہ تو الفاظ کے دامن میں سمائی نہیں جا سکتیں اور گر اُن کے صحیح بیان پر اصرار کیا جائے تو زبان کے سانچے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور الفاظ و محاورات دم توڑ جائیں گے۔

# پاک القاب کی توہین

اس تالیف کے وِلّین ( VILLAIN ) نے اپنے لیے ایسے پاک القاب منتخب کیے جن سے اُس کے ماننے والوں کے ذہنوں کا دیوالہ نکل گیا اور اُن کی ایسی کردار کُشی ہوئی کہ وہ نیک و بد اور شر و خیر میں تمیز کرنے سے قاصر ہو گئے۔ مؤلف ایسی کردار کشی کا تقریباً شکار ہو چکا تھا۔ اُس کو بھی طویل مشاہدے کے بعد یقین ہوا اور پیر پرستی کے برگِ حشیش کا اثر زائل ہوا۔ لیکن سارا ماجرا بیان کرنے کی استعداد مفقود ہو گئی۔ چونکہ سیاہ کاریاں محیر العقول تھیں۔ اس لیے ان کی نوعیت اس سیاہ کار کے لیے مدافعت بن گئی۔ کون مان سکتا کہ اس نے محرم اور غیر محرم کی تمیز کو روند کر رکھ دیا تھا۔ اور اس کے لیے وہ اپنی جہنمی محفل میں کہا کرتا تھا کہ آدم کی اولاد کی افزائش ہی اس طرح ہوئی ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس رشتہ مجامعت میں حائل نہیں ہو سکتا۔ العیاذ باللہ! جیسا کہ اس تالیف میں ایک جگہ محمد یوسف ناز کا بیان نقل ہوا ہے۔ وہ اپنی مخدرات کو میدانِ معصیت میں پیش کرتا اور اُس کے تربیت یافتگان اُن سے حظ اندوز ہوتے اور خود اس رُوح فرسا منظر کا تماشا کر کے ابلیسی لذّت محسوس کرتے یہ واقعات کئی بار منصۂ شہود پہ آئے۔ لیکن جو گوشۂ قفس میں آرام کے عادی ہو چکے تھے وہ کیسے مان سکتے تھے۔ اور جب کوئی مان لیتا تو وہ بے امان ہو کر اپنا منہ لے کر رہ جاتا تھا۔ اُس سے لوگوں کو یا تو بے خبر رکھا جاتا یا باخبروں کو بس کر دیا جاتا۔ اسی کیفیت کی طرف قرآن کریم کا اشارہ ہے کہ " بات یہ ہے

کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں"۔

# شاید تاریخ کا زیغ دُور ہو جائے

مؤلف کو اس تالیف سے کوئی اُلفت نہیں کیونکہ گناہوں کے دوزخ کی تصویر کشی میں کیا لذت ہو سکتی ہے ۔ ہاں انکارِ ختمِ نبوت کے پرچار سے تاریخ میں زیغ آگئے ہیں ۔ شاید اس تالیف کو بغور پڑھنے سے وہ زیغ سیدھے ہو جائیں ۔ ہو سکتا ہے ان راہ گم کردہ لوگوں میں سے کوئی خدا کی عطا کردہ توفیق سے عقل کے ناخن لے گا تو اُس پر "چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر" کا معمہ کھل جائے گا اور وہ جان لے گا :۔ اے بسا انسان ابلیسی کند۔

اگر مولف سے کوئی اُس کی حالت پوچھ بیٹھے تو وہ بقول غالب یہی عرض کرے گا :۔

جانِ غالب تابِ گفتاری گماں داری ہنوز
سمنت بے دردی کرمی پرسی نہ احوال ما

یا "نسبتی" کی زبان سے عرض کرے گا :۔

پرسید زمن یار کہ احوال تو چوں است
تا حال بہ اُو شرح دہم جان دگر شد

یہ محض شعر آرائی نہیں یہ سارے احوال اس تالیف کے مختلف ابواب میں عزم اور حزم سے بیان ہوں گے ۔ لیکن حزم ایسا نہ ہوگا کہ حقیقت ہی "ہضم" ہو کر پوشیدہ ہو جائے ۔ کیونکہ مؤلف کو قارئین کی ہوشمندی کے شعور اور احساس کا بڑا اسہارا ہے ۔ مؤلف کی کیفیت یہ ہے :۔

پر ہوں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا ۔ اِک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

# مؤلف کے شاگردوں کے بیانات

مؤلف کو اُس کے طبقۂ اناث میں سے بعض شاگردوں نے اپنی واردات سنائیں حق کی جستجو میں مؤلف نے دیکھا موج موج اور کھوج لگائی صدف صدف۔ جب یقین کامل ہو گیا تو اُس دوزخ سے نکل کر لاہور آیا۔ مدت مدید تک مہر بلب رہا۔ جب ذرا طبیعت پلٹی تو کسی نہ کسی رنگ میں لیکن واضح طور پر پمفلٹوں اور چٹان میں مضامین کے ذریعے انکشاف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ ساری باتیں حکومت کے محکمہ متعلقہ تک پہنچیں۔ اُدھر ربوہ میں ہلڑبازی شروع ہوئی اور چند بہادر جوان میدان میں آئے۔ اُن کے انکشافات نے روزناموں میں جگہ پائی۔ یہ لوگ مؤلف سے تقریباً تیس سال بعد قادیانی جنگل سے نکل کر آئے۔ اُن کے مشاہدات اور مؤلف کے تجربات میں بال برابر فرق نہ تھا۔

# ایس۔پی (سی۔آئی۔ڈی) سے ملاقات

۱۹۵۶ء میں ایک شام جب مؤلف کافی ہاؤس میں احباب کے ساتھ بیٹھا تھا تو ملک معراج خالد صاحب اور عبداللہ بٹ صاحب آئے اور مختصر سی گفتگو کے بعد مؤلف کو مسٹر عباس مرزا جو ایس۔پی (سی۔آئی۔ڈی) پولیٹیکل تھے، کے پاس لے گئے۔ عباس مرزا صاحب (جواب مرحوم ہو چکے ہیں) کو ربوہ کی اندرونی کشمکش کی تحقیق تفویض ہوئی تھی۔ انہوں نے مؤلف کی تحریروں سے یہ اندازہ لگایا کہ اُن کو مؤلف سے سودمند رہنمائی ملے گی۔ وہ اُن دنوں ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے۔ انہوں نے مؤلف سے کہا تھا کہ وہ اپنے محقق احوال سنائے۔ مؤلف نے جواباً عرض کیا کہ مؤلف کا یک طرفہ بیان تو زخم خوردہ مُرید کی فریاد ہو گی جو اُن کے فرائض کی ادائیگی میں ممد نہ ہو سکے گی۔ زیادہ بہتر ہو گا

کہ وہ سوال وجواب کے طریق سے حالات دریافت فرمائیں۔ اُنہوں نے سوالات کا سلسلہ چھیڑا۔ مؤلف نے اُن کے جوابات دیے۔ انہوں نے جنسی سیاہ کاریوں کے ہر پہلو پر سوال کیے اور ہر پہلو پر مؤلف نے اپنی پوری استعداد سے جواب دیا۔ عباس مرزا صاحب کا حال یہ ہوا کہ وہ کُرسی سے نیچے اُتر کر قالین پر دراز ہو کر کہنے لگے کہ اُن کے والد مرحوم مرزا عطاء اللہ بیگ S.H.O سے D.S.P تک گئے تھے۔ اس لیے اُن کو یعنی عباس مرزا صاحب کو وراثت میں پولیس والی صلاحیت ملی تھی اور وہ خود بھی S.H.O. سے کپتان پولیس تک پہنچے تھے۔ اس لیے اُن کو (CRIMINOLOGY) کا خاصہ فہم رکھنے کا دعوٰے تھا۔ لیکن نامحمود سربراہِ منکرین کی عیاریوں اور گناہگاریوں کا حال سُن کر کہنے لگے کہ اُن کا فہم جرائم تو بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ انہوں نے طویل مکالمہ میں خوب چھان پھٹک کی اور وہ کان پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئے اور مؤلف رات کے دس بجے ملک معراج خالد صاحب کی مہربانی سے اُن کی کار میں سنت نگر پہنچا اُن دنوں مؤلف وہاں رہتا تھا۔ ہاں! ایک بات کہنی ضروری ہے کہ ایس۔پی (سی۔آئی۔ڈی) عباس مرزا نے مؤلف سے وعدہ کیا کہ وہ اُن سے ربط رکھے گا۔ اور وہ خود فحش کاری کے اڈوں کے سارے کوائف معلوم کرے گا۔ یعنی کس طرح مضبوط نوجوان کب اور کس طرح بُلائے جاتے ہیں۔ اور کس طرح گھر اور باہر سے خلیفہ کے لیے شکار لایا جاتا ہے اور کس طرح عصمت کے قصاب اور بوڑھا عادی ہو کر بلادے کے لیے کس طرح دیدہ براہ اور گوش برآواز رہتے ہیں اور کس طرح صنف نازک پہلے مجبور ہو کر اور بعد میں آبرو ریزی کی خوگر ہو کر خود عصمت کے مذبح میں حاضر رہتی ہے۔ اور کس طرح ہیڈ بوڑھا اپنے ناکارہ ہو جانے کی تلافی کے لیے اپنے سامنے حیا اور شرم کی کھال اترتے دیکھتا ہے اور خود کو لباس کے بوجھ سے سبکدوش کر لیتا ہے۔ تاکہ اُس عشرت کدہ کے فرش سے

چھت تک عُریانی ہی عُریانی ہو اور حیا کسی روزن سے دخیل نہ ہو سکے۔

ایس۔پی صاحب کو یہ بھی بتایا گیا کہ (UMARRIED MOTHERS) ہونے کے خوف کی پیش بندی کر لی جاتی ہے اور اکثر تو امومت کی صلاحیت سے عاری کر دی جاتی ہیں۔ اور اگر کبھی ایسا خطرہ لاحق ہو جائے تو اس کا بھی جراحی علاج کر لیا جاتا ہے۔ ایس۔پی صاحب نے سب کچھ سُنا۔ اُس پر جارحانہ جرح فرمائی اور اس سیلاب معصیت کے آگے بند باندھنے کا وعدہ کیا۔ لیکن "وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی" کا عارضہ اُن پر غالب آگیا اور وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔

اُن پر اتمام حجت ہو چکا تھا۔ اِس لیے شعوری غفلت کے عواقب تعزیرِ الٰہی بن کر نازل ہونے تھے۔ ذرا مہلت کا عرصہ طویل ہو گیا۔ پھر جو کچھ ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد اس ذہین مگر غفلت شعار حاکم کے ساتھ ہوا وہ سب پر روشن ہے وہ اپنے منصب سے تعزیراً معزول ہوئے اور ننگر ڈ ڈگری کے سلوک بھی ہوئے اور آخر میں اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۔ کے اٹل قانون کے ماتحت راہِ ملکِ عدم ہوئے۔

حکومتوں اور اُن کے افسرانِ متعلقہ کی ان تھک عیش کوشیوں سے چنگیزِ صفت عصمت تراش ربوہ میں اپنے المناک انجام تک یہی کہتا رہا۔

خضر بھی بے دست و پا۔ الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم۔ دریا بہ دریا جُو بہ جُو

## مولانا مودُودی سے ملاقات

۱۹۵۶ء میں یا اس سے لگ بھگ ربوہ سے کچھ مُہم جُو اور طالع آزما جوان فحش کاریوں کو دیکھ کر سرپرستِ اعلیٰ کے دم خم دیکھ کر گھر بار چھوڑ کر

عصمتوں کے بوجھ سے نبرد آزما ہوئے۔ اُن کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے۔ نوائے وقت نے اپنی منزہ فراست سے اُن کی دست گیری کی۔ پاکستان ٹائمز اور کراچی ٹائمز میں بھی اُن باہمت جوانوں کے انکشافات شائع ہوئے۔ مؤلف اُن کی ہمت پر متعجب تھا۔ لیکن براہ راست کوئی ملاقات نہیں تھی۔ آخر مولوی نور الدین کے بیٹے مولوی عبد الوہاب نے اِن جوانوں کو مولف سے ملنے کی تلقین کی۔ ایک شام کافی ہاؤس میں ملاقات ہوئی۔ مؤلف قادیان سے ۱۹۳۶ء میں آیا تھا۔ یہ لوگ ۱۹۵۴ء میں سربکف ہو کر نکلے تھے۔ جب معلومات کا موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ مؤلف اور ان کے معلومات بالکل ایک جیسے تھے۔ جب لاہور میں اِن کی سرگرمیاں جاری تھیں تو اُس وقت کے آئی۔جی۔ سے بھی اُن کی مبیّنہ ملاقات ہوئی۔ اُس کے مشورہ پر انہوں نے اپنی تنظیم کا نام "حقیقت پسند پارٹی" رکھا اور اس کو رجسٹر بھی کرا لیا۔ اس تنظیم کی بدولت ان کو پریس اور دوسرے بڑے لوگوں سے ملنے میں آسانی ہوگئی۔ چنانچہ اس سے فائدہ اُٹھا کر انہوں نے مولانا مودُودی صاحب سے بھی ملاقات کا وقت لیا۔ جب مؤلف کو اِس کا علم ہوا تو اُس نے بھی ان کے ساتھ جانے کا پروگرام بنایا۔

تاریخ یاد نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ مولانا مودُودی صاحب سے ملاقات اُن کی کوٹھی کے لان میں مغرب کی نماز کے بعد ہوئی۔ مولانا صاحب بڑی اچھی طرح ملے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اپنے وعدے کے مطابق تیار تھے۔

جونہی سلسلہ کلام شروع ہوا۔ مؤلف نے حضرت کو اپنا نام بتایا اور اپنی کتاب اسلام اور سوشلزم (انگریزی) کا حوالہ دیا۔ کیونکہ اس میں مؤلف نے بڑے کھلے الفاظ میں اقرار کیا تھا کہ وہ اس کتاب کی تالیف میں مولانا صاحب کی علم افروز تحریرات کا خوشہ چین ہے۔ چونکہ مولانا صاحب اُس

کتاب کا متن جیل میں مطالعہ فرما چکے تھے اس لیے انہوں نے کریمانہ توجہ مبذول فرمائی۔

مولانا صاحب نے بڑے عمدہ انداز میں اُس شخص نامحمود کی داخلی زندگی کے حالات دریافت فرمائے ۔مولانا صاحب کی توجہ کا ہدف مؤلف ہی تھا۔ مؤلف نے جواباً عرض کی کہ بتلانے میں تامّل کیا ہو سکتا ہے ۔ جب باریابی کا مقصد ہی یہی ہے ۔لیکن مشکل یہ ہے :"کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے" مؤلف کے اپنے الفاظ یہ تھے :۔ "جنسی قتلِ عام کی روداد ایسی ہے کہ مجھے اس کے بیان کرنے کا یارا نہیں ۔ ایک یہ کہ میں آپ کے سامنے کیسے لب کُشا ہو سکتا ہوں جب موضوع اتنا غلیظ ہو کہ اُس کے لیے کسی زبان میں الفاظ ہی نہ بنے ہوں ۔ اور یہ انسانی فطرت کے اس قدر بعید اور متضاد ہے کہ نہ کہنے والا کہہ سکتا ہے اور نہ سُننے والا سُن سکتا ہے ۔گناہوں کے ارتکاب میں وہ آرٹ در انداز کیا گیا ہے کہ بیان حال مجرم کے لیے مدافعت بن جائے گا۔ اس لیے اگر میں بیان کروں اور آپ میرے بیان کو تسلیم نہ کریں در بحیثیت ایک عالمِ دین اور متقی انسان ہونے کے آپ کو باور بھی نہ کرنا چاہیے تو میں آپ کے نزدیک کاذب قرار دیا جاؤں گا ۔ کیونکہ جس ننگ انسانیت کا وہ سراپا ہے وہ COMPULSIVE SEX-ANARCHIST ہے ۔یعنی وہ سیاہ کاری کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اور ایسے آدمی کا نہ تصور آسان ہے اور نہ اُس کی تصویر کشی سہل امر ہے اور اگر خدا مجھے تاثیرِ کلام بخشے وہ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي کی نعمت سے سرفراز فرمائے اور آپ میرے بیان کو تسلیم کر لیں تو مجھے آپ کے متعلق تذبذب ہو گا ۔ اس لیے میں دوگونہ عذاب میں ہوں ۔ ایک طرف ہے DEVIL اور دوسری طرف DEEP SEA ہے۔" پھر یہ بھی عرض کیا کہ جو کچھ مؤلف نے دیکھا وہ مولانا مودودی کے لیے کوئی حجت نہیں ۔ وہ بڑی آسانی

سے رد کر سکتے ہیں ۔لیکن جس نے دیکھا ہے اور شدید احتساب کے بعد دیکھے اور سُننے کا پس معلوم کیا ہے ۔ اُس پر تو اتمام حجت ہو چکی ہے۔
مولانا صاحب بڑے زیرک ہیں انہوں نے فرما دیا کہ وہ سمجھ گئے ہیں ۔

# ایک ناقابلِ فراموش بات

دورانِ گفتگو مولانا مودُودی صاحب نے فرمایا کہ اُن کے پاس ربوہ کے پرچارک آتے رہتے ہیں خصوصاً اس وقت تک جب تک وہ ربوہ منتقل نہیں ہوئے تھے ۔ انہوں نے فرمایا کہ ان پرچارکوں کا مطالعہ تو تھا لیکن بات کرنے کا سلیقہ نہ تھا ۔ وہ قرآن کریم اور احادیث اور فقہ کی باتیں کر جاتے ، لیکن اس انداز سے کرتے کہ خشوع کے بجائے خشونت کا اظہار ہوتا ۔ تضرع کے بجائے تمرّد نمایاں ہوتا اور جرأت ایمانی کے بجائے مجرم کا جبن اظہر من الشمس ہوتا تھا ۔ لیکن ایک مخمصہ پیدا ہوتا کہ اِن کے اجرائے نبوت کے فاسد خیال سے یہ کہنا مشکل ہو جاتا کہ یہ دہریہ ہیں حالانکہ جو اثر چھوڑ جاتے وہ دہریت اور الحاد کا ہوتا ہے ۔ اس لیے مولانا نے فرمایا کہ وہ اس معمے کو حل نہ کر سکے ۔ لیکن مؤلف سے باتیں کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اُن کو آج معلوم ہوا ہے کہ اُن کا تصوّر اُلوہیت ہی باطل تھا ۔ اس لیے انہوں نے الوداع کے وقت بڑی اُلفت سے مؤلف کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مؤلف کے بیان نے یہ گرہ کھول دی ہے ۔ اور پھر محض از راہ شفقت اور کئی بار ملنے کی اجازت سے نوازا ۔ اُن کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مؤلف نے شرفِ باریابی کی سعی کو اُن کے آرام پر تجاوز سمجھا اس لیے پھر ملنے کی صورت پیدا نہ ہو سکی ۔

# مولانا مودودی کے پاس مرزا محمود کا وفد

گفتگو کے دوران حقیقت پسند پارٹی کے اہم رکن بلکہ ستون ملک عزیز الرحمان صاحب نے مولانا سے کہا کہ ربوی اور لاہوری کے مخصوص حلقوں میں ایک بات چل رہی ہے کہ جب مولانا صاحب ۱۹۵۳ء کی ایجی ٹیشن میں قلعہ لاہور میں نظر بند تھے تو اُن کے پاس لاہوری جماعت کے ہفتہ وار پرچہ لائٹ کے ایڈیٹر مولوی محمد یعقوب خان اور خواجہ نذیر احمد، مرزا محمود کا ایک پیغام لے کر آئے تھے۔ مؤلف نے اس کی تصدیق کی کیونکہ اُس کو میاں محمد شفیع (نامور صحافی) نے ایک خط دکھایا تھا جس میں یہ سارا ماجرا لکھا تھا۔

مولانا مودودی صاحب نے جواباً فرمایا کہ یہ لوگ آئے تھے۔ یہ تصریح بے جا نہ ہو گی کہ مولوی محمد یعقوب خان ہم زلف تھے مولوی محمد علی لاہوری کے اور خواجہ نذیر احمد بیٹے تھے خواجہ کمال الدین کے۔ مزید استفسار پر مولانا صاحب نے فرمایا کہ وہ مرزا محمود کا یہ پیغام لائے تھے کہ وہ اپنے عقائد کتنے ترمیم کر دے کہ پاکستانی مسلمانوں کو گوارا ہو سکیں۔ اس پر مولانا صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے اس وفد کو کہا کہ افتراء تو محمود کرے اور اس کی ترمیم وہ (مولانا صاحب) کریں۔ مرزا محمود کو اپنے نامحمود عقائد یکسر ترک کرنے چاہییں۔

ملک عزیز الرحمن نے مولانا صاحب سے کہا کہ اُن کو منیر ٹریبونل کے سامنے یہ پول کھول دینا چاہیے تھا اس پر مولانا صاحب نے پوری اثر انگیزی سے فرمایا کہ یہ ایک ایسی شیلنٹ تھی کہ باوجود معاملہ سچ ہونے کے ٹریبونل اس کو تسلیم نہ کرتا اور اس فتنے کا محرک مرزا محمود مظلوم سمجھا جاتا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ مرزا محمود اپنے عقائد کے عواقب سے خائف تو تھا ہی لیکن وہ اس کو فریب کے رنگ میں اُن کو بہکانا چاہتا تھا۔

مرزا محمود مولانا صاحب کی زیرکی کا حریف نہ ہو سکا۔ اُس نے وہی کچھ کرنے کی ایک کمینہ سعی کی جو بھٹو اپنے دورِ اقتدار میں کرنا چاہتا تھا۔ اگر بھٹو کے دور میں مرزا محمود زندہ ہوتا تو خبر نہیں کیا کیا واقعات رونما ہوتے کیونکہ مرزا محمود کے دل و دماغ میں کئی بھٹو موجود تھے جس طرح بھٹو کے اندر کئی مرزا محمود آسودہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ربوہ والوں کو ہستمبر ۷۴ء کو غیر مسلم قرار دے کر اُن کو اپنی حمایت سے سرمو منحرف نہ ہونے دیا۔ وہ اس واقعہ کے بعد بھی بھٹو پر تکیہ کرتے رہے۔

## مؤلف کا اضطراب انگیز اعلان

مولانا مودودی سے رخصت طلب کرتے وقت مؤلف نے عرض کی کہ مرزا محمود کے دن ختم ہونے والے ہیں۔ وہ فالج سے حواس کھو بیٹھا ہے۔ اُس کے تحت الشعور میں جو غلاظت کے انبار تھے وہ گالیوں کی صورت میں نکلتے بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ ذہول اور نسیان میں وہ وہ کچھ کہہ جاتا ہے کہ سماعت پر آبلے پڑ جاتے ہیں۔ اگر یہ شخص عبرت انگیز انداز میں نہ مرا تو مؤلف پر خدا کا انکار عقلاً وارد ہو جائے گا۔ مبینہ طور پر خلوت بیٹھ کے وقت قرآن کریم کو پاس رکھنے والا بھی خدا کی گرفت سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کے عظیم صبر بخشنے کے بعد ہی اُس کی سیاہ کاریوں کے وسیع و عریض رقبے کو جاننے والا اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ نہ رکھ سکتا۔ اب تک ہزاروں جوان یا دہریے ہو گئے یا اعصابی امراض میں مبتلا ہو گئے۔ جب یہ شخص اپنے باپ کو بھی نہیں بخشتا تو یہ کیا نہ کرتا ہو گا۔ مولانا صاحب مؤلف کا اضطراب دیکھ کر حیران سے ہوئے لیکن تسلی دی اور مزید ملاقاتوں کی اجازت دی۔

# مضحکہ خیز افتراؤں کا تجزیہ

HIS HOLINESS

منکرینِ ختمِ نبوت کے سربراہ ثانی نے اجرائے نبوت (معاذ اللہ) کا ابو الہول کھڑا کر کے اسلامی معاشرہ میں کربناک فضا پیدا کر دی تھی۔ لیکن اُس نے اِس فتنۂ عظیم پر اکتفاء نہ کیا۔ اپنے شباب کی تردامنیوں اور بوقلموں معصیتوں سے عقل باختہ مُریدوں کو مستقل طور پر غافل رکھنے کے لیے اُس نے "فضلِ عمرؓ" ہونے کا افتراء کیا۔ یعنی اُس نے زمام کار سنبھالتے ہی یہ دعویٰ داغ دیا کہ خدا نے (معاذ اللہ) اُس کو حضرت عمرؓ سے افضل ہونے کا یہ خطاب دیا ہے۔ وہ تو دل ہی دل میں جانتا تھا کہ وہ ہستیٔ باری تعالیٰ کا منکر ہے۔ لیکن یہ افتراء اُس کو اپنے مُریدوں کی تنقید سے محفوظ کر لے گا اور اُس کا ناقد اُس کی تعزیر اور جماعت کے غیظ و غضب سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔

تمام دُنیائے اسلام کے خلاف فتوٰی تکفیر کی اشاعت کرنے والی جماعت کی بے وقعتی ملاحظہ ہو کہ اُس نے پچیس سالہ الھڑ مکارم اخلاق سے عاری جوان کو اپنے پہلے سربراہ سے افضل تسلیم کر کے اپنی ۶۰ توں اور عصمتوں کو اُس کے حوالے کر دیا۔ اُس نے اس انفعالیت کو دیکھ کر ایک کلیسائی لقب (HIS HOLINESS) اختیار کر لیا۔ اور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۹ء تک اُس کے سامنے

دفتری کاغذات پر یہ مفتریانہ لقب چھپتا رہا۔ جماعت کی دینی بے غیرتی ایسی تھی کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اُس کو کہے کہ یہ لقب تجسیم خداوندی پر مبنی ہے اس لیے یہ عُریاں کفر و شرک ہے۔

جب ۱۹۲۲ء میں پرنس آف ویلز ہندوستان کی سیر کرتا ہوا لاہور آیا۔ تو یہ "خانہ ساز "خلیفہ" اس کو گورنمنٹ ہاؤس ملنے گیا تو اس کی کار پر ایک پھریرا سا تھا جس پر (HIS HOLINESS) لکھا ہوا تھا۔ چوں کہ برطانوی فرمانروا کا بیٹا اس لقب کے تاریخی اور مذہبی پس منظر کو خوب جانتا تھا اُن پر یہ اثر ہوا کہ یہ کوئی ذہنی مریض ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ" نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"۔ قادیان کے لوگ دل ہی دل میں اس کیفیت سے سخت متنفر تھے۔

# خود نمائی کا مریضانہ مظاہرہ

"خلیفہ" لوگوں کی نفرت سے بے خبر نہ تھا۔ اُس نے اِس نفرت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اور کئی دعوے فضا میں اُچھالے۔ اِس کا نادر نمونہ الفضل مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء میں ان الفاظ میں شائع ہوا:" ملکی سیاست میں خلیفہء وقت سے بہتر اور کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اُس کے شامل حال ہوتی ہے۔" گویا وہ اپنے آپ کو اپنے زمانے کا "خدا کا فرستادہ خلیفہ" سمجھتا تھا۔ اس فرستادگی کا عالم یہ تھا کہ ہر نئے آنے والے گورنر اور گورنر جنرل کے سامنے زانوئے ادب تہ کیے بغیر اُس کا کوئی چارہ نہ تھا۔

# ساری دُنیا کا چالنج

۴ رجون ۱۹۴۰ء کے الفضل میں خود فرائی کی دھن ایک اور رنگ میں اس

طرح آلاپی:۔ "نہیں معلوم کب خدا کی طرف سے ہمیں دُنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے ہمیں اپنی طرف سے طیار رہنا چاہیے کہ دُنیا کو سنبھالیں"۔ گویا بجر مر بہ یہ اپنے استیلا کا خواب اُس کے ہوش پر مسلط ہے اور جماعت کو تلقین کی جا رہی ہے کہ وہ نوائے سروش کے لیے گوش بر آواز رہے۔ پھر اس آرزوئے باطل کو اُبھارنے کے لیے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے:۔ "ہم احمدی حکومت کرنا چاہتے ہیں (۱۴ر فروری ۱۹۲۲ء۔ الفضل)۔ اس پر ایک الٹی میٹم کا اضافہ یوں کیا گیا: "اُس وقت تک کہ تمہاری بادشاہت قائم نہ ہو جائے تمہارے راستے سے کانٹے ہرگز دُور نہیں ہو سکتے۔ (۸ر جولائی ۱۹۳۵ء۔ الفضل) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جماعت کو کہا جا رہا ہے کہ مسلمانانِ عالم بلکہ اسلام ہی قادیانیت کے فروغ میں ایک کانٹا ہے۔ اور کانٹے کو جماعت چن کر نکال دے۔

# دماغی فتور کا ظہور

یہ بے سروپا "دعاوی" خدا کی تعزیر کی نشاندہی کر رہے تھے۔ گویا جُوں جُوں "خلیفہ" دین اسلام کے خلاف بغاوت کی طرف مائل ہوتا اُتنا ہی اُس کے دماغی عوارض تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہوائی قلعے تعمیر کرنا کسی ہوشمند کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ اُس کا جماعت پر حدود فراموش اقتدار اُس کے دل و دماغ کو ماؤف کرتا جا رہا تھا وہ PARANOIA کی مرض کے شکنجے میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی شخصیت دو لخت ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ دعاوی کرتا اور وہ باطل ہو کر اُس پر آگرتے تو اُس کی مرض اور شدت اختیار کر جاتی۔

# میرزا ادیب سے مستعار عبارت

اس مفتری کی نفسیاتی حالت کو اجاگر کرنے کے لیے پاکستان کے نامور اہلِ علم

اور اہل قلم میرزا ادیب کی تحریر سے ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے۔ جس کے بغور مطالعہ سے "خلیفہ" کی ماؤف حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ میرزا ادیب اپنے کسی مقالہ میں "بیابان" کی نقشہ کشی یوں کرتے ہیں " بیابان کی سب سے بڑی حقیقت سراب ہے۔ اور سراب" پہچان" کے ساتھ ایک فریب کارانہ شعبدہ بازی ہے۔ بیابان میں " پہچان" اپنے اعتماد کو کھو بیٹھتی ہے۔ اور بیابان کا مسافر سراب کی فریب کاریوں کے بعد اپنی پہچان پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیتا ہے پھر بھی اُس کے سفر کے تسلسل میں فرق نہیں پڑتا وہ سفر بدستور جاری رکھتا ہے۔ جب عرفی نے یہ شعر کہا تھا تو اُس کے ذہن پر بھی یہی خیال چھایا ہوا تھا۔

ز نقصِ تشنہ لبی دان ۔ بہ عقل خویش منانہ
دلت فریب اگر جلوۂ سراب نہ خورد

# جعلی خلافت کا بیابان

اپنی جعلی " خلافت" کے بیابان میں یہ "خلیفہ" ایک سراب کی طرح بھٹکتا رہا۔ اُس کی اپنی حقیقت تو بس اتنی ہی تھی۔ لیکن اُس کے مُرید جلوۂ سراب کے فریب سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ اپنی فریب خوردگی کو عقیدت جان کر اس "سراب" تک پہنچنے کی سعی میں تشنہ لبی کی اذیتوں کو گوارا کرتے رہے۔ خلافت کا نمودِ بیبیا محض بے حقیقت اور فریب نظر تھا۔ اس کے پالینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب تک فریب ذہن پر مسلط ہے عقیدت کی تگ و تازیوں میں فرق نہیں آ سکتا۔ آخر کار "بیابان" کا مسافر سراب کا تعاقب کرتے کرتے تشنگی سے چور ہو کر تعاقب ترک کر دیتا ہے۔ جب وہ یہ دوڑ دھوپ چھوڑتا ہے۔ اِس میں اُس کی سوچ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ جانگسل تشنہ لبی

سے ہی حقیقت کا فقدان اُس پہ آشکار ہوتا ہے۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہوا جو انکارِ ختمِ نبوت کے بیابان میں "خلیفہ" کے دعاوی کے سراب کے جلوۂ بے حقیقت کے اثر کے نیچے عقل معطل کر بیٹھے تھے۔ "خلیفہ" سے اُس وقت منہ موڑا جب اُن کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

## نیاز فتح پوری کی حیرت انگیز بے خبری

قادیان میں جو حیا سوز ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا اُس کا باہر کے قادیانیوں کو اُس وقت علم ہوتا تھا جب کوئی وہاں سے اور پاکستان میں ربوہ سے باہر نکالا جاتا تھا۔ تعصب کا آہنی پردہ اِس ڈرامے کو مخفی رکھتا تھا اور اُس کی اشاعت میں ناقابلِ عبور روک بنا ہوا تھا۔ اِس روک کی عجوبہ کاری ملاحظہ ہو کہ لوگ "خلیفہ" کے صحیح نام سے اب تک بے خبر چلے آتے ہیں اور ابھی تک اُس کو "بشیر الدین محمود" کے غلط نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُس کا نام مرزا محمود احمد تھا۔ "بشیر الدین" اُس کے مُریدوں کے لیے "خداداد لقب" تھا۔ یعنی "دین کی بشارت دینے والا"۔ اس ضمن میں جناب نیاز فتح پوری کی جاہلانہ بے خبری کا ذکر کرنا بے سود نہ ہوگا۔ اُن نے "نگار" (دسمبر ۱۹۵۹ء) میں بڑے طمطراق سے لکھا کہ اُس نے قادیانیوں کی بیس کتابیں پڑھی ہیں اور اپنے نوٹ میں لایعنی قسم کی تعریف کی تھی اور لکھا تھا "جب ۱۹۲۴ء میں بانئے احمدیت ویمبلے (WEMBLEY) کی مذہبی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے تو جاتے ہوئے دمشق میں بھی قیام کیا" (صفحہ ۳۹۔ نگار۔ نومبر ۱۹۵۹ء) اِس نامور ناقد ادیب کو یہ بھی علم نہیں کہ بانیٔ احمدیت مرزا غلام احمد کا دَور ۱۹۰۸ء میں ختم ہو گیا تھا۔ مولوی نور الدین پہلا سربراہ تھا۔ جو ۱۹۱۴ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد "بانیٔ احمدیت"

کا بیٹا مرزا محمود احمد سربراہ ثانی بنا اور وہ ۱۹۲۴ء میں لندن گیا اور راستے میں دمشق ٹھہرا تھا۔ جو شخص باپ اور بیٹے میں تمیز نہیں کر سکا۔ اس کو یہ کذب بیانی زیب نہیں دیتی کہ وہ کہے کہ اُس نے پندرہ بیس کتابیں پڑھی ہیں۔ اس کی بے خبری کا جو عالم ہے اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے "الفضل" تک کی صورت نہیں دیکھی ہوگی۔

## احرار محمودی سازشوں کا شکار ہو گئے

بعض نامور احرار قائدین بھی قادیانی حقائق سے بالکل بے خبر تھے۔ اُن کی حالات سے لاعلمی نے اُن کے پروپیگنڈے کو بے اثر کر دیا اور وہ خود "خلیفہ" کی عیاریوں کا شکار ہو گئے۔ شہید گنج مسجد کے سلسلے میں مرزا محمود احمد کا براہ راست میاں فضل حسین سے تعلق تھا جو احرار کو گرانے پر تلا ہوا تھا۔ اُس نے ایک جال بچھا رکھا تھا جس میں احرار پھنس گئے۔ چوہدری افضل حق صاحب نے شہید گنج مسجد کی تحریک میں عدم شرکت کا پُر زور بیان لکھا۔ انہوں نے انقلاب کے مدیر کو دکھایا وہ مدیر خود میاں فضل حسین کے معتقد تھے۔ انہوں نے بیان کی تعریف کی۔ اور چوہدری افضل حق صاحب کے کہنے پر اس کی کتابت کرائی اور اپنے پریس واقعہ خالصہ سٹریٹ ریلوے روڈ میں طبع کر کے اپنے کارکنوں کے ذریعے سارے شہر میں تقسیم کر دیا۔ چوہدری صاحب مذکور بھاگے بھاگے دفتر انقلاب آئے تاکہ تقسیم رکوا دیں۔ لیکن اُن کے آنے سے پہلے ہی مطبوعہ بیان شائع ہو چکا تھا اور احرار سواد اعظم کی شدید احتجاج کا شکار ہو کر صید زبوں ہو چکے تھے۔ یہ سب کارروائی میاں فضل حسین کے ذریعے مرزا محمود احمد تک پہنچ گئی تھی اُس نے جمعہ کے خطبہ میں پیش گویانہ انداز میں اعلان ان الفاظ میں کیا:۔ "میں احرار کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی دیکھ رہا ہوں۔" جب احرار کا زور ٹوٹا تو یہ مرزا

محمود احمد کی "پیش گوئی" کی تصدیق بن گئی۔ حالانکہ یہ ایک عیار سیاستدان اور مرزا محمود احمد کی زیرِ زمین چال تھی جو کامیاب ہو گئی اور احرار کی نظروں سے ساری کارروائی کا مرکز اوجھل رہا۔ احرار کا حال چھوڑیے۔ حکومتی ادارے معمہ در معمہ محمودی چالوں کا پتہ اب تک نہیں لگا سکے۔

## ۱۹۵۳ء کی تحریک کا اہم واقعہ

۱۹۵۳ء میں قادیانیت کے خلاف ایک شدید تحریک چلی۔ لاہور ضلع میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اس کی لپیٹ میں بہت سے مسلمان سیاسی اور مذہبی لیڈر آ گئے۔ اس دفعہ مرزا محمود کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے کیونکہ اُس وقت کی مرکزی حکومت بھی کسی مؤثر اقدام کو سوچنے لگی تھی جونہی اس بات کا مرزا محمود کو علم ہوا، اُس نے حکومتی کارروائی کو بے اثر کرنے کے لیے یہ شوشہ چھوڑا کہ اگر "احمدی" غیر مسلم قرار دیے گئے تو وہ "احمدی" نام ساقط کر دے گا۔ اُس کے بعد اُس نے باقاعدہ اعلان کیا کہ وہ تبلیغ نہیں کرے گا۔ جماعت کے متعلق کوئی استفسار ہوگا تو اس کا جواب اُس کی جماعت کے لوگ اپنی مسجدوں میں جواب دیں گے۔ گویا اس نے اپنے "عقیدے" سے ارتداد کی راہ لی۔ یہ اعلان پاکستان ٹائمز مورخہ ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کے پہلے صفحے پر شائع ہوا۔ اگر تحریک کے قائدین غفلت نہ کرتے تو مرزا محمود احمد کے اعلان پر اُس کے خلاف مؤثر کارروائی کرا سکتے تھے۔ حکومت نے بھی کوئی اقدام نہ کیا۔ حالانکہ وہ مرزا محمود کے بیان کو بنیاد بنا کر ایسے احکام جاری کر سکتی تھی۔ جس سے فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت اپنی موت آپ مر جاتا۔

## ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا فیصلہ ادھورا رہا

مئی ۱۹۷۴ء میں ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر سنگین قانون شکنی ہوئی جس سے

خوفناک تحریک چلی - اس ضمن میں صمدانی کمیشن مقرر ہوا اور پھر قادیانی جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا فیصلہ پارلیمانی خصوصی کمیٹی نے کیا - اس کا اعلان ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہوا - قادیانی لوگ "غیر مسلم" قرار دیے گئے - لیکن بھٹو نے عمداً اس کو ادھورا رکھا - اس کے مستقبل میں نتائج تو برآمد ہونگے - لیکن سردست خاطر خواہ نتیجہ مرتب نہیں ہوا - یہ لوگ غیر مسلم قرار دیئے جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے عائلی قوانین کے تحت نکاح شادی کرتے ہیں - اور لین دین اور سوشل معاملات میں اس فیصلے نے کوئی مؤثر صورت اختیار نہیں کی - بلکہ ان لوگوں کو یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ باہر ممالک میں پروپیگنڈا کریں کہ ان کے دین و مذہب میں مداخلت کی گئی ہے -

قادیانی پروپیگنڈے کا کمال ملاحظہ ہو کہ وہ نصف صدی تک " احمدی " کہلاتے رہے - حالانکہ وہ حضرت احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے تھے اور مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبیؐ مانتے ہیں وہ "غیر احمدی" کی ملعون اصطلاح سے منسوب ہوتے رہے - گویا انکارِ ختمِ نبوت کے مجرموں نے مسلمانوں کی غفلت اور بے تنظیمی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ مسلمانانِ عالم کو " کافر" قرار دے کر " غیر احمدی" کی اصطلاح کو رائج کر دیا۔

# صحیح فیصلے کے خدوخال

اگر فیصلہ کرنے والے حقیقت شناس ہوتے تو وہ یہ فیصلہ کرتے کہ جو لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے وہ دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیے جانے کے بعد اپنے آپ کو "احمدی" نہیں کہلا سکتے - کیونکہ ان منکرینِ ختمِ نبوت کا " احمدی" کہلانا مسلمانوں کے دین میں مداخلت ہے - جب " احمدی" اصطلاح اُن کے لیے قانوناً ممنوع ہو جاتی تو ان لوگوں

کا سارا کاروبار ٹھپ ہو جاتا اور کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کو مداخلت فی الدین کہہ سکتا۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خاتم النبیین کا منکر خود کلمہ طیبہ کا منکر ہے وہ کوئی ایسی دینی اصطلاح اپنے لیے نہیں چن سکتا جس سے اُس کا ملحدانہ انکار واضح نہ ہو اور اُس پر "غیر مسلم" ہونے میں کسی کو شبہ ہو۔

جہاں تک "مسلم" اور "غیر مسلم" کی اصطلاحوں کا سوال ہے۔ مؤلف کے علم کے مطابق پچھلے ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں یہ اصطلاحیں نہ ان منکرین کی تقریروں میں ملتی ہیں اور نہ اُن کی تحریروں میں۔ ان میں دو ہی اصطلاحیں اب تک رائج ہیں وہ ہیں "احمدی" اور "غیر احمدی"۔ وہ نہ اپنے آپ کو مسلم لکھتے ہیں یا کہتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے لیے "غیر احمدی" کے علاوہ کوئی اور اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ "تکفیر اہل قبلہ" اُن کی دینی بے راہروی کی جان ہے اس لیے وہ اہل قبلہ کو مسلمان تو کہتے نہیں اس لیے اُن کو "غیر احمدی" قرار دیتے ہیں۔ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس عُریاں دُشنام کے خلاف کبھی انفرادی یا اجتماعی منظم احتجاج نہیں کیا بلکہ ان منکرین ختم نبوت کی خود ساختہ اصطلاح "احمدی" کو غلط العام کے طور پر گوارا کر کے بین السطور اپنے لیے "غیر احمدی" کی فاسق اصطلاح کو بے شعوری سے فروغ دیا ہے۔

## فیصلہ عملاً کالعدم رہا

اندریں حالات ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کا ان پر کوئی اثر عائد نہیں ہوا۔ اُس فیصلہ میں ان کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ جو منحرفین قبلہ "مسلم" کی پاکیزہ اصطلاح کو بھی اپنے لیے استعمال نہیں کرتے۔ وہ "غیر مسلم" کے جملے کو اپنے ہاں نادر کالمعدوم سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کی انہوں نے رائی

بنا بر بھی پروا نہیں کی ہاگر اس آئینی ترمیم کو سرکاری قواعد و ضوابط کے ذریعے عملاً نافذ کر دیا جاتا تو یقیناً ان پر انکارِ ختمِ نبوت کے شرعی عواقب کا اثر ہو جاتا۔ جب اس دور کی حکومت اس معاملہ میں مکر و فریب سے کام لے رہی تھی اور علماء نے اس فیصلہ پر استیعابی نظر نہ ڈالی تو "منکرین" نے اس سارے معاملے کو لہو و لعب ہی سمجھنا تھا۔ اور سمجھتے رہیں گے جب تک اُن پر کاری ضرب نہ لگے گی اور جب تک وہ پاکستان میں عملاً اور قانوناً "غیر مسلم" کی سطح پر نہیں لائے جاتے اور اُن کے اور مسلمان سوادِ اعظم کے درمیان شرعی خلیج حائل نہیں ہو جاتی۔ مؤلف کے ناقص خیال میں بھٹو اور بے خبر علماء اللہ تعالیٰ کے سامنے مسئول ہیں کہ اُن کو دار کرنے کا موقع ملا لیکن یہ وار بھی ان کی ناقابلِ فہم غفلت سے خالی گیا۔

# بایزیدی قول اور یزیدی عمل

بھٹو معزولی تک یہ دعوے کرتا رہا کہ اُس نے نوّے سال کا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اور اُس دَور کے پنجاب کا وزیرِ اعلیٰ اُس کو "محافظ ختمِ نبوت" اور "پاسبانِ ختمِ نبوت" کے القاب ارزاں کر کے عذابِ الہٰی کو دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ اُس کی دارو گیر میں خود آن کر بھی اُس کا دینی شعور بیدار نہ ہوا۔ اُس کو یہ علم نہ ہوا کہ ختمِ نبوت کی نعمت عظمیٰ کا محافظ اور پاسبان خود اللہ تعالیٰ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خاتم النبیینؐ ہونے کے اُمت کے تا روزِ حشر محافظ اور پاسبان ہیں۔ ان متّبعینِ بھٹو کو یہ انتباہ یاد نہ رہا، "با خدا دیوان باش با محمد ہوشیار"۔ اور نہ ہی اُن پر یہ نورانی حقیقت روشن ہوئی :۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اُن کو اپنی کھُلی بے دینی کی وجہ سے یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس سیّدالبشر صلی اللہ علیہ وسلّم کا مبارک نام لیتے ہوئے اِس کے صحیح نام لیواؤں کے دل کی حالت کیا ہونی چاہیے۔ اُن کو کیا علم تھا کہ:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جُنید و بایزید ایں جا

یہ لوگ منہ سے تو بایزیدی دعوے کرتے رہے۔ لیکن اُن کے مسلسل عمل یزیدی ہی رہے۔ ہاں کئی بندگانِ خدا بھی تھے جو صحیح شعور رکھتے تھے لیکن سیاسی جبر و قہر نے اُن کو کچھ کرنے نہ دیا۔ اُن میں اور دوسروں میں یہ فرق قائم رہا:۔ "عاقل نے اِدھر دیکھا غافل نے اُدھر دیکھا"۔

---

# ربوی مجوسیت پر اقبالی ضرب

منکرین ختم نبوت اپنی بے تقدیس تنظیم کی شاخ نازک پر اپنے مکائد کا آشیانہ بنانے کی سعی لاحاصل کرتے رہے ہیں۔ کسی دَور ماضی کے دَور میں حضرت علامہ اقبالؒ نے قادیان کے متعلق "حُسنِ ظن" کا اظہار کیا ہوگا۔ اور اپنے فرزند ارجمند آفتاب اقبال کو بھی قادیان میں تعلیم کے لیے بھیجا تھا۔ یہ دَور تھا مولوی نورالدین کا جو اُن کے   کے گروہ کا سربراہ اوّل تھا۔ جو بانی جماعت کو وہ کچھ نہیں سمجھتا تھا جس کا بعد میں سربراہ ثانی نے بڑا طوفانی اور زہرناک پروپیگنڈا پچاس سال کیا۔ اُس کے عمل سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس کے دَور میں بحث و جدال کی صف لپیٹ دی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُن دنوں اور بعض مسلمان معززین کی طرح حضرت علامہ اقبالؒ بھی حُسنِ ظن رکھتے ہونگے۔ ورنہ وہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی ختم نبوت سے خفیف سے خفیف انحراف کو گوارا نہ کرتے تھے۔ چہ جائیکہ وہ اپنے صاحبزادے کو قادیان بھیج دیتے۔ اُن کا یہ فعل ہی منکرین کے خلاف پہلی اقبالی ضرب تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت قادیان میں ہی قادیانیت رُو بہ انہدام ہو چکی تھی۔ اس لیے منکرین حضرت علامہ مرحوم کے اس عمل سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ وہ لوگ خود ہی اُن دنوں اپنے افترا سے ہٹ چکے ہونگے۔ نہ کہ علامہ مرحوم فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کی مخالفت میں نرم ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ انکارِ ختمِ نبوت کو جلی شرک سمجھتے تھے۔ اِس ضمن

میں وہ فرماتے ہیں:۔

اے کہ بعد از تو نبوت شُد بہر مفہوم شرک
بزم را روشن ز نورِ شمع عرفاں کردہ ای

# علی گڑھ کا ایک لیکچر

حضرت علامہ اقبالؒ نے علی گڑھ میں ۱۹۱۱ء میں ایک لیکچر دیا تھا۔ لیکچر انگریزی میں تھا اُس کا ترجمہ اُردو میں مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ اُس لیکچر میں قادیان کی اُس وقت کی روش کا ذکر اچھے انداز میں کیا گیا کیونکہ قادیان پر مولوی نور الدین کا اثر تھا اور اُن دنوں قادیان میں کسی ایسی تبلیغی پروگرام کا کوئی چرچا نہ تھا جس سے انکارِ ختمِ نبوت کے فاسد عقیدے کو کسی قسم کا فروغ حاصل ہو۔ جب ۱۹۱۱ء میں پشاور سے مولوی عجب خاں نے مولوی نور الدین سے بانیٔ جماعت کے متعلق فتویٰ مانگا تو جواباً جو تحریر بھیجی گئی اُس میں بانیٔ جماعت کے لیے نہ "حضرت" کا لفظ تھا نہ "مولانا" کا خطاب تھا۔ "علیہ السلام" کے کہنے سے بھی شدید اجتناب برتا گیا تھا۔ اگر اس سادہ رویّے کو فروغ ہوتا تو اس جماعت کا دُنیائے اسلام میں وہ حشر نہ ہوتا جو ہوا۔ لیکن ۱۹۱۴ء کے بعد تکفیر اہلِ قبلہ کا شعلہ جوالہ قادیان میں بھڑکا اِس میں بعض سُوءِ ظن سے پرہیز کرنے والوں کی خوش فہمی بھی بھسم ہو کر رہ گئی۔ اور حضرت علامہ اقبالؒ بھی اس گمراہی کی رُو سے سخت بدظن ہو گئے۔ اُن کو فوراً احساس ہوا کہ "جو کچھ کہ دیکھا خواب تھا، جو سُنا افسانہ تھا"۔ اور انہوں نے اِس فتنہ کا پُرزور دشنام سے نہیں دلائل قاطعہ سے مقابلہ کیا۔

# قادیانی اعتراض کا منہ توڑ جواب

قادیان سے ایک انگریزی ہفتہ واری پرچہ THE SUNRISE شائع

ہوتا تھا - اقبالی ضربوں کی تاب نہ لاکر اس پرچہ نے لکھا کہ علامہ اقبال" —— CONSISTENT نہیں رہے یعنی اُن کی پہلی رائے قائم نہیں رہی - اپنی طرف سے تو اس کو بطور طعنہ کے شائع کیا تھا - حالانکہ بات ٹھیک تھی - جب خوش فہمی کی بنیاد ہی قادیانی سربراہ ثانی نے خود ہی اپنی ملعون جارحیت سے ختم کر دی تو علامہ کیسے CONSISTENT رہ سکتے تھے۔

حضرت علامہ نے اس اعتراض کا مسکت جواب دیا - یہ جواب اُن کی تقاریر اور بیانات کے اُس مجموعے میں ہے جو کسی نے "شملو" (SHAMLOO) کے قلمی نام سے مرتب کیا تھا - یہ مجموعہ المنار اکیڈمی - لاہور نے مارچ ۱۹۳۵ء اور ستمبر ۱۹۴۸ء میں دو دفعہ شائع کیا۔

# علامہ اقبال کا دندان شکن جواب

جب علامہ سے پوچھا گیا کہ کیا انہوں نے THE SUNRISE میں وہ مراسلہ پڑھا ہے جس میں اُن کے لیکچر (علی گڑھ) کا حوالہ دے کر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اپنے پہلے خیال سے منحرف ہو گئے ہیں - تو انہوں نے جو فرمایا اُس کا اُردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اپنے انگریزی لیکچر کی کاپی نہیں اور نہ ہی میرے پاس اس لیکچر کا اُردو ترجمہ ہے جو مولانا ظفر علی خاں نے کیا تھا - جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ لیکچر ۱۹۱۱ء میں یا اس سے قبل دیا گیا تھا - مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ ربع صدی پہلے مجھے کچھ اُمید سی تھی کہ اس تحریک (قادیان) سے اچھے نتائج برد ئے کار آئیں گے - اس سے قبل ایک مشہور عالمِ دین مولوی چراغ علی صاحب نے اسلام پر کئی کتابیں لکھی ہیں اور بانی تحریک سے تعاون کیا اور براہین شائع ہوئی - لیکن

کسی مذہبی تحریک کا مضمر مزاج ایک ہی دن میں منکشف نہیں ہوتا۔ تحریک مدت بعد کے بعد ہی اپنی اصلیت کو واشگاف کرتی ہے۔ جب یہ جماعت (قادیان) کی خلفشار سے دو متخالف گروہوں میں منقسم ہو گئی تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جو افراد ابتداء میں بانی تحریک سے وابستہ تھے اُن کو بھی علم نہ تھا کہ یہ تحریک کس رُخ مڑ جائے گی۔ میں ذاتی طور پر اس تحریک سے اُس وقت متنفر ہوا جب بانی جماعت کے دعویٰ کو دعویٰ نبوت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ در معاذ اللہ اُس کی "نبوت" کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے افضل قرار دیا گیا۔ اور اہل قبلہ پر کفر کے فتوٰی کی تشہیر ہوئی۔ بعد میں میرے تنفر کو ایسی تقویت ملی کہ میں نے اس تحریک کے خلاف علمِ جہاد بلند کر دیا۔ یہ کام میں نے اُس وقت کیا جب میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا کہ ایک قادیانی بڑے گستاخانہ انداز میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر رہا تھا۔

درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرا موجودہ موقف پہلے موقف کے برعکس ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ ایک زندہ اور صاحب فکر انسان کا حق ہے کہ اُس کی صحیح دریافت اُس کے پہلے سقیم تصوّر کو باطل کر دے۔ (اور وہ راہ راست پر گامزن ہو)۔ امریکی مفکر ایمرسن کا قول ہے کہ پتھر ہی ایک جیسے رہتے ہیں۔"

("شملو" کے مرتب کردہ مجموعہ کا صفحہ ۱۵۴) (تاریخ درج نہیں)

# حضرت اقبالؒ کے قول کی تصدیق

علامہ اقبالؒ کے اس قول کی تصدیق کہ فاسد تحریک جب پروان چڑھتی ہے تو اُس کے داخلی مضرات منصۂ شہود پر آتے ہیں۔ ان منکرین کی اپنی تاریخ سے ہوتی ہے۔ قادیانی (حال ربوی) گروہ اپنے سربراہ ثانی کے پچاس سالہ

دَور کو عروج و فروغ کا دَور کہتا ہے۔ حالانکہ "لاہوری گروہ" اس سارے عرصے کو زوال اور انحراف کا دَور کہتا ہے۔ اِن کے اس جُملے کے جواب میں اربابِ ربوہ برملا کہتا ہے کہ "لاہوری جماعت" "دوزخ کی جلتی بھرتی آگ ہے۔" اور یہ "ٹوڑی کی گو بھی" ہو کر رہ گئی ہے۔ ۱۹۰۸ء تک اُن میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ یوں دست و گریبان ہو کر اپنا بھانڈا چوراہے میں پھوڑیں گے۔ محمودی جماعت نے اپنے سربراہ ثانی کو سربراہِ اوّل پر فضیلت دی۔ اور اگر کسی نے سربراہ اوّل کی پُرزور تعریف کی تو اُس کی خوب دُرگت بنائی گئی۔ اس سربراہِ ثانی نے غلو کا یہ عالم پیدا کیا کہ اُس نے اپنی "سودیشی خلافت" کے انکار کو بھی کفر کا درجہ دیا۔ وہ لاہوری جماعت کو غیر مبائعین کہتا تھا اور اُن کا جنازہ بھی ممنوع تھا۔

# نیم دروں نیم بروں جماعت

"اقبال کے حضور" سیّد نذیر نیازی کی شاندار تالیف ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۹۱-۱۹۳ پر مکرم نیازی کا ایک سوال درج ذیل ہے، "علامہ صاحب لاہوری جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ جماعت تو اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرتی۔" اس کے جواب میں علامہ نے فرمایا: "یہ ٹھیک ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک اس کا جرم یہ ہے کہ یہ جماعت ان لوگوں کو (محمود گزیدہ لوگوں کو) مسلمان بلکہ بہتر مسلمان سمجھتی ہے جو مسلمانوں کی تکفیر کر رہے ہیں" اسی روش کی بنا پر "لاہوری جماعت" ہر بحران میں قادیانی (حال ربوی) جماعت کی تابع مہمل رہی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں اینٹی قادیانی تحریک میں "لاہوری جماعت" نے مرزا محمود کا ساتھ دیا۔ حالانکہ وہ منیر ٹریبونل کے سامنے اپنے سارے تکفیری عقائد سے ارتداد کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اُس نے تبلیغ ترک کرنے

کا اعلان کر دیا تھا۔

۱۹۷۴ء میں جو لہر ان لوگوں کے خلاف اُٹھی۔ اُس میں بھی "لاہوری جماعت" کی پُر زور ہمنوائی کے آثار عیاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ، ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کو اِس نیم دروں نیم بروں جماعت لاہور پر بھی نافذ کر دیا گیا۔

# عمرانی ناسور کی گہرائی

ختمِ نبوت کلمۂ طیبہ میں اس طرح موجود ہے جس طرح صدف میں موتی۔ مرزا محمود نے دینیاتی مجادلوں میں علماء کو اُلجھائے رکھا حتیٰ کہ علامہ نے ۱۹۳۵ء میں (THE STATES MAN) میں ایک بصیرت افروز مقالہ لکھ کر یہ بات واضح کر دی کہ اگر بانیٔ جماعت کے انکار سے کفر لازم آتا ہے تو اِس فاسد عقیدے کے ماننے والے بانیٔ جماعت کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ گویا وہ عملاً اور عقیدتاً بہائیوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ علامہ صاحب نے اس بارے میں درست فرمایا تھا کہ بہائی لوگ قادیانیوں اور لاہوریوں سے زیادہ صاف گو ہیں کہ اُن کا ظاہر و باطن ایک ہے۔ اس کا عملی ثبوت بھی موجود ہے۔ قادیان سے ۱۹۲۰ء یا اس کے لگ بھگ بہت سے پُرانے قادیانی اپنے عقیدہ کے اثر کے نیچے بہائی ہو کر جماعت سے نکل آئے تھے۔

"قادیانی" اور "لاہوری" لوگ اسلامی معاشرے سے اس لیے وابستہ رہے کہ وہ معاشرتی فوائد سے مستفیض ہوتے رہیں۔ یہ اصل میں عمرانی (QUI ZZLINGS) تھے۔ انہوں نے ایک گہرے عمرانی ناسور کی صورت اختیار کر لی تھی جس سے علامہ اقبال بھی کماحقہ واقف نہ تھے۔ اُن کی ضرب تو ۱۹۰۸ء تک رہ گئی۔ حالانکہ ۱۹۱۴ء کے بعد مرزا محمود نے اپنی "خلافت" کو ماننا لازم قرار دیا۔ اُس نے برملا اعلان کیا تھا۔

" مجھے یقین ہے کہ جو شخص مجھے چھوڑتا ہے وہ حضرت مسیح موعود کو چھوڑتا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود کو چھوڑتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے اور جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے وہ خدا کو چھوڑتا ہے"۔ (الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء)

دیکھا! کس ابلیسی التباس کا ذکر کس بے باکی اور کس مشرکانہ انداز سے کیا ہے۔ اس کافرانہ اعلان سے علامہ اقبال کا تجزیہ اور بھی زیادہ واضح اور نمایاں ہو کر اس عمرانی اور روحانی ناسور کے گھاؤ کو الم نشرح کرتا ہے

# فقہ کالمی اداکاری

فقہ کالمی اداکاری کی تصدیق کے لیے ہزاروں تحریرات موجود ہیں۔ ان کے اندراج سے معاملہ طول پکڑ جائے گا۔ مرزا محمود کی تالیف "کلمۃ الفصل" کا ایک اقتباس ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ تالیف منکرین ختم نبوت کے لیے ستیارتھ پرکاش کا درجہ رکھتی ہے۔ تالیف نگار لکھتا ہے:۔

حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اگر ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں (مرزا محمود) کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا۔"

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین ختم نبوت ابتداء سے ہی اپنے آپ

کو دُنیائے اسلام سے الگ سمجھتے تھے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے دُنیائے اسلام کو دائرۂ اسلام سے اس لیے خارج کر رکھا تھا کہ وہ حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہر مفہوم میں خاتم النبیین تسلیم کرتی ہے۔ اور اجرائے نبوت کو ہر مفہوم میں عریاں کُفر قرار دیتی ہے۔ اس لیے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا فیصلہ اُن کے لیے بے معنی تھا کیونکہ وہ مندرجہ بالا تحریر کی رو سے زندگی خصوصاً مذہبی اور عمرانی زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آپ کو بالکل الگ سمجھتے تھے اور عرفِ عام میں وہ مسلم بھی اپنے آپ کو نہ کہتے تھے۔ "مسلم" کی اصطلاح اِنہوں نے متروک کی ہوئی تھی۔ اس لیے اُن کے لیے "غیر مسلم" کی اصطلاح عملاً بے معنی تھی۔

# اگر علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے

تشکیلِ پاکستان کے بعد مسلم لیگی حکومتیں داخلی انتشار سے دوچار رہیں۔ اِس جماعت کے اپنے حصے بخرے ہوتے چلے گئے۔ اِس لیے پاکستان کی معمار جماعت نے منکرینِ ختمِ نبوت کو بطور "مسلمان" کے پاکستان میں آنے کے خطرات کو نظر انداز کر دیا۔ پاکستان کلمۂ طیّبہ کے نام پر مسلمانوں کے لیے خدا کے فضل سے بنا تھا۔ جو جماعت مسلمانوں کو کافر کہنا اپنا مذہب سمجھتی تھی وہ پاکستان میں کیسے داخل ہو سکتی تھی لیکن وہ داخل ہوئی اور بڑے زوروں سے داخل ہوئی اور اُس کے اپنے افسر بڑے بڑے مناصب پر فائز تھے، اُنہوں نے الاٹ منٹوں میں بڑی فیاضی برتی، حتیٰ کہ "جماعت" کو ایک مرکز (ربوہ) بخشا۔

اگر علامہ اقبال زندہ ہوتے تو وہ یہ تعدّی نہ ہونے دیتے۔ وہ قائدِاعظم کو منکرین کے عزائم سے آگاہ کرتے اور قائدِاعظم یقیناً علامہ اقبال کے مشورہ کو قبول کرتے اور یہ لوگ یا تو ہرگز نہ آتے یا اپنے تکفیری دین سے توبہ کر

کے آتے۔ اور پاکستان میں مسلم معاشرہ ایک سنگین خطرہ سے محفوظ رہتا۔ علماء نے بھی اِس فرض سے غفلت برتی ورنہ وہ بھی اگر مسئلہ کی طرف توجہ کرتے تو ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی سارا فتنہ فرو ہو جاتا۔

اگر مسلمانوں کو "کافر" کہنے والی جماعت اور اُس کے سربراہ ثانی کو ذرا بھر حیا ہوتی تو وہ خود اپنے تکفیرِ اہل قبلہ کے فتویٰ کے پیش نظر پاکستان نہ آتے۔ نہ اُن کو شرم آئی اور نہ پاکستانی مسلمانوں نے غیرت سے کام لیا۔ اس طرح نحوست کا کارواں چل پڑا اور یہ قضائے مبرم ہے کہ جب تک کسی ملک میں ختمِ نبوّت کے تقدّس کی توہین کھُلے بندوں ہوتی رہے گی اور اُس سے صرفِ نظر ہوتا رہیگا۔ تو وہ ملک اُنہی بحرانوں سے دو چار ہوتا رہے گا جو انکار ختمِ نبوّت کے جلو میں آتے رہیں گے۔

# آخر کار ایک مرحلہ آیا

آخر کار ایک مرحلہ آیا۔ اِس کی تفصیل تو بعد کے باب میں ہے۔ لیکن یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک فاسق فاجر کے ہاتھوں منکرینِ ختمِ نبوت کے خلاف ایک آئینی سطح پہ اقدام ہوا۔ گویا فاسق فاجر کے ہاتھوں فاسق فاجر منکرین ختم نبوت اور اُنکے حامی آئینی تعزیہ کی زد میں آئے۔ لیکن یہ ضرب کاری ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فاسق فاجر کو اسلام کی صحیح اور مؤثر خدمت کرنی نصیب ہوتی۔ اگر صمدانی کمیشن رپورٹ اور اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کی رپورٹیں شائع ہو جاتیں تو فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کا ایک رنگ میں خاتمہ ہو جاتا۔ چونکہ یہ ساری تدبیر بازی اس لیے ان رپورٹوں کو مخفی رکھا گیا۔ ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کو قواعد اور ضوابط کے ماتحت نافذ نہ کرنے والے کو بھی وہ سزا ملی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ختم نبوت کی تقدیس سے کھیلنے والے خدا کے قہر سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

مؤلف نے صمدانی کمیشن رپورٹ اور دوسری پارلیمانی خصوصی رپورٹ کی اشاعت کے لیے مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کو لکھا تھا کیوں کہ معلوم ہوا تھا کہ اُن کو خصوصی کمیٹی کی رپورٹ کو فائلوں پہ لانے کا کام تفویض ہوا تھا لیکن وہ بلطائف الحیل اُس کو ٹال گئے۔ اس وقت اقلیتوں کے نائب وزیر مکرم ملک محمد جعفر صاحب سے بھی التماس کیا لیکن وہاں بھی سکوت لاہوت ہی تھا۔

# علّامہ اقبالؒ کا عالمانہ نوٹ

علّامہ اقبالؒ نے بانیٔ جماعتِ منکرینِ ختم نبوت کے متعلق ایک عالمانہ نوٹ بھی لکھا تھا۔ اُس میں بھی مشعلِ ہدایت تھی لیکن کسی نے توجہ نہیں کی۔ علّامہ فرماتے ہیں:۔

" مولوی منظور الٰہی نے بانیٔ احمدیت کے الہامات کا جو مجموعہ شائع کیا ہے۔ اُس میں نفسیاتی تحقیق کے لیے متنوع اور مختلف مواد موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانیٔ احمدیت کی سیرت اور شخصیت کی کنجی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ کسی دن نفسیاتِ جدید کا کوئی متعلّم اُس کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے گا۔ اگر وہ قرآن کریم کو اپنا معیار قرار دے۔ (اور چند وجوہ سے اس کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ جن کی تشریح یہاں نہیں کی جا سکتی) اور اپنے مطالعہ کو بانیٔ احمدیت اور اُس کے ہمعصر غیر مسلم صوفیاء جیسے رام کرشنا بنگالی کے تجربوں تک پھیلائے تو اُس کو اس تجربہ کی اصل ماہیت کے متعلق بڑی حیرت ہوگی جس کی بنیاد پہ بانیٔ احمدیت نبوت کا دعویدار ہے"۔ (قرآن اور اقبال صفحہ ۴۲۔ مرتبہ ابو محمد صالح۔ ناشر سنگِ میل پبلیکیشنز۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ طابع نیاز احمد۔ مطبع استقلال پریس۔ لاہور)

# مسلم لیگ میں قادیانیوں کی شمولیت

## کا خطرہ

# ان کی دھمکی پر اقبالی محاسبہ

مکرم سید نذیر نیازی اپنی مقبول عام تالیف "اقبال کے حضور" کے صفحہ ۴، ۵ پر لکھتے ہیں : "جب مسلمانوں کے ذہنی خلفشار کا ذکر ہوتا اور جب یہ سوال ہوتا کہ اسلام جس نظام اجتماع و عمران سے عبارت ہے اُس میں ہماری اطاعت کا محور کیا ہے تو اِس صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے حضرت علامہ کا ذہن طبعاً جماعت احمدیہ کی طرف منتقل ہو جاتا اس لیے کہ جماعت احمدیہ اگرچہ اصولاً سواد اعظم سے کٹ چکی تھی بلکہ سواد اعظم کو سواد اعظم ہی نہیں مانتی تھی لیکن مصلحتاً اس سے تعلق اور وابستگی پر مُصر تھی ........ ایک طرف اس کی کوشش تھی کہ سواد اعظم سے باہر اپنا الگ تھلگ وجود قائم رکھے دوسری طرف اس کی کوشش تھی کہ مسلمان اسے اُمت کا جزو تسلیم کر لیں محض اس وجہ سے کہ ہندو اور عیسائی اُن کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے یہ سطحی اور بے روح اتحاد ناقابل قبول تھا ........ تبلیغ دین کے پردے میں بھی علامہ اِس جماعت کے شمول کو نہایت ناگوار اور ناقابلِ برداشت سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ تبلیغ اسلام سے مقصود تبلیغ عقائد ہی نہیں ........ یہ اپنے مخصوص عقائد کی چار دیواری میں بند ہے حقائق سے بے خبر ہے کہ اسلام کی رہنمائی قبول کرنے کے بعد اور فکر و عمل کا رُخ کس طرح موڑنا ہو گا ...... اس کی علٰحدگی سے اُس کے لیے تسکینِ ذات کا پہلو نکلتا ہے لیکن اس میں دیرپا افادیت مفقود ہے"۔

# قائدِ اعظم کے نام مرزا محمود کا خط

اس مذکورہ تالیف " اقبالؒ کے حضور " میں درج ہے (صفحہ ۱۹۲-۱۹۳) کہ علامہ نے فرمایا :- " جناح نے مرزا محمود کا خط مجھے دیا ہے ۔ مرزا محمود کہتا ہے :" ہماری جماعت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے ۔ اگر آپنے ہمیں لیگ میں شامل نہ کیا تو مجبوراً ہمیں کانگریس میں شامل ہونا پڑے گا " اس پر مکرم نیازی صاحب نے پوچھا :- " آپ کی کیا رائے ہے ۔ فرمایا :- رائے کا کیا سوال ہے ۔ ہم اُن کی شمولیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ...... مرزا محمود لیگ اور کانگریس سے سودا کرنا چاہتا ہے ۔ میں (اقبال) نے بہر حال جناح صاحب کو لکھ دیا ہے کہ اس قسم کے خطوط کا کوئی جواب نہ دیں "

# سرطان زدہ معاشرے کی حالت زار

لیکن اس مدبرانہ مشورے کے باوجود چوہدری ظفراللہ خاں کے ذریعے مرزا محمود لیگ میں در انداز ہوگیا اور اپنے عقیدے کے مطابق پاکستان کو " نامسلمانوں " کا وطن قرار دیتے ہوئے بمع جماعت پاکستان میں گھس آیا اور کسی کے کان پر جُوں تک نہ رینگی ۔ اُس کو دل ہی دل میں خدشہ تھا ۔ اس لیے جب اپنے ذاتی ہوائی جہاز کے ذریعے لاہور آیا تو اس کو جماعت سے پوشیدہ رکھنے کی سعی لاحاصل کی ۔ جب خبر عام ہوگئی تو مرزائیوں کو یہ کہا گیا کہ اُن کا سربراہ ثانی صرف قائدِ اعظم سے مشورہ کرنے آیا ہے ۔ جب یہ خبر گوارا ہو گئی اور لاہور کے مقامی لیڈروں اور علماء نے کوئی احتجاج نہ کیا تو مرزا محمود کو رتن باغ اور جودھامل بلڈنگ ۔ بھارن ٹن روڈ پر جگہ مل گئی ۔ یہ اُس وقت کی عظیم عمارتوں میں سے تھیں ۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا محمود کے داماد

اور بھتیجے ایم ایم - احمد بحالیات کے کمشنر بن گئے پھر کیا تھا نہ صرف پہلی آلاٹ منٹیں بحنہ ہوگئیں اور عمدہ عمدہ عمارتیں بخش دی گئیں بلکہ سیٹھ جانکیداس کی عمارت پام دیو بھی مل گئی - حالانکہ قادیان میں حکمران ٹولے کی ساری عمارتیں ملا کر کسی ایک عمارت کے لگ بھگ بھی نہ تھیں۔

اگر تکفیر کے اژدھا کے ڈسے ہوئے عوام اور علماء اور سیاسی لیڈر حضرت قائد اعظم کو مسلمانوں کے مکفّرین کے سربراہ کی تینتیس سالہ کفر بازیوں اور سیاست کاریوں سے آگاہ کرتے تو وہ ضرور اُس شخص سے نپٹ لیتے، کم ازکم اس کے متعلق حضرت اقبال کے اقوال کو ہی مشتہر کیا جاتا تو پاکستانی معاشرہ اِس جان لیوا سرطان سے محفوظ ہو جاتا - جب تک یہ سرطان جڑ سے نہیں اکھڑ جاتا اُس وقت تک پاکستانی معاشرہ رُو بصحت نہ ہو سکے گا - اسلام کے نام پہ بننے والی مملکت میں اپنے جعلی مذہب کو اسلام کہنے والے عذابِ وعید کو دعوت دیتے رہیں گے - اس تیس سالہ بحران میں اب تک کسی نے یہ نہیں دیکھا نہ اس کا کسی نے ادراک کیا ہے کہ منکرینِ ختمِ نبوت کو ڈھیل دینے کی یہ سزا ہے کہ پاکستان کی سیاست کا ناقابلِ علاج ناسور اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے - ان مجرمین کو حفاظت دے کر یہاں کی حکومتیں ربّانی حفاظت سے محروم چلی آرہی ہیں۔

یہ مؤلف کا ایمان ہے اور علی وجہ البصیرت ایمان ہے کہ جو اخلاقی سفاکیاں ربوہ کے مذہبی مذبحہ میں ہو رہی ہیں - انہوں نے رحمتِ خداوندی کے دروازے بند کر دیے ہیں - اس میں خدا اور رسولؐ اور تاریخ کی عدالت میں علماء مسئول ہیں کہ وہ جمہوریت جمہوریت کی صدائیں لگا رہے ہیں - اور دین میں جو نقب دن دہاڑے لگ رہی ہے اُس کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں - کبھی وہ معاشرہ برکت کا گہوارہ بن سکتا ہے؟ جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استخفاف سے اغماض کر رہا

ہے۔ اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ علیم و خبیر خدا بھی معاذ اللہ بے خبر ہے یا اُس نے اِن فراموش کاروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ اسلام، اسلام کا نعرہ سُنائی دیتا ہے۔ لیکن اس نعرے کی رُوح کو مجروح کرنے والی ابلیسی قوت پر ضرب نہیں لگ رہی۔

---

# ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے تاریخی فیصلے کے محرکات

شاید چند ہی لوگ ہوں گے جن کو یہ معلوم ہو کہ "قادیانیوں" کے خلاف ۷ ستمبر ۷۴ء کے فیصلے کے محرکات کیا تھے۔ ایک دیرینہ محرک تو بدستور چلا آ رہا تھا کہ منکرینِ ختم نبوت نے اہل قبلہ کو فقہی اعتبار سے نہیں بلکہ اپنے عقیدے کی بنا پر "کافر" قرار دے کر مسلمانوں کے قلوب میں آتشِ انتقام کو روشن کر رکھا تھا۔ جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ وہ مسلمانوں کو "غیر مسلم" کہہ کر اُن سے کسی قسم کے رابطے کو اپنے "مذہب" کے خلاف سمجھتے تھے، اور اگر ان کی جماعت کا کوئی رُکن خفیف سا بھی انحراف کرتا تو اُس کو جماعت سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ اگر مرزائی باپ نے مسلم بیٹے کی مسرت یا ملال میں کوئی دلچسپی لی یا مرزائی بیٹے نے مسلم باپ سے احسان کا سلوک کیا تو وہ باغی قرار دیا جاتا تھا۔

ظہور پاکستان سے پہلے برطانوی استعمار قادیانیوں کا نگہبان تھا۔ ان کی کفر بازی پر انگریز حکومت ٹس سے مس نہ ہوتی۔ وہ اس کو نظر انداز کر جاتی تھی کہ اس کی تکفیر سے کئی سماجی فتنے رونما ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب مسلمان اپنی دینی غیرت سے ان مکفّرین کا سدّ باب کرتے اور ان کے مساجد میں داخلے کو انہی لوگوں کے عقائد کے پیشِ نظر روکتے اور ہائی کورٹوں کی طرف رجوع کرتے تو برطانوی عدالتیں اِن لوگوں کو دائرہ اسلام کے اندر قرار دے کر اِن کو کھلی چھٹی دیتی رہیں۔ اِس قسم کے مقدمات پٹنہ ہائی کورٹ، مدراس

ہائی کورٹ اور غالباً پنجاب ہائی کورٹ میں ہوئے۔ ہر جگہ اُن کو مسلمان ہی قرار دیا گیا۔ گویا اُس دَور کی عدالتوں کے نزدیک یہی مسلمان تھے یا بالفاظِ دیگر دُنیائے اسلام کو کافر کہنے والے ہی "مسلمان کہلوانے کے قانونی" حقدار تھے۔

## پاکستان میں بھی ان کا غلبہ قائم رہا

جب پاکستان میں یہ منکرینِ ختمِ نبوت فوج ظفر موج کی طرح آئے تو حکومت پاکستان نے اُن کے تکفیری فتووں کو نظر انداز کر کے اُن کو بطور مسلمان الاٹمنٹیں عطا کیں۔ بلکہ اُن کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور وہ ربوہ میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کو کافر کہتے رہے حتیٰ کہ قائداعظم کا جنازہ بھی نہ پڑھا۔ اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے دُون کی لی اور ایک استفسار کے جواب میں اپنے جنازہ نہ پڑھنے کے متعلق کہا کہ وہ "کافر" حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ ہے یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر خارجہ ہے۔ اس بات کا ذکر صمدانی کمیشن کی کارروائی میں زور سے آیا۔ لیکن عملاً کوئی اقدام نہ ہوا۔

پاکستانی حکومت پر چوہدری ظفر اللہ خاں چھایا ہوا تھا اِس لیے اُس کا "خلیفہ" بھی ربوہ میں اس طرح رہا گویا وہ قادیان میں برطانوی سنگینوں کے سائے میں ہے۔ اُس نے پانچ لیکچر دیے جن کا ایک ہی عنوان تھا "پاکستان اور اُس کا مستقبل" ان لیکچروں میں بین السطور اُس نے پاکستان کی مزعومہ کمزوری کی طرف بلیغ اشارات کیے۔ ان لیکچروں کی صدارت شیخ عبدالقادر صاحب، اُس وقت کے مسٹر جسٹس ایس۔اے رحمٰن صاحب اور ملک فیروز خاں نون صاحب نے کی۔ ان میں سے کسی کو خیال نہ آیا کہ مرزا محمود تو اُن کو

عقیدتاً مسلمان ہی نہیں سمجھتا - یہ تھی پاکستان کی غیرتِ دینی!

# خدا کی لاٹھی کی پہلی ضرب

مرزا محمود کی خود فراموشی کا یہ حال تھا کہ زرعی اصلاحات کے سلسلے میں جب اخبارات کے مدیرانِ کرام نے "خلیفہ" کے رجعتی کردار پہ قلم فرسائی کی تو اُس نے جلسہ سالانہ کے موقع پہ مدیران کو دھمکی دی کہ وقت آرہا ہے کہ یہ معترضین اُس کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور معاذ اللہ "فتح مکہ" کا سا سانحہ ہوگا اور وہ لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر اِن خطاکار ایڈیٹروں کو معاف کر دے گا اُس وقت کوئی فوری ردّ عمل نہ ہوا - اس لیے ربوہ سے جارحیت کی رَو چلتی رہی - حتیٰ کہ ۱۹۵۳ء میں ایک طوفانی تحریک چل پڑی - اِس کے انسداد کے لیے لاہور ڈویژن میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا - مگر سارے صوبے میں سراسیمگی پیدا ہوگئی - مسلمان علماء اور سیاسی لیڈر قید ہوئے - فوجی عدالتوں نے اُن کے خلاف سنگین فیصلے صادر کیے -

قادیانیوں کے دو اہم اشخاص دارو گیر میں آگئے - ایک تھا مرزا محمود کا سب سے چھوٹا بھائی مرزا شریف احمد اور دوسرا تھا اُس کا بڑا بیٹا مرزا ناصر احمد جو اُس کے بعد اُس کی گدی پہ براجمان ہوا -

حالت یہ تھی کہ مسلمان علماء تو اپنے آپ کو شہادت گہِ اُلفت میں سمجھ کر ایک روحانی نشے سے سرشار تھے - مؤلف کو سنٹرل جیل کے وارڈن مسٹر منیر (قادیانی) نے بتایا کہ مولانا مودودی صاحب کو پھانسی کا حکم سُنایا گیا تھا - اور وہ (CONDEMNED CELL) میں بند کر دیئے گئے - اُن کی ہمت عالی اور جوشِ شہادت کا یہ حال تھا کہ جب اُن سے اُن کے خاندان کے لوگ ملنے آئے تو وہ اُن کو پھانسی والے لباس میں دیکھ

کر اشکبار ہوئے تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ سوگوار ہونے کی کوئی وجہ نہیں اللہ کی باغی حکومت میں اللہ کے بندے کو جہاں پہنچنا چاہیے وہ وہاں پہنچ گیا ہے۔ اگر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں کی طرفدار حکومت اُن کو یہ سزا نہ دیتی بلکہ معاف کر دیتی تو یہ وہ سانحہ الیہ ہوتا جس پہ اشکبار ہونا ضروری تھا۔

یہ ضمناً عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ وارڈن منیر کون تھا اور اُس نے مؤلف کو کس طرح یہ بات سنائی۔ وہ قادیانی تھا۔ اُس کی قریبی عزیزہ کسی زمانے میں مؤلف سے پڑھا کرتی تھی۔ منیر اپنی عزیزہ کے پراویڈنٹ فنڈ کے سلسلے میں مؤلف کے پاس آیا تھا۔ مؤلف اُن دنوں محکمہ تعلیم کے صدر دفتر میں سینئر سپرنٹنڈنٹ تھا۔

منیر وارڈن قادیانی نے یہ بھی سنایا کہ مولانا عبدالستار نیازی صاحب جیل میں دندناتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ اُن کو قید اور پھانسی دینے والی حکومت کے جیل کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی شخص نے یہ بھی سنایا کہ مرزا شریف احمد اور مرزا ناصر احمد پژمردہ رہتے ہیں اور اُس کے ذریعے رتن باغ سے پان وان منگا کر اپنی عادت پوری کرتے ہیں اور ہر وقت پریشان حال رہتے ہیں۔

مارشل لا تو اُٹھ گیا۔ لیکن اندر ہی اندر آگ سلگتی رہی۔ اس کے لیے منیر ٹربیونل قائم ہوا۔ اس کی رُوداد ایک الگ باب میں درج ہے۔ لیکن یہاں اتنا ذکر کرنا کافی ہوگا کہ "خلیفہ ربوہ" کے ناپاکستانی عزائم کی دھجیاں فضا میں بکھر گئیں۔

ٹربیونل کے چیئرمین نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا:۔

"۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریروں سے منکشف ہوتا ہے کہ وہ برطانیہ کے جانشین بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔

وہ نہ تو ایک ہندو سیکولر حکومت کو پسند کرتے تھے اور نہ پاکستان (کی اسلامی حکومت۔مؤلف) کو پسند کرتے تھے۔ منیر رپورٹ صفحہ ۱۹۴)

# خلیفہ ربوہ کی ہیبت زدگی

مرزا محمود ۱۹۵۳ء کے واقعات سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ اُس پر اپنے عزائم سے لرزہ طاری ہو گیا تھا وہ "احمدی" ما ترک کرنے کے ارادہ کا اعلان بھی کرنے والا تھا۔ اُس کا ایک اعلان پاکستان ٹائمز، مورخہ ۴ مارچ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا کہ وہ تبلیغ نہیں کرے گا۔ اور اپنے اور اپنی جماعت سے متعلق استفسارات کا جواب صرف اپنی مسجدوں میں دے گا۔ مؤلف کو اُس کا مفہوم یاد ہے کہ وہ اعلان صاف ارتداد کے رنگ میں تھا۔ چنانچہ اسی دن مؤلف کے پاس مرزا محمود کا بھانجہ میاں عباس احمد خان (جو ان دنوں بام ویو نزد شملہ پہاڑی میں مقیم ہے) اپنی جماعت کے مفسرِ قرآن ملک غلام فرید کے ساتھ آیا۔ مؤلف کے پاس پاکستان ٹائمز کا وہ پرچہ تھا۔ اُس نے اِن دونوں کو وہ اعلان دکھایا۔ اور تعریضاً کہا کہ یہ وہ "خلیفہ" ہے جو اپنے آپ کو "فضل عمر" کہہ کر فریب دیتا رہا ہے اور یہ کہ اِس کے اعلان سے ثابت ہے کہ وہ لا مذہب ہے۔ محض مذہب کے پردے میں جماعت کا استحصال کرتا رہا ہے اور جماعت کو بحرانوں میں مبتلا کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں مہر بلب ہو گئے۔ لیکن قدرت کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ ۱۹۵۳ء کے مارشل لا میں سزا پانے والے علماء اور سیاسی لیڈروں نے اس کھلے بزدلانہ اعلان سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور نہ ہی اُس وقت کی حکومت نے اس اعترافِ شکست کی بنا پر قواعد و ضوابط بنا کر مستقبل کو فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کے خطرات سے پاکستان کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ اگر اُس وقت "خلیفے"

کے اس غیر مبہم COMMITMENT کو نظر انداز نہ کیا جاتا تو اس فتنے کی صف لپیٹ دی گئی ہوتی۔

# خلیفہ ثالث کے متعلق اس کے باپ کی رائے

جب خلیفہ ثانی راہی ملک عدم ہوا تو جماعت کے لیے ایک اذیت ناک ورثہ چھوڑ گیا۔ اپنے ہوش کے دنوں اُس نے ایک ایسا انتخابی ادارہ بنایا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اُس کا بڑا بیٹا مرزا ناصر احمد اُس کا جانشین بنتا۔ چونکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کی وجہ سے بھارت سے کوئی رابطہ نہ تھا اور اُس وقت مشرقی پاکستان سے جنگ کے دوران تعلق ٹوٹ چکا تھا۔ اس لیے مرزا ناصر احمد ہی منتخب ہوگیا۔ اُس کے مقابلے میں اُس کا سوتیلا بھائی مرزا رفیع احمد بھی اُمیدوار تھا۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اگر مندرجہ بالا مواصلاتی موانع نہ ہوتے تو مرزا ناصر احمد اتنی آسانی سے کامیاب نہ ہوتا۔

مرزا ناصر احمد اپنے باپ کے مقابلے میں غبی اور بلید الذہن تھا۔ باوجود بہت سی ڈگریوں کے وہ نہ تقریر کرسکتا ہے اور نہ ہی تحریر کا اُس کو کوئی ملکہ ہے۔ اُس کے باپ کا ایک قول ہے جس سے اُس کی عدم صلاحیت واضح ہو جاتی ہے۔ جب اُس کا باپ لاہور میں "پاکستان اور اُس کا مستقبل" پہ لیکچروں کا سلسلہ جاری کیے ہوئے تھا۔ تو ایک لیکچر جو "مینارڈ ہال" میں ہوا اُس میں "تلاوت قرآن" کے لیے کسی نے مرزا ناصر احمد کا نام لیا تو فوراً اُس کا باپ بول اُٹھا: "ناصر احمد کی تلاوت نے تو ہم پہ خشت باری ہی کرائی ہے۔" یہ ایک دہلی کے ناکام جلسے کی طرف اشارہ تھا۔ جب وہاں مرزا محمود احمد کا لیکچر ہونے لگا تو اُس سے پہلے اُس کے بیٹے ناصر احمد نے جو حافظ تھا، تلاوت قرآن کریم کی تو اس کی تلاوت کی متعدد غلطیوں پہ کہرام مچ گیا۔ مسلمان

قرآن دانوں نے کہا کہ یا تو اس جماعت کو قرآن کریم سے کوئی سروکار نہیں ہے اس لیے اس کو تلاوت کی غلطیاں معلوم نہیں ہوئیں اور اگر اِن کو قرآن کریم کا کچھ بھی مطالعہ ہے تو انہوں نے گوارا کر لیا ہے کہ قرآن غلط پڑھا جائے مگر "صاحبزادے" کو ٹوکا نہ جائے۔ اِس پر ہر طرف سے خشت باری ہوئی۔

ویسے ایک بلید الذہن بیٹے کو جانشین بنانے میں عیار باپ کی ایک حکمت تھی۔ وہ یہ کہ ایک غبی بیٹا ہی اس کی لرزہ خیز غلط کاریوں سے بے خبر رہ سکتا ہے۔ کیونکہ ایک ذہین بیٹا باپ کی جنسی درندگیوں کے علم سے ضرور باغی ہو جاتا۔

# غبی بیٹا بھٹو کا شکار ہو گیا

یہی بلید الذہن بیٹا ہی تھا جو مئی ۷۴ء میں ربوہ اسٹیشن پر طلباء کی یورش کا سدِباب نہ کر سکا۔ جب ۲۲ مئی ۷۴ء کو ملتان سے نشتر میڈیکل کالج کی جمعیت طلباء کا ایک گروہ ربوہ سے گزرا تو کچھ تصادم ہوا۔ اِس پر مرزا ناصر احمد نے جو "خلیفہ ربوہ" بن چکا تھا مسٹر بھٹو کو ٹیلی فون پر اطلاع دی اور مدد طلب کی۔ بھٹو ایک عفریتی نابغہ تھا۔ وہ مرزا ناصر احمد کی "عقل" سے واقف ہو چکا تھا۔ اُس نے بڑی بے تکلفی سے "خلیفہ" کو کہا کہ وہ کیوں خاموش ہے۔ اُن کو چاہیے تھا کہ وہ "غنڈوں" کی ٹانگیں توڑ کر اُن کو خوب سبق دیتے۔ اس فریب کارانہ چال کو "خلیفہ" نے کھلی اجازت سمجھا۔ جب ۲۹ مئی ۷۴ء کو ملتان کے وہی طلباء ربوہ سے واپس گزرے تو اُس نے وہی کچھ کیا جو اُس کو اسلام آباد سے کہا گیا تھا۔

یہ محض بلوہ تھا۔ ملک میں آگ لگ گئی۔ بھٹو نے فوراً صمدانی کمیشن بٹھا دیا۔ عقائد کی بحث شروع ہو گئی۔ اس میں خلیفہ ربوہ (مرزا ناصر احمد) کو بلایا گیا۔ وہ وہاں سخت بے نقاب ہوا۔ جو اُس نے کہا وہ ربوہ میں صمدانی کمیشن

کے معائنہ پر صحیح ثابت نہ ہو سکا۔

بھٹو نے اس پر بس نہ کی۔ اُس نے قومی اسمبلی کو اُسی کی ووٹ سے خصوصی کمیٹی میں بدل دیا اور "قادیانی" اور "لاہوری" عقائد کا مسئلہ چل پڑا۔ وہاں بھی سات دن کی جرح سے خلیفہ ربوہ معاملہ کو سلجھانے میں ناکام رہا۔ اس کی اپنی ہی شہادت پر، ستمبر ۷، ۱۹۷۴ء کے فیصلے کے مطابق ربوہ کی جماعت کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ ایک روایت ہے کہ" لاہوریوں نے ایک مؤثر درجہ میں ربوہ والوں کی ہمنوائی کی صورت اختیار کرنے کی کوشش کی ہو گی وہ بھی دھر لیے گئے۔

ایک روایت ہے کہ مرزا ناصر احمد اور مسٹر بھٹو کی تخلیے میں طویل ملاقات ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسٹر ناصر احمد نے بھٹو کو مشورہ دیا کہ اگر اُس نے لاہوری جماعت پر فیصلہ صادر نہ کیا تو سارے " احمدی" اُس جماعت میں داخل ہو جائیں گے اور اسی کے ساتھ وابستگی رکھیں گے۔ سُنا ہے کہ یہ بات کارگر ثابت ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

# اسرائیلی شاخسانہ

اس سارے ڈرامے کے پیچھے ایک عظیم محرک تھا۔ وہ یہ کہ ایک باہمت اور دیدہ ور نوجوان عالم شفیق مرزا نے لاہوری جماعت کے مبلغ مقیم لندن شیخ محمد طفیل کے ذریعے یروشلم سے اسرائیلی میگزین المجلہ اسلامیہ (انگریزی اور عربی) منگوا لیا۔ اس میگزین کا ایڈیٹر اجویعقوب یوشع تھا۔ یہ اسرائیل کی وزارتِ ادیان۔ یروشلم کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔ اس کے اگست ۱۹۷۲ء کے پرچہ میں تیرہ صفحہ کا مضمون تھا جو جماعت ربوہ کے متعلق تھا اور تعریفی لہجہ میں لکھا گیا تھا۔ مقالہ نگار کا نام عبد اللہ خودا تھا۔

اِس مقالہ سے ظاہر تھا کہ یروشلم سے کسی نہ کسی صورت میں ربوہ کا رابطہ ضرور ہے۔ تعلق کی یہ نوعیت تھی کہ جو مبلغ نائجیریا یا افریقہ کے کسی ملک میں جاتے وہ وہاں سے اسرائیل پہنچ کر اپنے پُرانے مشن کا چارج لے کر تقسیم ملک سے پہلے قادیان کے ساتھ اور پاکستان بننے کے بعد ربوہ سے مؤثر تعلق قائم رکھنے کے پابند سمجھے جاتے تھے۔

# حضرت شاہ فیصل نے بھٹو کو ڈانٹا

راقم کے مشورہ پر مکرم شفیق مرزاؔ وہ یہودی رسالہ (المجلہ اسلامیہ) شورش مرحوم کے پاس لے گیا۔ اُس وقت جماعت اسلامی کے دو بزرگ رُکن مولانا نعیم صدیقی صاحب اور مکرم چوہدری رحمت الٰہی صاحب بیٹھے تھے۔ مکرم شفیق مرزا نے جس کو عربی میں ماہرانہ دسترس ہے اُس یہودی رسالہ کے چند اقتباس اُردو میں ترجمہ کر کے سُنائے۔ شورش مرحوم نے جو پروپیگنڈا میں یدِطولیٰ رکھتے تھے وہ رسالہ رکھ لیا۔ اُس کا وہ مخصوص مقالہ ایک پمفلٹ کی صورت میں چھاپ دیا۔ جب اسلامی سربراہی کانفرنس (ISLAMIC SUMMIT) ہو رہی تھی شورش مرحوم نے وہ پمفلٹ سربراہانِ کرام میں بانٹ دیا۔ جب وہ مقالہ حضرت شاہ فیصلؒ نے پڑھا تو اُن کے تیور بدل گئے۔ اُن کو یقین ہو گیا کہ ربوہ کا تعلق اسرائیل سے ہے۔ اِس پہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے بھٹو سے سخت بازپرس کی۔ معاملے کے اس پہلو کا شاید بھٹو کو بھی علم نہ تھا۔ وہ حضرت شاہ فیصل مرحوم کی ملامت کی تاب نہ لا سکا۔ لیکن وہ اپنے فنِ سازش کا ماہر تھا۔ چنانچہ اُس کی کسی مؤثر ایجنسی نے تار ہلائے اور ربوہ کے ریلوے اسٹیشن کا ہنگامہ برپا ہوا۔ اِس میں "خلیفہ ربوہ" کی بے دانشی نے بڑا کام کیا۔ اگر اُس کا باپ ہوتا تو وہ اپنے فن میں کئی بھٹوؤں پہ بھاری

تھا۔ ۲۹، مئی ۷۴ء کے فساد کے بعد اپنے مُریدوں کا ربوہ آنا جانا ایک مدت تک روک دیا۔ اگر بھٹو کا اُس سے واسطہ پڑتا تو بھٹو اُس کو گرد مان جاتا اور اُس کو بھکانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر خدانخواستہ یہ دو بھٹو اکٹھے ہو جاتے تو پاکستان میں طوفان مچا دیتے۔ اِدھر علماء نے پُر زور تحریک چلا رکھی تھی۔ بھٹو نے ۷، ستمبر ۷۴، ۱۹ء کے فیصلہ سے حضرت شاہ فیصل رح کو اُس وقت ایک رنگ میں اپنی وفاداری کا قائل کر لیا۔ اِدھر پاکستان میں علماء بھی اس فیصلے سے خاموش ہو گئے۔ حالانکہ وہ فیصلہ اس طرح مؤثر نہ ہو سکا جس کی توقع تھی۔

ربوہ والوں نے اُس کے ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں چالیس لاکھ (ایک روایت کے مطابق) صرف کیے تھے۔ اُن کو بھٹو نے تسلی دی کہ اس نے "بے اثر" فیصلہ سے قتل و غارت سے اُن کو بچا لیا ہے۔ اِسی لیے وہ منقار زیرِ پر رہے۔

## خلیفہ سے جماعت کی مایوسی

لیکن جماعت میں تاثر یہ تھا کہ اُن کے "خلیفہ" نے صحیح اور مؤثر مدافعت نہیں کی۔ وہ یہ کہہ کر ٹال سکتا تھا کہ ۱۹۵۴ء میں منیر ٹریبونل کے سامنے قادیانیوں کے عقائد آ چکے ہیں اور اُن پر ٹریبونل مذکور کی رائے بھی آ چکی ہے اور یہ دستاویز شائع ہو چکی ہے۔ یہ بھی سُنا گیا ہے کہ ربوہ جماعت کے ایک اعلیٰ فضائی افسر کو پیرزادہ عبدالحفیظ نے اِس انداز کا مشورہ دیا تھا کہ گریز کا پہلو نکل سکتا تھا۔ لیکن جس شخص کی عقل کے نقطے ڈھیلے پڑ گئے ہوں اور قاف سے ایک نُقطہ ڈھلک کر "عین" پہ آ گیا ہو اور عقل غفل بن گئی ہو تو وہ دانشمندانہ مشورے کو کیسے قبول کر سکتا ہے۔

صمدانی رپورٹ اور خصوصی کمیٹی کی رپورٹ کے شائع نہ ہونے پر

ربوہ والوں کو ایک غلط بیانی کا موقعہ مل گیا ہے۔ وہ کہتے پھرتے ہیں کہ حکومت اس اندیشہ کے مارے نہیں شائع کرتی مبادا مرزائیت کو فروغ مل جائے۔ اس فریب کا پردہ چاک کرنا حکومت کا فرض ہے۔

## چوہدری ظفراللہ خاں کی سعی لاحاصل

مؤلف کو خلیفہ ربوہ کے پھوپھی زاد بھائی (جو مؤلف کا شاگرد رہ چکا ہے) نے بتایا کہ چوہدری ظفر اللہ خان نے خلیفہ صاحب سے آئینی چارہ جوئی کی اجازت مانگی۔ لیکن وہ اجازت نہ ملی۔ کیونکہ "خلیفہ" بھٹو کی حکمت عملی کے شکنجے میں کسا ہوا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ بھٹو کو اس عرصہ میں یہ رپورٹ ملی کہ چوہدری ظفر اللہ خان کوئی اقدام کرنے والا ہے۔ اُس نے کمال عیاری سے راوی کو جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کچھ کر گزرے لیکن بعد کی خونریزی کا ذمہ دار کون ہوگا۔ یہ ایسی چال تھی جو ربوہ والوں کو خاموش رکھنے میں کامیاب رہی۔

# دینِ اسلام اور عجمی اسرائیل

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزارِ نمک داں کیے ہوئے

قادیانیت احیائے ملّت کے اِدّعائے باطل سے شروع ہوئی۔ اب سلبِ حیات ملّت پر ختم ہو کر دمِ واپسیں کے سہارے زندہ ہے۔ سلب حیات ملت کا عمل ۱۹۱۴ء میں پورے زور سے شروع ہو چکا تھا۔ اس وقت قادیانی جماعت کے عوام کالانعام "فقیہانِ مصلحت بین" اور ابن الوقت عوام نے ایک ابلہ کنندہ ناتراشش اور گوناگوں آلائشوں سے ملوّث پچیس سالہ جوان کو اپنا مذہبی امام اور مقتدا تسلیم کر لیا۔ اس کے پا دَر ہوا دعاوی کے دفترِ بے معنی کو غرقِ مے ناب کرنے کے بجائے اپنی دانش و بینش کو ان میں غرق کر دیا۔ پیر پرستی کے مشرکانہ جذبے سے مغلوب ہو کر ایک "تازہ واردِ بساطِ ہوائے دل" کو خلیفہ چن کر اپنی لادینی تحریک کو اور تاریک کر دیا۔ ان لوگوں نے اپنے اس انتخاب سے ثابت کر دیا کہ ان کے دلوں میں "پیر زادے" کے لیے تپسیا کا جذبہ موجزن ہے۔ باہر کے ارباب بصیرت اسی وقت سمجھ گئے کہ جماعت کی یہ نامحمود حرکت اس کے لیے مہلک ثابت ہو گی۔ اس انتخاب کے پیچھے مرزا محمود احمد کی اپنی زیر زمین مساعی خسیسہ بھی تھیں۔ وہ اپنی آمریت کے زور سے مخمور ہو کر ایسے دعاوی کا اعلان کرنے لگ گیا تھا جو اس ہی پر طنز بن کر رہ گئے۔ اس نے مسلمانوں کی حالت انتشار سے فائدہ اٹھایا۔ اور خود ساختہ

خود ساختہ فضیلت اور افضلیت کے بے سرو پا دعوے تراشنے شروع کر دیے۔ ایک سانس میں معاذ اللہ حضرت فاروق اعظمؓ سے جن کو مولانا شبلیؒ نے "نقیب ختم رسول" کہہ کر پکارا تھا اپنا درجہ بلند قرار دیا گیا ذاً باللہ۔ اور اپنے آپ کو "فضلِ عمر" (معاذ اللہ) منوانا شروع کیا۔ چونکہ جماعت اپنے لایعنی اور اضطراری انتخاب سے خودکشی کر چکی تھی اس لیے اُس نے بلاحیل و حجت اپنے ساختہ پرداختہ "خلیفے" کو سب سے افضل تسلیم کر لیا۔ اس نے یہ سوچنا بھی گوارا نہ کیا کہ انگریز کا بنایا ہوا "خلیفہ" خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ سے کیسے لگا سکتا ہے! چونکہ صحیح شعور کی جگہ تعصّب نے لے لی تھی۔ اس واسطے سوچ بچار کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس جماعت نے اس "خلیفہ" کو اس کے حکم پر ہز ہولی نس (HIS HOLINESS) بھی تسلیم کر لیا۔ گویا اپنے مزعومہ اسلام کو بھی عیسائی شرک کے نذر کر دیا۔ کیونکہ اس کی مطلوب و مقصود "خلیفہ" کی ذات تھی۔ دین اسلام سے اُن کا کوئی دُور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

چونکہ مرزا محمود احمد طبعاً اور مزاجاً سیاسی تھا اپنی کبریائی کا سکہ جما کر خواب اور رؤیا کے ذریعے جماعت کو سیاست کے میدان میں لے آیا۔ اس اعتزال کے جواز میں اُس نے کہنا شروع کر دیا کہ اُن کے "دورِ خلافت" میں قادیانیوں کو حکومت مل جائے گی۔ یہ تدبیر جس کا خمیر تزویر سے اُٹھایا گیا تھا، بڑی سریع الاثر ثابت ہوئی۔ جماعت کا کثیر حصّہ بیک بینی و دو گوش اُن کی شطحیات پر بھی رقص کرنے لگ گیا۔ مبادا ماضی کی یاد دلوں میں تازہ ہو کر جماعت میں خروج پیدا کر دیے۔ اس کے تدارک کے لیے مرزا محمود احمد نے اپنے باپ کے فرزندوں کو "خائن، غدّار، نالائق، کذّاب اور کمینے" کہہ کر ان کے خلاف اور ان کے کارناموں کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کر دیا۔ جماعت پہلے پہل غیر شعوری طور پر اور بعد میں شعوری طور پر یہ سمجھنے لگ گئی کہ جو لوگ تحریک کے ۱۸۸۹ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک پاسبان تصوّر ہوتے تھے وہ "کمینے اور کذّاب"

تھے۔ لیکن کسی نے اس نفرت کا تجزیہ نہ کیا کہ اس کی لپیٹ میں خود بانیٔ سلسلہ کی ذات بھی تو آجاتی ہے کیونکہ جن افراد کے خلاف نفرت اور حقارت کی افزائش کی جا رہی تھی وہ تحریک کے ستون تھے۔ چونکہ وہ لوگ مرزا محمود احمد کے پروپیگنڈا کے مطابق واقعی جھوٹے اور غدار تھے اور ان کی "جماعت" بھی ان کو اسی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ تو ہر لاہوری مرزائی اور محمودی قادیانی خود مرزا محمود احمد کے الزام و دشنام کی زد میں آجاتا تھا کیونکہ وہ حسن و قبح میں تمیز نہیں کر سکتا تھا قادیانی جماعت نے نفرت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس پہلو پہ کبھی غور ہی نہیں کیا کیونکہ غور کا مادہ ہی سلب ہو چکا تھا۔

مرزا محمود احمد نے بڑی عیاری سے مولوی نور الدین جو اُس کے خسر، اُستاد اور مرشد تھے، پر بھی خوب ہاتھ صاف کیا وہ خلافت پہ قابض ہو کر رخشِ عناں تاب بن گیا تھا۔ اس کا پیش رَو "خلیفہ" بھی مطعون ہو کر رہ گیا۔ مرزا محمود نے جماعت میں ایک خبر چلا دی کہ جب اس نے انجمن کا نظام سنبھالا تو انجمن کے خزانے میں چند پیسے تھے۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ نور الدین یا نااہل تھا یا خائن۔ نااہل اور خائن منہ سے نہ کہا مگر بات وہ منوا لی جس کا منطقی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ تھا ویسے نور الدین کا مرزا صاحب سے تعلق بھی عجیب تھا۔ وہ عقیدتاً مرزا صاحب کو "مسیح موعود" تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ نہیں مانتے تھے حالانکہ مرزا صاحب بن باپ کے عقیدے کے قائل تھے۔ اِس بنیادی فرق سے پیری مریدی کا تعلق محض حادثہ سا تھا۔ گویا مولوی نور الدین کے عقیدے کے مطابق مرزا صاحب "مثیل مسیح" کے مدعی ہو کر بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات سے بے خبر تھے۔

مرزا محمود احمد نے بلطائف الحیل جماعت کے مذہبی مذاق اور میلان کو ماؤف اور مجروح کرنا شروع کر دیا۔ وہ جماعت جو کبھی بڑے بڑے دعوے کرتی نہ تھکتی تھی وہ اپنے منہ بولے "خلیفہ" کی خواب کاریوں سے "خواب ناک" ہو کر رہ گئی۔

"خلیفہ" کے مقرر کردہ حاطب اللیل راویوں نے اُن کے فریب کو خوب فروغ دیا۔ تقویٰ و طہارت کے بجائے سیاسی تزک و احتشام کے نقشے جمنے لگے۔ یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت ہو رہا تھا کیونکہ "خلیفہ" کی خلوتی زندگی اُجالوں سے خائف رہتی تھی "عفّت" اُس کے لیے بے معنی لفظ تھا۔ اور قادیانی زندگی میں تو یہ حال تھا:۔

"ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہُوا"۔

اگر جماعت کے مزاج کو کسی درجے میں اخلاق سے لگاؤ ہوتا تو "خلیفہ" بعد ازاں کے ساتھ وہ تلعب نہ کر سکتا تھا جو اُس کا شیوہ ہو چکا تھا کیونکہ اخلاق خود ایک قسم کا احتساب ہوتا ہے وہ اِن حیا سوز طریقوں اور سلیقوں کو کبھی گوارا نہیں کرتا۔ "خلیفہ" کی عافیت اسی میں تھی کہ اخلاقی مزاج کو کمزور کیا جائے۔ جماعت کو "سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود" کر کے ایک جسدِ بے جان بنا کر چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ نہ "خلیفہ" کی نمازوں سے خصوصاً نمازِ فجر سے مسلسل غیر حاضری بارِ خاطر بنے نہ اُس کا نمازِ مغرب کو قضا کر کے پڑھنا کسی کو دوبھر ہو۔ جب منبر و محراب کے سیاق و سباق میں کھڑے ہو کر وہ اپنے "روحانی مدارج" کی بلندی کا ذکر کر رہا ہو تو دائیں ہاتھ کی کنج ران اور اس کے قرب و جوار میں پورشیں کسی کو کبیدہ نہ کریں۔ جب اس کے مقرب نوجوان دامن دریدہ اور چاک گریبان ہو کر "قصرِ خرافات کے رنگین اور سنگین رومان سنائیں تو اُن پر کوئی کان تک نہ دھرے۔ معصیت کاریاں کچھ تو خوارق عادات سنگینی کے پردے میں مستور ہو جائیں اور کچھ جماعت کے سیاسی اور عریاں دنیاوی مزاج کے دامن میں چھپ کر آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ چنانچہ اس کیفیت کے لیے ضروری تھا کہ جماعت کے مزاج میں بگاڑ پیدا کیا جائے۔ "خلیفہ" اس طبع آزمائی میں کامیاب ہو گیا۔ جماعت قادیانیت سے بھی ہجرت کر کے نامحمودیت کے "ویرانہ آباد نما" میں بس گئی۔ نامحمودیت کا پیرہن اُن کے مسلک کا کفن

بنتا چلا گیا۔ اگرچہ دس دس سال کے وقفوں پر "خلیفہ" کے عصیانِ جنسی کو ہوا ملی۔ لیکن جماعت میں کوئی ایسا ردِّ عمل نہ ہوا جو اس کی خفیف ترین دین داری کی آئینہ داری کرتا۔ بعض گوشوں میں ردِّ عمل ہوا تو بیٹے کے لیے باپ کی آرزوؤں کو پیش کر دیا گیا۔ لیکن بانیٔ جماعت نے بیٹوں کی بڑائی کو بڑا اچھالا تھا۔ حالانکہ نیک چلنی کا معاملہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تو لوگوں کو فریب میں مبتلا رکھنا مقصود تھا۔ "خلیفہ" نے باپ کی "دُعاؤں" کو اپنے لیے برہانِ قاطع بنا دیا۔ حالانکہ اس کے ذاتی اعمال کے دفتر میں پاکیزگی عنقا کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن اُس نے جماعت کی تربیت اس طرح کی کہ وہ سمجھنے لگ گئی کہ "خلیفہ" کے لیے خوابوں اور خواہشوں کا تکرار کافی ہے کیونکہ اس کے باطل دعوؤں سے شبستانِ خلافت روشن ہو جاتا ہے اور "خلیفہ" بڑے طمطراق سے کہہ دیا کرتا تھا۔

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شبِ مہ ہو جو رکھ دیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

ذاتی اعمال کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر "خلیفہ" سیاست میں اُلجھ گیا۔ اپنے سارے نظام کو بھی اسی طرح ڈھال لیا۔ اس کے نظام کا ڈھانچہ جو اسی تالیف میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ تبلیغ اسلام محض دھوکے کی ٹٹی تھی ورنہ کسی اچھے کام کے لیے اس اپنی نظام کی کیا ضرورت تھی جس میں حکومت کے سارے محکمے ہوں اور سارا زور "کارخاص" ہنکاری۔ عسکریت اور تادیب و تعزیر پر ہو۔ چونکہ چندہ "اسلام" کے نام پر ہی مل سکتا تھا اس لیے اس کو بطور اشتہار کے رکھنا ضروری تھا۔ ورنہ نظام کی آمرانہ شدت متامرانہ سیاست کی غمازی کر رہی تھی۔ چونکہ جماعت کا نوجوان طبقہ اس کی جنسی یلغاروں سے زیادہ زخمی ہوا۔ اس نے "خلیفہ" کے چال چلن کے خلاف جہاد کیا اور اپنا زور "خلافت" کی سیاہ کاریوں

کو بے نقاب کرنے میں لگا دیا ہے ۔ اس سے ایک فائدہ ہوا کہ "خلیفہ" کی تقدیس کی فصیلیں مسمار ہو گئیں اور معاشرہ ایک خطرے سے آگاہ ہو گیا ۔ لیکن ملک اور قوم کو اصلی خطرہ محمودی سیاست ، کا تھا جو محلاتی عفونتوں سے ملوّث تھی ۔ کیوں کہ "خلافت ربوی" کے عفونت زار سے غلیظ سیاست ہی جنم لے سکتی تھی ۔ اسی سیاست کا صحیح و سالم نقشہ اس تالیف میں پیش کیا گیا ہے اور یہ سارا نقشہ "خلیفہ" کے اپنے خطبات سے ماخوذ ہے ۔ اس کی تقاریر کی تبویب اور ترتیب سے محمودی منصوبہ ایک عامی پر بھی واضح ہو جاتا ہے ۔ اب تک ارباب اختیار "خلیفہ" کی خلوتی زندگی کی بے اعتدالیوں کو مرکز توجہ بنانے سے گریز کرتے رہے ہیں لیکن جب اُن پر "خلیفہ" کے سیاسی عزائم کا انکشاف ہو گا تو اُن کے لیے نچلا بیٹھنا نا ممکن ہو جائے گا ۔ ارباب حکومت نہ صرف اپنی گذشتہ غفلت پر نادم ہوں گے بلکہ فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کے عواقب کا قلع قمع کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے ۔

اس تالیف کے مندرجات کی صحت کے متعلق اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ "خلیفہ" اپنی تقاریر اور اعلانات کے اقتباسات پڑھ کر خود ہی بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے:

کھُلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

مسلمانوں کا سوادِ اعظم تو شروع سے ہی یقین رکھتا ہے کہ منکرین ختم نبوت کا نظام ایک غلیظ جذام کا درجہ رکھتا ہے اور متعدی ہونے کی وجہ سے اس کا استیصال لازمی ہے ۔

# مولانا محمد اسماعیل غزنوی مرحوم کی روایت

مولانا محمد اسماعیل غزنوی حکیم نور الدین کے نواسے تھے۔ لیکن وہ ممتاز اہل حدیث تھے۔ لیکن اُن کو نانا سے جذباتی لگاؤ تھا۔ جب مرزا محمود نے حکیم نور الدین کے بیٹوں کو جماعت سے نکال باہر کیا اور اُن کے خلاف طوفانی پروپیگنڈا کیا۔ اور وفورِ طیش میں حکیم نور الدین کو بھی نہ بخشا تو مولانا غزنوی مرحوم بھی مرزا محمود سے نبرد آزما ہو گئے۔ چونکہ وہ مرزا محمود کو بچپن سے جانتے تھے۔ انہوں نے اس کی تیرہ باطنی کو خوب ہوا دی۔ انہوں نے اپنی رہائش جنج گھر میں مؤلف کو بُلایا اور مؤلف کی معلومات کا امتحان لیا۔ اور پوچھا: "کیا تم کو علم ہے اُس عورت کا جو مرزا محمود کے گھر رہتی تھی اور ایک رات کی اُجرت پانچ سو روپیہ لیتی تھی" مؤلف نے اپنی اس بارے میں لاعلمی کا اعتراف کیا۔ اس پر مولانا مذکور نے خود اپنی حیرت کا اقرار کیا اور بتایا کہ انہوں نے اُس عورت کا تحقیقاً سراغ لگایا اور اُس سے اس کی رات کی اُجرت کا اشارہ کیا۔ اُس عیار عورت (بقول مولانا مذکور) نے فوراً بے باکانہ جواب دیا مولانا تجربہ کرلیں۔ اگر سحرخیزی کے بعد مجھے کوئی خود بخوشی پانچ سو روپے نہ دے جائے تو میں ایک ہزار روپے ہرجانہ فی الفور ادا کر دوں گی۔" مولانا مذکور نے ایک اور واقعہ سنایا کہ اُن کو مرزا محمود نے اپنے "عشرت کدہ" پھیرو چچی دریائے بیاس کے کنارے بُلایا۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ مرزا محمود کے سامنے جوان لڑکیاں لباس شفاف میں قطار باندھے کھڑی ہیں۔ مولانا نے ہوش ربا منظر دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ جب محمود نے پوچھا یہ کیوں؟ تو مولانا نے کہا کہ حیا غالب آگیا ہے۔ یہ سب مہم احقاق حق کے لیے مولانا نے کی تھی۔

---

# دین کے پردے میں بھیانک سیاست کاری

کسی جماعت کے لیے اس سے زیادہ معیوب بات کوئی نہیں کہ وہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر چور دروازے سے سیاسی اقتدار، دُنیاوی غلبہ اور جماعتی تفوق حاصل کرنے کی غاصبانہ کوشش کرے۔ کسی مذہبی تحریک یا اس سے پیدا شدہ مذہبی جماعت کو حکومت کی طرف سے جو حمایت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ اس حد تک ہوتی ہے جس حد تک وہ مذہبی جماعت اپنے آپ کو خالصتہً مذہبی مشن کے دائرہ کے اندر محدود رکھتی ہے اور سیاسی اُمور سے مجتنب رہتی ہے لیکن یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ مرزا محمود احمد کی گندی سیاست کا سب سے گھناؤنا پہلو یہ تھا کہ اُس نے حکومت کے خواب دیکھنا شروع کر دیے اور بے حس جماعت کو اپنے سیاسی عزائم کے تابع کر دیا اور وہ جماعت جو دین کو دنیا پہ مقدّم رکھنے کا ادعائے باطل کر چکی تھی محض تابع مہمل ہو کر رہ گئی۔ خلیفہ کی یہ خواب کاری برطانوی سنگینوں کے سایے میں خوب پروان چڑھی۔ کیونکہ سفید فام آقاؤں کا یہی منشا تھا کہ "خلیفہ" یا در ہوا منصوبوں میں خود بھی مستغرق رہے اور جماعت کے عقول و قلوب کو بھی اس میں اُلجھائے رکھے اور اس طرح جماعت میں اخلاقی توانائی نہ پیدا کر سکے اور جماعت غلاظت کا انبار بن جائے۔ ایک عرصے تک یہی کیفیت رہی لیکن قادیان میں ہی رفتہ رفتہ ایسی صورت بروئے کار آگئی کہ برطانوی حکومت کو بھی احساس ہوا کہ اس کا قانون وہاں بالکل بیکار ہو چکا ہے۔ وہاں قتل ہوتے ہیں ان کا سراغ بھی مل جاتا ہے لیکن عدالت میں آکر پولیس ناکام ہو جاتی ہے اس سے انگریز کی حکومتی غیرت پہ تازیانہ لگا اور اس نے اس متوازی حکومت کے خلاف اقدام شروع کر دیا۔ اس کا پہلا سراغ مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ کے فیصلہ

ملتا ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلے میں مرزا محمود احمد کی ان جارحانہ کارروائیوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے مولوی عبدالکریم (مباہلہ والے) کے خلاف کیں۔ کس طرح اس کے خطبے کے نتیجے میں مولوی صاحب مذکور پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ لیکن ان کا ایک مددگار محمد حسین قتل ہوگیا۔ جب قادیانی قاتل عدالت کے فیصلے کے بعد پھانسی پاگیا تو اس کی لاش کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ قادیان کے "بہشتی مقبرے" میں دفن کیا گیا۔ اس فیصلے میں محمد امین کے قتل کا بھی ذکر ہے اور فاضل جج نے لکھا ہے کہ محمد امین موردِ عتاب ہو کر کلہاڑی کے وار سے قتل ہوا۔ اس کے مبینہ قاتل چوہدری فتح محمد سیال نے اقرار بھی کر لیا ہے لیکن پولیس کارروائی کرنے سے قاصر رہی۔ فیصلہ مذکور میں یہ مرقوم ہے کہ:۔

## جج کھوسلہ کا فیصلہ

"مرزائی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ کوئی سامنے آکر سچ بولنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا واقعہ بھی ہے عبدالکریم کو قادیان سے نکالنے کے بعد اس کا مکان جلا دیا گیا۔ اسے قادیان کی سمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریقے سے گرانے کی کوشش بھی کی گئی۔ یہ افسوسناک واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ قادیان میں طوائف الملوکی تھی جس میں آتش زنی اور قتل تک ہوتے تھے"۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکام ایک غیر معمولی درجہ کے فالج کے شکار ہو چکے تھے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں مرزا محمود احمد کے حکم کے خلاف کبھی آواز نہ اٹھائی گئی۔ مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایات کی گئیں لیکن کوئی انسداد نہ ہوا۔ مسل پر ایک دو ایسی

شکایات ہیں ۔ لیکن ان کے مضمون کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے اور اس مقدمہ کے لیے یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیان میں ظلم وجور جاری ہونے کے متعلق غیر مشتبہ الزام عائد کیے گئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرف مطلقاً توجہ نہ کی گئی۔"

پھر فیصلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"مرزا (یعنی مرزا محمود احمد) مسلمانوں کو کافر ، سور اور اُن کی عورتوں کو کتیوں کا خطاب دے کر اُن کے جذبات کو مشتعل کر دیا کرتا تھا۔"

(فیصلہ مسٹر جی۔ ڈی۔ کھوسلہ سیشن جج گورداسپور)

یہ عدالتی فیصلہ محمودی سیاست کاریوں کی غمازی کرتا ہے ۔ قادیان میں "خلیفہ" کے لیے قتل کرنا اور قتل کے عواقب سے بچ نکلنا یا کم از کم "خلیفہ" کا محفوظ و مصئون رہنا ایک ضرب المثل بن چکا تھا۔ قتل کے بعد معاملہ بقول شاعر یہ تھا:۔

ہے کس کا لہو مقتل کی زمین پر
نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر

یہی معاملہ بدرجۂ اتم ربوہ میں رُو نما ہو چکا ہوگا ۔ کیونکہ یہ خالص قادیانی بستی ہے ۔ یہاں قانون کی بے بسی ناقابلِ بیان ہوگی ۔ اگر حکومت دُور اندیشی سے کام لیتی اور مرزا محمود کو پاکستان کی سرزمین کا ایک خطّہ کوڑیوں کے مول نہ دیتی بلکہ اس کو مجبور کرتی کہ وہ اور اُس کی جماعت کسی شہر میں متوطّن ہوں یا حکومت کے تجویز کردہ مضافاتی قصبوں میں سکونت پذیر ہوں تو "خلیفہ" کی سیاست کاریوں اور سازشوں پر قفل پڑ جاتے ۔ مگر ایسا نہ ہوا چنانچہ اس کو ضلع جھنگ میں ایک وسیع رقبہ قادیانیوں کو متوطّن کرنے کے لیے ملا اور اُس نے کمال چابک دستی سے اس کو پاکستان کی دوسری

آبادیوں سے منقطع کرکے ایک یاغستان سا بنا دیا اور اس کا نام " ربوہ " رکھ دیا۔ اب اس قصبے میں باوجود دس ہزار کی آبادی خلیفہ کا سکّہ رواں تھا۔ اس مطلق العنانی کی کیفیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے پاکستان کی منیر ٹربیونل رپورٹ میں مرقوم ہے:۔

" ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریرات منکشف ہیں کہ وہ برطانیہ کا جانشین بننے کے خواب دیکھ رہے تھے وہ نہ تو ایک ہندو دُنیاوی حکومت یعنی ہندوستان کو اپنے لیے پسند کرتے تھے اور نہ پاکستان کو منتخب کر سکتے تھے۔"

(رپورٹ منیر انکوائری کمیٹی صد ۱۹۶)

# خلیفہ کا اپنا فرعونی بیان

اب ہم خلیفہ کی سیاست کاری اور حکومت کا غلبہ حاصل کرنے کے بارے میں خلیفہ صاحب کے اپنے " ارشادات " ہدیۂ قارئین کرتے ہیں :۔

" غرض سیاست میں مداخلت کوئی غیر دینی فعل نہیں بلکہ یہ ایک دینی مقاصد میں شامل ہے جس کی طرف توجہ کرنا وقتی ضروریات اور حالات کے مطابق لیڈرانِ قوم کا فرض ہے ......... پس قوم کے پیش آمدہ حالات کو مدّنظر رکھنا اور اس کی تکالیف کو دُور کرنے کی تدبیر کرنا اور ملکی سیاسیات میں رہنمائی کرنا خلیفۂ وقت سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ کی نصرت اور تائید اس کے شامل حال ہوتی ہے اور اس زمانہ میں گذشتہ پندرہ سال کے تاریخی واقعات ہمارے اس بیان کی صداقت پر مُہر لگا رہے ہیں "

(الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء)

"اسلام کی ترقی احمدی سلسلہ سے وابستہ ہے اور چونکہ یہ سلسلہ مسلمان کہلانے والی حکومتوں میں پھیل نہیں سکتا اس لیے خدا نے چاہا ہے کہ اُن کی جگہ اور حکومتوں کو لے آئے ..... پس مسلمانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے تمہاری ترقی کا راستہ کھول دیا ہے"۔

(الفضل ۱۲ر نومبر ۱۹۱۴ء)

"ہمیں نہیں معلوم ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج سپرد کیا جانا ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہیے کہ دُنیا کو سنبھال سکیں"۔

(الفضل ۴ر جون ۱۹۲۰ء)

"انگریز اور فرانسیسی وہ دیواریں ہیں جن کے نیچے احمدیت کی حکومت کا خزانہ مدفون ہے اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ دیوار اُس وقت تک قائم رہے جب تک کہ خزانہ کے مالک جوان نہیں ہو جاتے۔ ابھی احمدیت چونکہ بالغ نہیں ہوئی اور بالغ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس خزانہ پہ قبضہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے اگر اس وقت یہ دیوار گر جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے لوگ اس پہ قبضہ جما لیں گے"۔

(الفضل ۲۷ر فروری ۱۹۲۲ء)

"اصل تو یہ ہے کہ ہم نہ انگریز کی حکومت چاہتے ہیں نہ ہندوؤں کی ہم تو احمدیت کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں"۔

(الفضل ۱۴ر فروری ۱۹۲۲ء)

"میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ انگریزی حکومت چھوڑ دُنیا میں سوائے احمدیوں کے اور کسی کی حکومت نہیں رہے گی۔ پس جبکہ میں اس بات کا قائل ہوں بلکہ اس بات کا خواہشمند ہوں کہ دنیا کی ساری حکومتیں مٹ جائیں اور ان کی جگہ احمدی حکومتیں قائم ہو جائیں تو میرے متعلق یہ خیال کرنا کہ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو انگریزوں کی دائمی غلامی کی تعلیم دیتا ہوں کہاں تک

درست ہو سکتا ہے۔" (الفضل ۲۱ر نومبر ۱۹۳۹ء)

"ہم میں سے ہر ایک آدمی یہ یقین رکھتا ہے کہ تھوڑے عرصہ کے اندر ہی (خواہ اس وقت ہم زندہ رہیں یا نہ رہیں لیکن بہر حال وہ عرصہ غیر معمولی طور پر لمبا نہیں ہو سکتا) ہمیں تمام دنیا پر نہ صرف عملی برتری حاصل ہو گی بلکہ سیاسی اور مذہبی برتری بھی حاصل ہو جائے گی۔ یہ خیال ایک منٹ کے لیے کسی سچے احمدی کے دل میں غلامی کی روح پیدا نہیں کر سکتا۔ جب ہمارے سامنے بعض حکام آتے ہیں تو ہم اس یقین اور وثوق کے ساتھ اُن سے ملاقات کرتے ہیں کہ کل یہ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ہم سے استمداد کر رہے ہوں گے۔"

(الفضل ۲۲ر اپریل ۱۹۳۸ء)

"اُس وقت حکومت احمدیت کی ہو گی۔ آمدنی زیادہ ہو گی۔ مال و اموال کی کثرت ہو گی جب تجارت اور حکومت ہمارے قبضہ میں ہو گی اس وقت اس قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔"

(الفضل ۸ر جون ۱۹۳۶ء)

"اُس وقت تک کہ ہماری بادشاہت قائم نہ ہو جائے تمہارے راستے سے یہ کانٹے ہرگز دُور نہیں ہو سکتے۔"

(الفضل ۸ر جولائی ۱۹۳۰ء)

دیکھ لیجیے "خلیفہ صاحب" مستقبل قریب میں حصولِ اقتدار کی اُمیدیں کس قدر وثوق سے لگائے بیٹھے ہیں اور حصول آزادی ہی نہیں بلکہ حصولِ حکومت کے لیے ان کی راہیں دوسرے ابنائے وطن اور دوسرے مسلمانوں سے کس قدر مختلف تھیں۔ اور یہ اعلان بالوضاحت کیا جا رہا تھا کہ مسلمانوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے حکومت اُن کو نہیں بلکہ صرف اور صرف احمدیوں کو ہی ملے گی۔

"اور مسلمان جنہوں نے احمدیت سے اپنا تعلق نہیں جوڑا وہ گرتے

ہی جائیں گے اور گرتے گرتے یہودیوں کی طرح ہو جائیں گے۔ یہودی موسیٰ علیہ السّلام کے نائب کا انکار کرنے کی وجہ سے ذلیل ہوئے تھے ...... اور محمد رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی شان موسیٰ علیہ السّلام کی شان سے بہت بلند ہے۔ اس لیے آپ کے نائب کا انکار کرنے والوں کی ذلّت یہودیوں سے بڑھ کر ہوگی۔"

(الفضل ۱۲ نومبر ۱۹۱۴ء)

ظاہر ہے کہ مسلمانوں سے پہلے اُن کے پروگرام اور دعوؤں کے مطابق حکومت ان کو نہیں مل سکی اور نہ ہی یہ حکومتِ برطانیہ کے جانشین بن سکے اور وہ دیوار بھی گر گئی جس کے نیچے بقول اُن کے احمدیت کا خزانہ مدفون تھا اور جس کے بَل بوتے پہ انہوں نے ہر نپٹنے والے سے نپٹنا تھا تو پاکستان کا استقلال اور اس کا قیام اور اُس کی سالمیّت انہیں کس طرح گوارا ہو سکتی تھی اور خصوصاً جب کہ حکومت ان مسلمانوں کو مل گئی جن کے متعلق خلیفہ نے کہا:-

"پس اسلام کی ترقی احمدی سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہے اور چونکہ یہ سلسلہ مسلمان کہلانے والی حکومتوں میں نہیں پھیل سکتا اس لیے خدا نے چاہا ہے کہ ان کی جگہ اور حکومتوں کو لے آئے تاکہ اس سلسلہ حقّہ کے پھیلنے کے لیے دروازے کھولے جائیں۔"

(الفضل ۱۲ نومبر ۱۹۱۴ء)

چنانچہ اُن کی اس نیت کو کہ وہ پاکستان بننے سے خوش نہیں ہوئے تھے۔ خلیفہ کا اپنا ایک ارشاد پیشِ خدمت ہے۔

"ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح پھر متحد ہو جائے۔"

(الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

پھر کہا:۔

"بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں"۔

(الفضل ۵ ر اگست ۱۹۴۷ء)

پس اِن اقتباسات سے مرزا محمود احمد کی حکومت کے بارے میں ریشہ دوانیوں کا علم ہو جاتا ہے ۔ اس کے یہ اقوال اس کی نیت کی غمازی کر رہے ہیں ۔ اکھنڈ ہندوستان کی تجویزیں پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں ختم کرنے کے الہامات/مملکت در مملکت قائم کرنے کا بین ثبوت ہیں ۔ اس خلیفہ کی منافقت اور سیاسی دجل کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹا ہے ۔ اس کے اپنے دعوے یہ تھے کہ مسلمانوں کو نہیں بلکہ جماعتِ احمدیہ کو حکومت اور آزادی ملے گی اور یہ کہ احمدی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور ان کے شانہ بشانہ حصولِ آزادی کی کوشش نہیں کر رہے بلکہ وہ ان سے الگ کوشش کر رہے ہیں ۔ ان الفاظ نے خلیفہ ربوہ کی تمام جد و جہد سے پردہ اٹھا دیا ہے ۔ اور انہیں بالکل عریاں کر کے رکھ دیا ہے ۔ کس قدر غداری کے ساتھ اور کس قدر دجل کے ساتھ مسلمانوں کا جزو ہو کر اور اُن کا حصہ بن کر اُن کے نام سیاسی حقوق لے کر سوچا یہ جا رہا تھا کہ آزادی اور حکومت صرف مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے حاصل کی جائے گی ۔ خلیفہ ربوہ کی سرکاری گزٹ الفضل نے لکھا تھا ۔

"ہر فتح اپنے وقت سے ذرا پیچھے ہٹ جاتی ہے ۔ اس کی کوئی وقعت نہیں رہتی"۔ (الفضل ۔ ۸ ر نومبر ۱۹۳۰ء)

## سنگین نگرانی کی اشد ضرورت

اب اپنی فتح کی اُمیدوں کو پاش پاش ہوتا دیکھ کر زخمی سانپ کی طرح

بے تاب ہیں اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے سیاسی جوڑ توڑ میں مشغول ہیں۔

ہم حکومت کو اس بات سے آگاہ کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ مرزا محمود کی سازشوں اور حرکات کو اپنی نگاہوں میں رکھے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ کسی دشمن کا مقابلہ اس کے طریقِ کار کو سمجھنے کے بعد ہی کامیابی سے کیا جا سکتا ہے۔ پس ضروری تھا کہ اس کی دسیسہ کاریوں اور روباہی چالوں کو پہلے سے سمجھ لیا جاتا۔ "دُنیا کا چارج سنبھالنا، حکومت پر قبضہ کرنا۔ اپنا اقتدار قائم کرنا" یہی وہ تصورات تھے جن کی بدولت خلیفۂ ربوہ کے بعض سادہ لوح مریدوں کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور بنگال کی گورنری وغیرہ کے خواب دیکھنے لگ گئے۔ لیکن یہ محض تصورات و نظریات ہی نہ تھے۔ بلکہ خلیفۂ ربوہ نے اپنی جماعت کو ان نظریات کی عملی تدبیر کے لیے جماعت کی باقاعدہ تربیت کی اور اپنے "سحر سامری" سے اپنے مریدوں کو حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے شعوری اور غیر شعوری طور پر ابھارتے رہے۔ اس ضمن میں خلیفہ ہذا کے اپنے اقوال ملاحظہ فرمایئے۔

"اس وقت اسلام کی ترقی خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے۔ یاد رکھو کہ سیاسیات اور اقتصادیات اور تمدنی امور حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پس جب تک ہم اپنے نظام کو مضبوط نہ کریں اور تبلیغ اور تعلیم کے ذریعے سے حکومتوں پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کریں ہم اسلام کی ساری تعلیموں کو جاری نہیں کر سکتے۔"

(الفضل - ۵ - جنوری ۱۹۳۶ء)

"یہ مت خیال کرو کہ ہمارے لیے حکومتوں اور ملکوں کا فتح کرنا بند کر دیا گیا ہے بلکہ ہمارے لیے بھی حکومتوں اور ملکوں کا فتح کرنا ایسا ہی ضروری ہے۔" (الفضل ۸۔ جنوری ۱۹۳۶ء)

اسی طرح خلیفہ محمود ربوہ کے ہاں جو بھی اندرونی نظام ہے وہ حفاظت مرکز خدام الاحمدیہ کور یا دیگر کسی نام سے بھی قائم کیا جاتا ہے۔ خلیفہ خود ہی اس کا سالار اعظم اور "فیلڈ مارشل" ہوتا ہے اور جماعت کی ہر قسم کی فوجی تنظیموں کی سربراہی اور سرپرستی اُس کو حاصل ہے۔

خود خلیفہ نے کہا:۔

"مجلس شوریٰ ہو یا صدر انجمن احمدیہ۔ انتظامیہ ہو یا عدلیہ، فوج ہو یا غیر فوج۔ خلیفہ کا مقام بہر حال سرداری کا ہے۔"

(الفضل۔ یکم ستمبر ۱۹۳۲ء)

"انتظامی لحاظ سے صدر انجمن کے لیے بھی راہ نما ہے اور آئین سازی بحث کی تعیین کے لحاظ سے بھی وہ مجلسِ مشاورت کے نمائندوں کے لیے بھی صدر اور راہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔

"جماعت کی فوج کے الگ دو حصّے تسلیم کرلیے جائیں تو وہ اس کا بھی سردار ہے اور اس کا بھی کمانڈر ہے اور دونوں کے نقائص کا بھی ذمہ دار ہے اور دونوں کی اصلاح اس کے ذمہ واجب ہے۔"

(الفضل۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۳۸ء)

# خلیفہ کی مزعومہ بادشاہت

غرض جماعت احمدیہ میں خلافت ایک دنیاوی بادشاہت کی حیثیت رکھتی ہے۔ خلیفہ کا ہر حکم مذہبی یا سیاسی جماعت کے ممبروں کے نزدیک قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ خلیفہ کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان و مال قربان کر دیا جاتا ہے احمدیوں کی کمائی کا اکثر حصّہ خلیفہ کی جیب کی نذر ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک میں جو مبلغ ہیں وہ دراصل خلیفہ کے کارِ خاص اور سفارت خانے ہیں اور تمام بیرونی ممالک کی کرنسی جو چندہ کی صورت میں

ان کو ملتی ہے وہ اس کو استعمال کرتے ہیں اور لاکھوں روپے گورنمنٹ کی کرنسی سے بھی حاصل کر کے بیرونی ممالک میں اپنی من مانی کارروائیوں کے لیے صرف کرتے ہیں۔ کبھی مبلغوں کی تنخواہوں کے بہانہ اور کبھی مساجد کی تعمیر کے لیے ہزاروں روپے گورنمنٹ کی قیمتی غیر ملکی کرنسی سے لیے جاتے ہیں۔ اور خرچ اپنی مرضی کے مطابق کر لیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کے لیے وہاں مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ اُن کا اپنا چندہ کہاں جاتا ہے ۱۰۵ سال غیر ملکوں میں تبلیغ کرتے ہو گئے ہیں۔ کروڑوں روپے کا فارن ایکسچینج یہ لے چکے ہیں اس کے بالمقابل وہاں کتنے احمدی ہوئے ہیں یہ پوچھنے والا کوئی نہیں! خلیفہ کا نظام اس قدر خطرناک ہے کہ ایک بڑی سے بڑی حکومت کے نظام کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ دوسری حکومتوں میں اپنے حلیف پیدا کیے جاتے ہیں۔ خلیفہ کا کہنا ہے کہ:- حکومتیں، ملک اور قومیں مجھ سے ڈرتی ہیں۔ خلیفہ اپنے "کارِ خاص" کے ذریعہ مملکت کے راز معلوم کرتا ہے۔ اس کی اپنی عدلیہ، مقننہ، انتظامیہ، فوج اور بنک ہے۔" پس حکومت پاکستان کے جو ارکان اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ ان کا یہ فعل ملک و ملت سے غداری کے مترادف ہے۔ مملکت محمودیہ ربوہ میں کسی احمدی کو قبل از وقت اجازت حاصل کیے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اس بارے میں سرکاری گزٹ الفضل کا مندرجہ ذیل اعلان قادیان کے متعلق ملاحظہ فرمائیے۔

"مضافات قادیان، ننگل، باغبانان، بانگر خورد و کلاں، ننواں پنڈ قادر آباد اور احمد آباد وغیرہ میں سکونت اختیار کرنے کے لیے باہر سے آنے والے احمدی دوستوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ پہلے نظارت ہذا سے اجازت حاصل کریں۔"

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۳۹ء)

پھر ربوہ میں آ کر خلیفہ کا اعلان:-

"سب تحصیل لالیاں میں کوئی احمدی بلا اجازت انجمن زمین نہیں خرید سکتا۔"

پھر ربوہ میں داخل ہونے کے بارے میں خلیفہ محمود کا حکم امتناعی ملاحظہ ہو۔

"ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ ایسے لوگوں کو جن کو یا تو ہم نے جماعت سے نکال دیا ہے یا جنہوں نے خود اعلان کر دیا ہوا ہے کہ وہ جماعت میں شامل نہیں۔ آئندہ انہیں ہماری مملوکہ زمین میں آکر ہمارے جلسوں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہو گی" (الفضل ۴ فروری ۱۹۵۶ء)

"چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد"

اب اس اعلان کی رُو سے وہ لوگ جنہوں نے انجمن کی مملوکہ زمین میں سے زمین خرید کی ہوئی ہے ان کو ربوہ میں جاکر اپنی زمین اور مکان کی حفاظت کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اگر وہ وہاں جائیں گے تو اُن پر پولیس کی امداد سے کوئی جھوٹا مقدمہ کھڑا کر دیا جائے گا۔ گویا ان کی زمینیں بھی ضبط کر لی گئی ہیں۔ یہ بھی ریاست اندر ریاست کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

# محمودی چارٹر

مملکت محمودیہ میں کاروبار کرنے کے لیے ہر شخص کو ذیل کا معاہدہ کرنا پڑتا ہے:۔

"میں اقرار کرتا ہوں کہ ضروریاتِ جماعت قادیان کا خیال رکھوں گا اور ناظر تجارت جو حکم کسی چیز کے بہم پہنچانے کا دیں گے۔ اس کی تعمیل کروں گا۔ اور جو حکم ناظر امور عامہ دیں گے۔ اس کی بلاچون وچرا تعمیل کروں گا۔ نیز جو ہدایات وقتاً فوقتاً جاری ہوں گی اُن کی پابندی کروں گا اور اگر کسی حکم کی خلاف ورزی کروں گا تو جو جرمانہ تجویز ہو گا ادا کروں گا۔"

"میں عہد کرتا ہوں کہ جو میرا جھگڑا احمدیوں سے ہو گا اس کے

لیے امام جماعت احمدیہ کا فیصلہ میرے لیے حجت ہوگا اور ہر قسم کا سودا احمدیوں سے خرید کروں گا۔ نیز میں عہد کرتا ہوں کہ احمدیوں کی مخالفہ مجالس میں بھی شریک نہ ہوں گا۔"

یہ ہے وہ معاہدہ جو خلیفہ ربوہ کی ریاست میں ہر اُس شخص سے لکھوایا جاتا ہے جو وہاں کا جزو بن کر رہنا چاہے۔ نظارتِ امورِ عامہ سے ایک اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ اور غیر از جماعت لوگوں کو ایک معاہدۂ تجارت پر دستخط کرنے کے بعد احمدیوں کے ساتھ لین دین کی اجازت ملتی تھی۔ بلکہ ہر شخص کی شخصی جائداد پر بھی ان کا تصرّف تھا۔ اس ضمن میں ذیل کا اعلان پڑھیے۔

# اعلان

"قبل ازیں میاں فضل حق موچی سکنہ دارالعلوم کے مکان کی نسبت اعلان کیا تھا کہ کوئی دوست نہ خریدیں۔ اب اس میں ترمیم کی جاتی ہے کہ اس کے مکان کا سودا رہن و بیع نظارتِ ہند کے توسط سے ہو سکتا ہے۔"
(الفضل۔ ۸ راگست ۱۹۳۷ء)

اب بھی ربوہ میں یہی صورتِ حال موجود ہے جس شخص کا سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ لین دین کے تعلقات بھی منقطع کر دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں خلیفہ کا بتوسطِ ناظر اُمورِ عامہ حکم سُنیے:۔

"یعنی میاں فخر الدین ملتانی۔ شیخ عبد الرحمٰن مصری اور حکیم عبد العزیز۔ ان کے ساتھ اگر کسی دوست کا لین دین ہو تو نظارتِ ہذا کی وساطت سے طے کریں۔ کیونکہ اُن کے ساتھ تعلقات رکھنے ممنوع ہیں۔"

(الفضل۔ ۷ رجولائی ۱۹۳۰ء)

# سوشل بائیکاٹ کی مثالیں

پس خلیفہ ربوہ کا یہ عذر لنگ پیش کرنا کہ لین دین منع نہیں صرف تعلقات منقطع کرنے سے مراد جزوی بائیکاٹ یعنی سلام کلام تک ہے اس کی روشنی میں سراسر جھوٹ اور فریب ہے سوشل بائیکاٹ میں صرف لین دین ہی منع نہیں بلکہ کسی سے کسی قسم کا تعلق رکھنا، اس کے گھر جانا حتیٰ کہ رشتہ تک کرنا ممنوع ہے۔ اس ضمن میں یہ "ارشاد" ملاحظہ ہو:۔

"میں چوہدری عبداللطیف کو اس شرط پر معاف کرنے کو تیار ہوں کہ آئندہ اس کے مکان واقع نسبت روڈ پر وہ افراد نہ آئیں جن کا نام اخبار میں چھپ چکا ہے ....... چوہدری عبداللطیف نے یقین دلایا کہ میں ذمہ لیتا ہوں کہ وہ آئندہ اس جگہ پر نہیں آئیں گے اور میں نے اس کو کہہ دیا ہے کہ جماعت لاہور (قادیانی) اس کی نگرانی کرے گی اور اگر اس نے پھر ان لوگوں سے تعلق رکھا یا اپنے مکان پر آنے دیا تو پھر اس کی معافی کو منسوخ کر دیا جائے گا۔" (الفضل - ۲۲ نومبر ۱۹۵۶ء)

اسی طرح خلیفہ صاحب نے اپنے ایک رشتہ دار ڈاکٹر علی اسلم کی بیگم امتہ السلام صاحبہ کا سوشل بائیکاٹ کرتے ہوئے اپنی بہو کو جو امتہ السلام کی ہمشیرہ ہے یہ دھمکی دی تھی کہ:۔

"اب اگر تنویر بیگم جو میری بہو ہے الفضل میں اعلان نہ کرے کہ میرا اپنی بہن سے کوئی تعلق نہیں تو میں اس کے متعلق الفضل میں اعلان کرنے پر مجبور ہوں گا کہ لجنہ (قادیانی عورتوں کی انجمن) اس کو کوئی کام سپرد نہ کرے اور میرے خاندان کے وہ افراد جو مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہیں اس سے تعلق نہ رکھیں۔" (الفضل - ۲۱ جون ۱۹۵۷ء)

چنانچہ خلیفہ محمود کا یہ اعلان شائع ہونے کی دیر تھی - فوراً تنویر الاسلام

نے سوشل بائیکاٹ کے ڈر سے اپنی بہن کے خلاف یہ اعلان الفضل میں شائع کرا دیا۔

"ڈاکٹر سید علی اسلم صاحب (حال ساکن نیروبی) اور سیدہ امتہ الاسلام (بیگم ڈاکٹر علی اسلم) نے جماعت کے نظام کو توڑنے کی وجہ سے میرے رشتے کو بھی توڑ دیا ہے لہذا آئندہ اُن سے میرا کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا۔" (الفضل - ۲۵ رجون ۱۹۵۶ء)

یہ ہیں چند مثالیں سوشل بائیکاٹ وغیرہ کی جن کی طرف تمام ملکی اخبار اور جرائد نے ارباب بست وکشاد کی توجہ دلائی اور خصوصاً نوائے وقت نے بھی اس ریاست اندر ریاست کے کھیل کو ختم کرنے کا حکومت پر زور دیا۔ مگر یہ آواز بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اس وقت تک اس ریاست کے بارے میں کوئی واضح اور ٹھوس قدم نہیں اُٹھایا۔ ہم یہ بات واضح کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ خلیفہ ربوہ ہر اُس آدمی کو شدید نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتا جو اس کے احکام کی تعمیل نہ کرے اور اُن کی مخالفت کرے۔ چنانچہ انہی دنوں اسی سوشل بائیکاٹ پر عمل نہ کرنے کے سبب اور سوشل بائیکاٹ کیے گئے افراد کو اشیاء خورد و نوش مہیا کرنے کے جرم کی پاداش میں اللہ یار بلوچ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا جس کا مقدمہ چل رہا ہے۔

خلیفہ محمود کا دستور تھا کہ وہ اپنے مخالفین کے خلاف اپنے مُریدوں کو اُبھارتے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں ان کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

" اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی حیا ہے اور تمہارا سچ مچ یہی عقیدہ ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہیے تو پھر یا تم دنیا سے مٹ جاؤ گے یا گالیاں دینے والے کو مٹا دوگے اگر کوئی انسان سمجھتا ہے کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے تو میں اُسے کہوں گا اے بے شرم! تو آگے کیوں نہیں جاتا اور اُس کے منہ کو کیوں نہیں توڑتا۔" (الفضل - ۵ جون ۱۹۳۷ء)

اِن مذکورہ بالا امور کی طرف توجہ دلانے کے بعد گورنمنٹ کی توجہ ان بنیادی اجزاء اور عناصر کی طرف مبذول ہونی چاہیے جو ریاستوں اور حکومتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو "ربوہ کی مصنوعی ریاست" میں بدرجۂ اتم موجود ہیں، چنانچہ وہ یہ ہیں۔ سربراہ، مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ، فوج، دارالحکومت اور بنک وغیرہ وغیرہ اپنے انتظام کے بارے میں خلیفہ کا اپنا دعوٰی یہ ہے:۔

"ان کی جماعت کا نظام ایک مضبوط سے مضبوط گورنمنٹ کے نظام کا مقابلہ کر سکتا ہے"۔ (الفضل - ۱۱ر جولائی ۱۹۴۷ء)

اب ہم بالتفصیل ان مذکورہ بالا اُمور کے بارے میں اگلے باب میں علیٰحدہ علیٰحدہ روشنی ڈالیں گے۔ یہاں ایک اور بات کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے وہ قادیان میں چھوڑی ہوئی جائداد کے بارے میں ہے۔ مہاجرین جو قادیان میں جائداد چھوڑ آئے۔ ان کو خلیفہ ربوہ نے کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے لاکھوں روپے کے کلیم احمدیوں نے داخل نہیں کیے۔ اور گورنمنٹ پاکستان کو اس وجہ سے لاکھوں روپے کے کلیم کم آئے۔ کیا یہ گورنمنٹ کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی نہیں تھی۔

# خلافتی حکومت کا تفصیلی خاکہ

اب ہم ذیل میں ربوی مملکت کے اجزائے ترکیبی کے ہر جزو پہ "خلیفہ صاحب" کی زبان سے روشنی ڈالیں گے۔

**سربراہ** "ریاست میں حکومت کے اس نیابتی فرد کا نام ہے جس کو لوگ اپنے مشترکہ حقوق کی نگرانی سپرد کرتے ہیں" (الفضل - ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

ربوہ کی اصطلاح میں جماعت کے سربراہ کو خلیفہ کہتے ہیں اور ایسا خلیفہ اگرچہ غلطی سے منزّہ نہیں کہلا سکتا لیکن احتساب سے بالا ضرور ہوتا ہے۔ خلیفہ ربوہ کے اپنے ارشادات گرامی ملاحظہ فرمائیے:

"جس مقام پہ اُن کو کھڑا کیا جاتا ہے اس کی عزت کی وجہ سے ان پر اعتراض کرنے والے ٹھوکر سے بچ نہیں سکتے"

(الفضل - ۸ جون ۱۹۳۶ء)

"مجھ پہ سچا اعتراض کرنے والا خدا کی لعنت سے نہیں بچ سکتا اور خدا تعالیٰ اُسے تباہ و برباد کردے گا" (الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء)

**مقننہ (یعنی مجلسِ مشاورت)** مقننہ کو خلیفہ ربوہ کے نظام میں مجلسِ شوریٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی دیگر محکمہ جات کی طرح کلیتہً خلیفہ کے ماتحت ہوتی ہے اور خلیفہ ربوہ کے نزدیک اس مجلس کی وہی پوزیشن ہے جو خلفائے راشدین میں قائم شدہ مجلس شوریٰ کو حاصل تھی۔ اس مجلس کا کام ہے کہ ان امور میں مشورہ دے جن میں خلیفہ مشورہ طلب کرے۔

اس کا کوئی مشورہ جب تک خلیفہ منظوری نہ دے اور جاری نہ فرمائے صدر انجمن کے لیے واجب التعمیل نہ ہو گا۔ اس کے علاوہ ہر محکمہ کی نگرانی خلیفہ ربوہ خود فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں اُن کا قول ملاحظہ ہو۔

"تمام محکموں پر خلیفہ کی نگرانی ہے" (الفضل۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء)

"اُسے یہ حق ہے (یعنی خلیفہ کو) کہ جب چاہے جس امر میں چاہے مشورہ طلب کرے۔ لیکن اُسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ مشورہ لے کر ردّ کر دے" (الفضل۔ ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء)

مقننہ کے ممبروں کی تعداد کو نہیں۔ اس میں دو قسم کے نمائندے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جماعتوں کی طرف سے آتے ہیں لیکن اُن کی منظوری بھی خلیفہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جماعت کے چُنے ہوئے نمائندے خلیفہ ردّ کر سکتا ہے اور اُن کو مقننہ میں شامل ہونے سے روک سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ خود جتنے افراد کو چاہے اپنی طرف سے مقننہ کا ممبر بنا سکتا ہے۔ مقننہ کے اس اجلاس میں کوئی شخص بغیر اجازتِ خلیفہ ایوان کو خطاب نہیں کر سکتا اور نہ ہی بغیر منظوری خلیفہ اس مجلس سے باہر جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں خلیفہ کا ارشاد بغرضِ تصدیق پیش ہے:۔

"پارلیمنٹوں میں وزرا کو وہ جھاڑیں پڑتی ہیں ...... جن کی حد نہیں۔ یہاں تو میں روکنے والا ہوں۔ گالی گلوچ کو سپیکر روکتا ہے سخت تنقید کو نہیں"

(الفضل، ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء)

لیکن خلیفہ کو حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے بولنے کا موقع دے اور جسے چاہے اس حق سے بالکل محروم کر دے۔

یہ مجلس صرف ایک دفعہ سال میں منعقد ہوتی ہے اور اس میں بجٹ وغیرہ کی منظوری کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مگر بجٹ کی منظوری کے متعلق بھی خلیفہ صاحب کہہ دیا کرتے ہیں کہ بعد میں اس پر غور کر کے میں خود ہی دے دوں گا

یعنی اس مقننہ کو اصل میں کوئی اختیار نہیں۔

**انتظامیہ** اس کے بعد ہم خلیفہ کی انتظامیہ کے بارے میں کچھ عرض خدمت کریں گے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ضمن میں خلیفہ کے "ارشادات" ہی نقل کر دیں۔ جس میں اس انتظامیہ کی ضرورت اور ماہیت کا اجمالی نقشہ موجود ہے۔ خلیفہ صاحب فرماتے ہیں۔

"تیسری بات تنظیم کے لیے یہ ضروری ہوگی کہ اُس کے مرکزی کام کو مختلف ڈیپارٹمنٹوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے جس طرح گورنمنٹوں کے محکمے ہوتے ہیں۔ سیکرٹری شپ کا طریق نہ ہو بلکہ وزراء کا طریق ہو اور ہر ایک صیغہ کا ایک انچارج ہو" (الفضل ۱۸ جولائی ۱۹۲۵ء)

خلیفہ کی اِس انتظامیہ کو جسے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی اصطلاح میں نظارت کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں ہر ایسے وزیر کو ناظر کہا جاتا ہے۔ ایسے ناظران کی نامزدگی انخلاء، ترقی یا تنزل خلیفہ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ملاحظہ ہو ارشاد گرامی:۔

"ناظر ہمیشہ میں نامزد کرتا ہوں" (الفضل ۲۴ اگست ۱۹۳۷ء)

یہ انتظامیہ اپنے سارے کام خلیفہ کی قائم مقامی میں کرتی ہے۔ اس کے ہر فیصلہ کی اپیل خلیفہ سُنتا ہے اور اس کے لیے خلیفہ کا حکم قطعی اور ناطق ہوتا ہے۔ یہ اپنے قواعد خلیفہ کی منظوری کے بغیر تبدیل نہیں کر سکتی اور اس کے فیصلوں کی تمام تر ذمہ داری خلیفہ پر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ انتظامیہ خلیفہ کی نمائندہ ہوتی ہے۔

"صدر انجمن جو کچھ کرتی ہے چونکہ وہ خلیفہ کے ماتحت ہے۔ اس لیے خلیفہ بھی اس کا ذمہ دار ہے"

(الفضل۔ ۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء)

لیکن اس انتظامیہ کو بھی خلیفہ کی برائے نام نمائندگی کا حق ہے۔ عملاً خلیفہ

کی حیثیت ایک امرِ مطلق ہے۔ خود خلیفہ کا اعلان :-

" ناظر یعنی (وزراء) بعض دفعہ چلّا اُٹھتے ہیں کہ ہمارے کام میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں " (الفضل - ۲۷ اپریل ۱۹۳۶ء)

**صدر انجمن احمدیہ** ہر صوبہ میں ایک انجمن ہوتی ہے۔ یہ انجمن ضلعوں کی انجمنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر ضلع کی انجمن تحصیلوں کی انجمنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان کی حد بندی صدر انجمن متعلقہ انجمنوں کے مشورہ کے بعد کرتی ہے۔ (الفضل - ۲ اگست ۱۹۲۹ء)

**اغراض** اس انجمن کے اغراض میں وہ سب کام شامل ہیں جو "خلفاءِ سلسلہ" کی طرف سے سپرد کیے جاتے ہیں یا آئندہ کیے جائیں۔

**اراکین** تمام صیغہ جات سلسلہ کے ناظر اور تمام اصحاب جنہیں خلیفۂ وقت کی طرف سے صدر انجمن کا زائد ممبر مقرر کیا جائے۔

ناظر سے مراد سلسلہ کے ہر مرکزی صیغہ کا وہ افسرِ اعلیٰ ہے جسے خلیفۂ وقت نے ناظر کے نام سے مقرر کیا ہے۔

**تقرر، علیحدگی ممبران صدر انجمن** خلیفۂ وقت کی ہدایت کے ماتحت ممبرانِ صدر انجمن کا تقرر اور علیحدگی عمل میں آتی ہے۔

**اندرونی انتظام** صدر انجمن کے فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا صدر ان کو ویٹو کر سکتا ہے۔ اس انجمن کے صدر خلیفہ کی زندگی میں ان کے بڑے بیٹے مرزا ناصر احمد پرنسپل ٹی آئی کالج ربوہ تھے۔

اس وقت ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ کی جو نظارتیں (وزارتیں) قائم ہیں ان کا ایک خاکہ درج ذیل ہے۔

**ناظرِ اعلیٰ** ناظرِ اعلیٰ سے مراد وہ ناظر ہے جس کے سپرد تمام محکمہ جات کے کاموں کی عمومی نگرانی ہوگی۔ اور وہ خلیفہ اور صدر انجمن

احمدیہ یعنی کابینہ کے درمیان واسطہ ہو گا۔

۲ - ناظر امور عامہ : وزیر داخلہ وصحت (فوجداری مقدمات، سزاؤں کی تنفیذ نیز پولیس اور حکومت سے روابط قائم کرنا اس محکمہ کا کام ہے)

۳ - ناظر امور خارجہ : وزیر خارجہ: (اپنی ریاست ربوہ سے باہر اندرونِ ملک و بیرونِ ملک کارروائیاں اور سیاسی گٹھ جوڑ)۔

۴ - ناظرِ اصلاح وارشاد : وزیر پروپیگنڈہ ومواصلات

۵ - ناظرِ بیت المال : وزیرِ مال

۶ - ناظرِ تعلیم : وزیرِ تعلیم

۷ - نظارت قانون : وزیرِ قانون

۸ - ناظرِ صنعت : وزیرِ صنعت

۹ - ناظر زراعت : وزیر زراعت

۱۰ - ناظرِ ضیافت : وزیرِ خوراک

۱۱ - ناظر تجارت : وزیر تجارت

۱۲ - ناظر حفاظت مرکز : وزیر دفاع (پولیس وفوج کا کنٹرول اور ربوہ وقادیان انڈیا کی حفاظت کا بندوبست)۔

## اختیارات وفرائض ناظران

ناظران کے اختیارات وفرائض وقتاً فوقتاً خلیفہ کی طرف سے تفویض ہوتے رہتے ہیں

ناظروں کی تعداد خلیفہ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔ صدر انجمن کے تمام فرائض وہی ہیں جو خلیفہ کی طرف سے تفویض ہیں۔ جنہیں وہ خلیفہ کی قائم مقامی کے طور پر ادا کرتی ہے۔ تمام ماتحت مجالس خواہ مرکزی ہوں یا مقامی۔ قواعد کا نفاذ، خلیفہ کی منظوری کے بعد ہوتا ہے۔ بجٹ خلیفہ کی منظوری سے طے اور اس کی منظوری سے جاری ہوتا ہے۔ صدر انجمن کے ہر فیصلے کے خلاف

بتوسط صدر انجمن خلیفہ کے پاس اپیل ہوتی ہے۔ ہر ایک معاملہ میں صدر انجمن کا اس کی ماتحت مجالس اور تمام مقامی انجمنوں کے لیے حکم قطعی اور ناطق ہوتا ہے۔ قواعد اساسی اور اُن کے متعلق نوٹوں میں تغیر و تبدیل صرف خلیفہ کی منظوری سے ہو سکتا ہے۔ اپنے قواعد و ضوابط میں جو خلیفہ نے تجویز کیے ہوں صدر انجمن تبدیلی نہیں کر سکتی۔ صدر انجمن کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا قاعدہ یا حکم جاری کرے جو خلیفہ کے کسی حکم خلاف ہو یا جس سے خلیفہ کی مقرر کردہ پالیسی میں کوئی تبدیلی آتی ہو۔ ناظروں اور مفتی کا سلسلہ تقرر و ترقی و تنزل و برطرفی وغیرہ صرف خلیفہ کے اختیار میں ہے۔ صدر انجمن کو سلسلہ کی جائیداد غیر منقولہ کی فروخت ہبہ، رہن و تبدیل کرنے کا بغیر منظوری خلیفہ ربوہ اختیار نہیں اور خلیفہ ربوہ ہی ناظر اعلیٰ کا قائم مقام مقرر کرتا ہے۔ ناظران اور افسران صیغہ جات کے کام کی ہفتہ وار رپورٹ خلیفہ ربوہ کی خدمت میں پیش کرے۔ ناظر اعلیٰ کا یہ فرض ہے کہ خلیفہ کی تحریری و تقریری ہدایات کے علاوہ اُن کے تمام خطبات و تقاریر وغیرہ میں جو احکام و ہدایات جماعت کے نظام کے متعلق ہوں ان کی تعمیل کرواتے۔ اسی طرح قاعدہ ہے کہ جب کوئی ناظر بحیثیت ناظر کسی جگہ جائے تو جماعت کا فرض ہے کہ اُس کا استقبال کرے اور اُس کا مناسب اعزاز کرے (مذکورہ بالا تمام کوائف قواعد صدر انجمن طبع شدہ سے لیے گئے ہیں)۔

**عدلیہ** | انتظامیہ کے علاوہ خلیفہ صاحب کے ہاں ایک مربوط عدلیہ بھی ہے۔

خلیفہ خود آخری عدالت ہے اور خود ہی ناظم قضا یا رجسٹرار مقرر کرتا ہے اور اس کا عزل اور ترقی بھی خود اس کے ہاتھ میں ہے

ربوی سپریم کورٹ کے جج یا اپیل بورڈ کے ممبران کی نامزدگی بھی خلیفہ خود کرتا ہے اور وہ جس مرحلہ پر چاہے مقدمہ کی نقل اپنے ملاحظہ کے لیے

سب کر لیتا ہے اور جس جج کو چاہے مقدمہ سننے کا نااہل قرار دے

ایسے مقدمات میں جو وکیل پیش ہوتے ہیں انہیں ناظم ہذا سے باقاعدہ اجازت نامہ دیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر خلیفہ کی عدالتوں میں کسی وکیل کو حکومت کے اجازت نامہ کے باوجود پیش ہونے کا حق نہیں۔ خلیفہ کا یہی ناظم قضا یا رجسٹرار مقدمہ مختلف قاضیوں کے سپرد کرتا ہے اور فیصلوں کی نقول مہیا کرنے پر جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس کو داخل خزانہ کرنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے فرائض دربارہ قضا اور فیصلہ تنازعات کی آدائیگی کے لیے یہی محکمہ قضا ہے۔ اس میں ناظمِ قضا کا یہ کام بھی ہوتا ہے کہ احمدیوں کے تنازعات کے فیصلوں کے لیے مناسب انتظام کرے اس کو حسبِ ضرورت خلیفہ کے ایماء سے قاضی اور قاضی القضاۃ مقرر کرنے کا اختیار ہے۔ آخری اپیل خلیفہ کے پاس ہوتی ہے۔

(الفضل - ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ء)

قاضی سلسلہ سمن جاری کرنے کا مجاز ہے۔ نوٹس بھی دیتا ہے۔ ڈگری کا اجراء بھی کرایا جاتا ہے۔ یک طرفہ اور ضابطہ کی کارروائیاں بھی یہاں ہوتی ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو۔

نوٹس: بنام شیخ منظور احمد

مدعی: مستری بدر الدین معمار ساکن قادیان

بنام: شیخ منظور احمد ولد شیخ محمد حسین مرحوم

دعویٰ: اجراء ڈگری مبلغ ۴۰۰/-

مقدمہ مندرجہ عنوان میں موکل قضا نے ۳/۶/۴۸ کو یک طرفہ ڈگری ۴۰۰/- کی دی تھی۔ مدعی نے امورِ عامہ میں اجراء ڈگری کی درخواست ۱۴/۶/۴۸ کو دی۔ لہٰذا آپ کو بذریعہ اخبار نوٹس دیا جاتا ہے کہ مندرجہ بالا ۲۴/۱۲/۴۸ تک دفتر امورِ عامہ میں جمع کرا دیں تو بہتر ورنہ آپ کے خلاف ضابطہ کی کارروائی

عمل میں لائی جاوے گی۔ (الفضل ـ ۱۹ ـ دسمبر ۱۹۳۳ء)

اب سمن کے بارے میں سنیئے:

• ملک عبدالحمید صاحب ولد غلام حسین صاحب محلہ دارالرحمت قادیان کے خلاف چند مقدمات برائے ڈگری واڑ ہیں۔ کئی دفعہ ان کے نام علیحدہ علیحدہ مقدمات میں سمن جاری کیے گئے ہیں۔ مگر وہ تعمیل سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ چنانچہ ۳/۱۲ کو ایک سمن اگلے روز کی حاضری کے لیے جاری کیا گیا اس پر ملک عبدالحمید نے عذر کیا میں ۱۵ یوم کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ لہٰذا مجبور ہوں۔ اس پر اسی وقت ان کو اطلاع بھیجی گئی کہ آپ کو اس سمن کی اطلاع یابی کے بعد باہر جانے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اس سمن کی تعمیل واجب ہے۔ اگر واقعی آپ کو کوئی اتنا اشد ضروری کام ہے۔ جو رُک نہیں سکتا تو آپ کو لازم ہے کہ درخواست پیش کر کے عدم حاضری کی اجازت حاصل کریں۔۔۔ لہٰذا اُن کو بذریعہ اخبار اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر وہ اس اعلان کی تاریخ سے دس روز کے اندر اندر دفتر امور عامہ میں حاضر نہ ہوئے تو سخت نوٹس لیا جائے گا۔

(ناظر امور عامہ)

(الفضل ـ ۹ ـ دسمبر ۱۹۳۳ء)

# خلیفہ کا عسکری نظام

اپنی مزعومہ ریاست کی فوجی ضروریات کی تکمیل کا ابتدائی بندوبست تو خلیفہ نے یہ کیا کہ ایک رؤیا کا سہارا لے کر جماعت کو یہ تلقین کی کہ ٹیری ٹوریل فوج میں بھرتی جماعت کے لیے نہایت ضروری اور مفید ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہ کام آئندہ جماعت کے لیے بابرکت ہوگا۔

(الفضل - ۶ راکتوبر ۱۹۳۹ء)

بار بار جماعت کے نوجوان طبقہ کو یہ بھی تحریک کی جاتی تھی:-

" احمدی نوجوانوں کو چاہیے کہ ان میں سے جو بھی شہری ٹیری ٹوریل فورس میں شامل ہو سکتے ہیں شامل ہو کر فوجی تربیت حاصل کریں "

(الفضل - ۸ مارچ ۱۹۳۹ء)

اس کے بعد اپنی مستقل فوجی تنظیم ضروری قرار دی - " جیسا کہ پہلے اعلان کیا جا چکا ہے۔ یکم ستمبر ۱۹۳۲ء سے قادیان میں فوجی تربیت کے لیے ایک کلاس کھولی جائے گی - جس میں بیرونی جماعتوں کے نوجوانوں کی شمولیت نہایت ضروری ہے - ہندوستان میں حالات جس سرعت کے ساتھ تغیر پذیر ہو رہے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان جلد از جلد اپنی فوجی تنظیم کی طرف متوجہ ہوں اور خاص کر جماعت احمدیہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں توقف نہ کرے - اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ ہر مقام کے نوجوان پہلے خود فوجی تربیت لیں - پھر اپنے اپنے مقام پر دوسرے نوجوانوں کو تربیت دیں۔

اور ان کی ایسی تنظیمیں کریں کہ ضرورت کے وقت مفید ثابت ہو سکیں"۔
(الفضل - ۷راگست ۱۹۳۲ء)

"صدر انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کے تمام کارکن والنٹیر کور کے ممبر ہوں گے اور مہینہ میں کم از کم ایک دن اپنے فرائض منصبی کور کی وردی میں ادا کریں گے - نیز بیرونی جماعتوں کے امراء و پریذیڈنٹ بہ حیثیت عہدہ مقامی کور کے افسرِ اعلیٰ ہوں - ہر مقام کی احمدی جماعتوں کو اپنے ہاں کور کی بھی بھرتی لازمی ہو گی - جہاں کور کے ایک سے تین دستے ہوں گے جن میں سے ہر ایک سات آدمیوں پر مشتمل ہو گا - وہاں ہر دستہ کا ایک افسر دستہ مقرر ہو گا۔ اور جہاں چار دستے ہوں گے وہاں ایک پلٹون سمجھی جائیگی جن پر ایک افسرِ دستہ کے علاوہ ایک افسر پلٹون بھی ہو گا - اور ایک نائب افسر پلٹون مقرر کیا جائے گا - جہاں چار پلٹونیں ہوں گی وہاں پر پلٹونوں کے مذکورہ بالا افسروں کے علاوہ ایک افسر کمپنی اور ایک نائب افسر کمپنی بنا دیا جائے گا - حضرت امیر المومنین نے احمدیہ کور اپنی سرپرستی کے فخر سے بھی سرفراز کرنا بھی منظور فرمالیا ہے"۔ (الفضل - ۷راگست ۱۹۳۲ء)

"حضور کا منشاء وارشاد اس تحریک کو نہایت باقاعدگی اور عمدگی کے ساتھ چلانے کا تھا"۔ (الفضل - یکم ستمبر ۱۹۳۲ء)

"یکم ستمبر صبح ساتبجے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی گراؤنڈ میں احمدیہ کور ٹریننگ کلاس کا آغاز زیر نگرانی حضرت صاحبزادہ کیپٹن مرزا شریف احمد ہوا"۔ (الفضل - یکم ستمبر ۱۹۳۲ء)

یہ "فوج" علاوہ دوسرے کاموں کے اپنے سربراہ کی سلامی بھی اتارا کرتی تھی - چنانچہ ایک دفعہ مرزا شریف احمد ناظم احمدیہ کور کو بذریعہ تار خبر موصول ہوئی کہ خلیفہ یکم اکتوبر ۱۹۳۲ء صبح دس بجے یا تین بجے بعد دوپہر تشریف فرمائے دارالامان ہوں گے - احمدیہ کور کارکنان صدر انجمن احمدیہ

اور بہت سے دیگر افراد حسب الحکم حضرت میاں شریف احمد کور کی وردی میں ملبوس ہو کر لڑکی سکول کی گراؤنڈ میں جمع ہو گئے۔ جہاں سے مارچ کر اگر بٹالہ والی سڑک پر کھڑے کر دیے گئے۔ خلیفہ آئے " فوج " نے فوجی طریقہ پر سلامی اُتاری۔ حضور نے ہاتھ کے اشارے سے " فوجی" سلام کا جواب دیا" (الفضل - ۴ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)۔

اس " فوج " کا اپنا ایک جھنڈا بھی تھا جو سبز رنگ کے کپڑے کا تھا اور اس پر منارۃ المسیح بنا کر ایک طرف اللہ اکبر اور دوسری طرف "عباد اللہ" لکھا ہوا تھا۔ جو اس فوج کا اصلی نام تھا۔ یہی وہ فوج تھی جو coup وغیرہ کرنے دریائے بیاس کے کنارے بھی بھیجی گئی تھی (الفضل - ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء)۔

یاد رہے دریائے بیاس کا ہی وہ رنگین اور پُر بہار کنارہ تھا جہاں خلیفہ صاحب اپنی مستورات اور دیگر ممبران صنف نازک کو لے جا کر چاند ماری کی مشق کرایا کرتے تھے۔

**جبری بھرتی**

اس " فوج " کے لیے خلیفہ صاحب نے جبری بھرتی کا اصول اختیار فرمایا تھا۔ " میں ایک دفعہ امور عامہ کو توجہ دلاتا ہوں ...... کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر سے لے کر پینتیس سال کی عمر تک کے تمام نوجوانوں کو اس میں جبری طور پر بھرتی کیا جائے۔ (الفضل - ۵ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)۔

" ابتداء میں ناظر صاحب امور عامہ نے اس " فوج " کی کمان سنبھالی تھی۔ لیکن جلد ہی خلیفہ کی بارگاہ سے اس بارے میں سرزنش آگئی " کمانڈر انچیف اور وزارت کا عہدہ کبھی بھی اکٹھا نہیں ہوا۔ (الفضل - ۵ر اپریل ۱۹۳۳ء)۔

اس فوجی تنظیم کے بروقت قیام پر خلیفہ کو اتنا ناز تھا کہ سرکاری گزٹ الفضل نے ایک موقع پر لکھا کہ:-

حضور نے احمدیہ گارڈ کی یہ اسکیم آج سے تقریباً پانچ سال پہلے تجویز فرمائی تھی۔ اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عام اقوام تو الگ رہیں۔ اس وقت بعض بڑی بڑی حکومتیں بھی اپنی قوت مدافعت میں اضافہ کرنے کے لیے بعض ایسے احکام نافذ کر رہی ہیں جو اس تحریک کے اجزاء ہیں۔"

(الفضل - ۱۲ - اگست ۱۹۳۹ء)

اگر قادیانی خلافت کا مقصد محض اشاعتِ مذہب تھا تو اس مقصد کے لیے تصنیفی، تالیفی اور اشاعتی ادارے قائم ہوتے نہ کہ اس فوجی تربیت پر زور دیا جاتا۔ اور اس کے لیے ایک باقاعدہ عسکری نظام قائم کیا جاتا۔ اصل میں خلیفہ کے لاشعور میں بادشاہ بننے کی آرزوئیں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ "اشاعتِ اسلام" کا نعرہ محض دھوکے کی ٹٹی تھی۔ کیونکہ قادیانی عوام کالانعام سے روپیہ وصول کرنے کا اور کوئی طریق نہ تھا۔ اسلام کے نام پر وصول کیا ہوا روپیہ ہوسِ اقتدار کی تسکین پر صرف ہو جاتا تھا۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف اُن کی نیت اور ارادے کی غمازی کرتا ہے بلکہ اُن کے سیاسی منصوبوں کو بھی طشت از بام کرتا ہے۔ اپنے عسکری مقاصد کے حصول کے لیے خدام الاحمدیہ قائم کی گئی۔ اس کا باقاعدہ ایک پرچم بنایا گیا۔ اس کے متعلق خلیفہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"خدام الاحمدیہ میں داخل ہونا اور اُس کے مقررہ قواعد کے ماتحت کام کرنا ایک اسلامی فوج تیار کرنا ہے۔"

(الفضل - ۷، اپریل ۱۹۳۹ء)

میں نے (محمود) ان ہی مقاصد کے لیے جو خدام الاحمدیہ کے ہیں نیشنل لیگ کو تیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر جس قدر احمدی برادران کسی فوج میں ملازم ہیں۔ خواہ وہ کسی حیثیت سے ہوں۔ ان کی فہرستیں تیار کروائی

جائیں۔ (الفضل۔ ۱۰ ؍ اپریل ۱۹۳۵ء)

اسی طرح جماعت کو یہ حکم دیا کہ:۔

"جو احباب بندوق کا لائسنس حاصل کر سکتے ہیں وہ لائسنس حاصل کریں اور جہاں تلوار رکھنے کی اجازت ہے وہ تلوار رکھیں۔"

(الفضل۔ ۲۲ ؍ جولائی ۱۹۳۰ء)

## خلیفہ کی خود ساختہ فوجی تنظیم

امن پسندانہ اشاعتِ اسلام کی دعویدار جماعت کی قادیان میں احمدیہ کور ایک خالص فوجی تنظیم تھی۔ برّاعظم کا ہر احمدی باشندہ عمر ۱۵ سال سے ۴۰ سال تک اس کا جبری ممبر بنایا گیا۔ ٹیری ٹوریل فورس میں انگریزی حکومت کی طرف سے فوجی تربیت سکھائے۔ پھر ۱۵/۴ پنجاب رجمنٹ میں احمدی کمپنیوں کا ہونا اور تمام احمدی جوانوں کو فوج میں بھرتی ہو جانے کا حکم کن مقاصد کے لیے تھا۔ سندھ میں حُرّ تحریک کو احمدیہ کمپنیوں کے فوجیوں کے گولہ بارود سے ہی کیوں کچل دیا گیا۔ تقسیمِ ملک کے بعد سیالکوٹ، جموں سرحد پر ان ہی احمدی کمپنیوں کے ریلیز شدہ سپاہی منظم طور پر کیوں پہنچ گئے اور اُن کو دھڑا دھڑا اسلحہ کہاں سے مل رہا۔ فرقان فورس احمدیوں کی فوج کشمیر میں کیوں کھڑی کی گئی اور خلیفہ نے اپنی جماعت کی فوجی تنظیم اور محاذِ جنگ کا خود ملاحظہ کیوں کر کیا؟

اس فوج کو استعمال کرنے کے لیے خلیفہ کا حکم:۔

"انڈین یونین کا مقابلہ کوئی آسان بات نہیں۔ مگر انڈین یونین چاہے صلح سے ہمارا مرکز ہمیں دے چاہے جنگ سے دے ہم نے وہ مقام لینا ہے اور ضرور لینا ہے۔ اگر جنگ کے ساتھ ہمارے

مرکز کی واپسی مقدر ہے۔ تب بھی ضروری ہے کہ آج ہی سے ہر احمدی ، جان قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔" (الفضل - ۳۰ر اپریل ۱۹۴۸ء)

اب اس اقتباس کو ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح خلیفہ ربوہ انڈین یونین جو ایک بہت بڑی حکومت ہے اُس کے ساتھ جنگ کرنے کو تیار ہو رہے ہیں نیز کسی حکومت کی بنیادی عناصر سے اس کے (BASE) مرکز اور دار الخلافہ کا مسئلہ بھی ہے اور خلیفہ نے ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء کو جبکہ پاکستان قائم ہوئے ابھی سال بھی نہ گزرا تھا۔ اپنے ۶۰ ۱ئم حشر پیما پہ ایک ہیجان خیز خطبہ دیا اور فرمایا:۔

" یاد رکھو تبلیغ اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہمارا (BASE) مضبوط نہ ہو پہلے (BASE) مضبوط ہو تو تبلیغ مضبوط ہو سکتی ہے...... بلوچستان کو احمدی بنایا جائے تاکہ ہم کم از کم ایک صوبہ کو تو اپنا سکیں...... میں جانتا ہوں کہ اب یہ صوبہ ہمارے ہاتھوں میں سے نکل نہیں سکتا۔ یہ ہمارا ہی شکار ہوگا۔ دُنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے یہ علاقہ چھین نہیں سکتیں۔"

(الفضل - ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء)

# ضلع گورداس پور کی تسخیر خلافتی منصوبہ

یہ واقعہ اخبارات میں آچکا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ خلیفہ کا یہ عسکری پلان بہت پُرانا ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے آپ کی نظر ضلع گورداس پور پر تھی۔ یہ داستان خلیفہ کی زبان سے سُنیے:۔

" گورداس پور کے متعلق میں نے سوچ لیا ہے۔ اگر ہم پورے زور

سے کام کریں تو ایک سال میں فتح کر سکتے ہیں ...... اس وقت ڈائنامیٹ رکھا جا چکا ہے اور قریب ہے کہ مخالفت کا قلعہ اُڑا دیا جائے ۔ اب صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہے ۔ جب دیا سلائی دکھائی گئی تو قلعہ کی دیوار پھٹ جائے گی ۔ اور ہم داخل ہو جائیں گے"۔

(الفضل ۔ ۱۲ مارچ ۱۹۳۱ء)

پھر فرماتے ہیں:۔

"مردم شماری کے دنوں میں گورنمنٹ بھی جبراً لوگوں کو اس کام پر لگا سکتی ہے ۔ اگر کوئی انکار کرے تو سزا کا مستوجب ہوتا ہے پس میں بھی ناظروں کو حکم دیتا ہوں کہ جسے چاہیں مدد کے لیے پکڑ لیں مگر کسی کو انکار کا حق نہ ہوگا ۔ اور اگر کوئی انکار کرے تو میرے پاس اُس کی رپورٹ کریں"۔

(الفضل ۔ ۱۲ جون ۱۹۲۲ء)

انہی مقاصد کے پیش نظر قادیان اور ماحول قادیان کا نقشہ بھی تیار کروایا گیا ۔

"ایک تو جماعت کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اور نہیں تو اس ضلع (گورداسپور) کو تو اپنا ہم خیال بنالیں ۔ احمدیوں کے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں، جہاں وہ ہی ہوں اور دوسروں کا کچھ اثر نہ ہو ...... احمدیوں کے پاس ایک چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی نہیں ہے جہاں احمدی ہی احمدی ہوں ۔ کم از کم ایک علاقہ تو مرکز بنا لو اور جب تک اپنا مرکز نہ ہو جس میں کوئی غیر نہ ہو ۔ اُس وقت تک تم مطلب کے مطابق امور جاری نہیں کر سکتے ۔ ایسا علاقہ اُس وقت تک ہمیں نصیب نہ ہو گا جو خواہ چھوٹے سے چھوٹا ہو مگر اُس میں غیر نہ ہوں جب تک یہ نہ ہو اُس وقت تک ہمارا کام بہت مشکل ہے"۔

(الفضل ۔ ۱۲ جون ۱۹۲۲ء)

# صدرمقام کی جستجو

یہ ہے وہ کام جو خلیفہ کے ذہن پر مسلط ہے کیا خالص دینی مہمات کی سرانجام دہی کے لیے اُن کو ایسے علاقے مطلوب ہیں خواہ بڑے پیمانے پر خواہ چھوٹے پیمانے پر، کچھ علاقے ہوں جو بلاشرکتِ غیرے کلیتہً ان کی ملکیت ہوں۔ کیا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ایسے صدرمقام کی تلاش کی تھی جس میں کوئی غیر نہ ہو۔ جہاں سے وہ تبلیغِ اسلام کے کام کو جاری رکھ سکیں۔ "پس یہ کام" جس کی تکمیل کا خلیفہ متمنی تھا کہ ان کو ایسی جگہ مل جائے جہاں وہ ہی ہوں ان کا قانون وہاں چل سکے اور اپنی ریاست کا قیام عمل میں لایا جا سکے اور قادیان میں بھی اس لحاظ سے کامیابی کا حصول اپنے لیے مشکل سمجھتے تھے مگر ربوہ میں اُن کو یہ بات میسر آگئی ہے وہ "عجمی اسرائیل" اپنی پوری شان سے قائم کرچکے ہیں۔ کیونکہ اس میں سوائے ان کے قادیانی مُریدوں کے اور کوئی آباد نہیں۔ پاکستان میں صرف ایک حصّہ ہے جس میں ایک ہی فرقے کے لوگ بستے ہیں اور وہ ایک آہنی تنظیم میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے ملک کا قانون اُن کے لیے حرفِ غلط سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایسی آئین سوز کیفیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے صوبائی پریس ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ عجمی اسرائیل ربوہ کو "کھلا شہر" قرار دیا جائے یعنی اس میں دوسرے لوگ ایک عمرانی منصوبے کے ماتحت بسائے جائیں تاکہ محمودی آمریت قانون کے راستے میں حائل نہ ہو سکے لیکن ابھی تک یہ مطالبہ تشنۂ تکمیل ہے۔

# نظامِ بنکاری

## قومی بنکوں اور ڈاک خانہ جات میں روپیہ جمع کرانے سے روکنا

ربوہ میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کے بالمقابل مرزا محمود کی زیر نگرانی ایک غیر منظور شدہ بنک بھی جاری ہوا تھا جسے خلیفہ صاحب کی خود ساختہ اصطلاح میں "امانت فنڈ" کہا جاتا ہے۔ ربوہ کے اس قادیانی بنک کی طرف سے باقاعدہ چیک بک اور پاس بک بھی جاری کی جاتی ہے جن کا ڈیزائن عام مروجہ بنکوں کی چیک بکوں اور پاس بکوں سے ملتا جلتا ہے۔ سطحی نظر سے کوئی شخص ان کے متعلق گمان نہیں کر سکتا کہ یہ چیک بک یا پاس بک گورنمنٹ کے کسی غیر منظور شدہ بنک کی ہے۔ اس بنک کے متعلق بعض اعلانات پڑھیے:-

"چالیس سال سے قائم شدہ صیغۂ امانت صدر انجمن احمدیہ اس صیغہ کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی بابرکت سرپرستی کے علاوہ بفضلِ تعالیٰ اس وقت مشہور انگلش بنک سے تربیت یافتہ گریجوایٹ اور مخلص نوجوانوں کی خدمات حاصل ہیں۔ آپ کا یہ قومی امانت فنڈ اس وقت خدا کے فضل و رحم سے ملکی بنکوں کے دوش بدوش اپنے حساب دارانِ امانت کی خدمت پورے اخلاص اور محنت سے سرانجام دے رہا ہے تقسیم ملک کے بعد اس صیغہ نے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ بھی

آپ سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے اب آپ کو اپنا فالتو روپیہ ہمیشہ صیغۂ امانت صدر انجمن احمدیہ میں ہی جمع کروانا چاہیے۔"

(الفضل - ۱۹ رمارچ ۱۹۵۶ء)

"کیا آپ کو علم ہے کہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے خزانہ میں احباب اپنی امانت ذاتی کا حساب کھول سکتے ہیں اور جو روپیہ اس طرح پر جمع ہو وہ حسبِ ضرورت جس وقت بھی حساب دار چاہے واپس لے سکتا ہے۔ جو روپیہ احباب کے پاس بیاہ شادی۔ تعمیر مکان۔ بچوں کی تعلیم یا کسی اور ایسی ہی غرض کے لیے جمع ہو اُس کو بجائے ڈاک خانہ یا دوسرے بنکوں میں رکھنے کے خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں جمع کرانا چاہیے۔"

(الفضل - ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء)

ملاحظہ ہو کس طرح کھُلّم کھُلا گورنمنٹ کے ڈاک خانوں میں روپیہ جمع کرنے سے لوگوں کو روکا گیا۔ ہمارے خیال میں کسی بڑے سے بڑے بنک نے بھی یہ جرأت نہیں کی ہو گی کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرے کہ ڈاک خانوں میں رقوم جمع نہ کروائیں۔

یہ بنک خلیفہ کی ریاست کو بوقت ضرورت روپیہ مہیا کرتا ہے خود خلیفہ صاحب اور اُن کے عزیزوں کو (OVERDRAFTS) کے ذریعہ متعدد بار رقمیں مہیا کر چکا ہے، اس وقت خلیفہ اور اُس کا خاندان اسی بنک سے مبلغ سات لاکھ روپے کی رقم لے چکے ہیں۔ اسی بنک کی سیاسی افادیت کا حال بھی خلیفہ کی زبانی سُنیے:-

"اس کے علاوہ اس کے ذریعہ احرار کو خطرناک شکست ہوئی۔"

(الفضل - ۱۳ رجنوری ۱۹۳۶ء)

"اگر دس بارہ سال تک ہماری جماعت کے لوگ اپنے نفسوں پر زور ڈال کر اس میں روپیہ جمع کرواتے رہیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے

قادیان ......اور اُس کے گردونواح میں ہماری جماعت کی مخالفت ۹۵ فیصد کم ہو جائے۔" (الفضل - ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

پس کس طرح قادیان اور اُس کے ماحول کو سنبھالنے کی اس بنک کے ذریعے تجاویز مرتب کی گئیں اور پھر کس طرح احرار کو اسی بنک کی طاقت سے شکست دی گئی۔ کیا یہی بنک کل کسی اور کو شکست دینے کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا کیونکہ "خلیفہ صاحب" خود فرماتے ہیں۔

"ہم اس روپیہ سے تمام وہ کام کر سکتے ہیں جو حکومتیں کیا کرتی ہیں۔" (الفضل - ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء)

اور پھر بالفاظ "خلیفہ صاحب":-

"میں اس مد (امانتِ تحریک) کی تفصیلات کو بیان نہیں کر سکتا۔" (الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

اگر گویم زباں سوزد

"اور یہ بھی یاد رکھیے کہ امانت فنڈ کی تحریک الہامی تحریک ہے۔" (الفضل - ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء)

صیغہ امانت بنک ہے لیکن بنک کی سی کوئی ذمہ داری اس پہ عائد نہیں ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایسا بنک ہے جس کا نام امانت فنڈ ہے جو اگر ضائع ہو جائے تو امین اس کا شرعاً ذمہ دار نہیں ہوتا۔ صیغہ امانت میں گورنمنٹ کے افسروں کے کھاتے کھلے ہیں۔ ہم محکمہ انکم ٹیکس والوں کو بھی توجہ دلاتے ہیں کہ وہ بھی اس ژولیدگی کی چھان بین کریں انہیں بڑی مفید معلومات حاصل ہوں گی۔ اور وہ تمام لوگ جو گورنمنٹ ٹیکس سے بچنے کے لیے بنکوں کے بجائے یہاں روپیہ رکھتے ہیں منظرِ عام پہ آجائیں گے اور گورنمنٹ کے ملازم جن کے لیے اپنی مالی پوزیشن کو صاف رکھنا ضروری ہے ان کے متعلق تمام کوائف طشت از بام ہو جائیں گے۔ بنکاری کا معاملہ بڑا سنگین معاملہ ہے۔ اگر

کوئی بنک بیٹھ جائے تو کتنے لوگ برباد ہو جاتے ہیں۔ پیپلز بنک جب دیوالیہ ہوا تھا تو کس طرح ملک میں کہرام مچ گیا تھا۔ بنک تو بند ہو گیا مگر ان بیواؤں اور یتیموں کا رونا کسی طرح بند نہ ہوا جن کا روپیہ اس میں امانت پڑا ہوا تھا۔ گورنمنٹ نے اس کا کیا انسداد کیا ہے۔ اگر خلیفہ صاحب کی بے تدبیری اور بڑھتے ہوئے اخراجات اور آئے دن کی اوور ڈرافٹس (OVER DRAFTS) اور صیغۂ امانت سے قرض کے نام پر نکلوائی ہوئی بھاری رقوم سے یہ بنک دیوالیہ ہوا جس کا دیوالیہ ہو جانا ایک یقینی امر ہے تو امانت والوں کا کیا بنے گا۔ پاکستان کے شہریوں کے اموال کی حفاظت کا کیا بندوبست ہے۔ حکومت کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے کہ ربوہ کا یہ بنک "خلیفہ صاحب" کی بیجا بے اعتدالیوں کے باعث شدید مالی بحران کا شکار ہے اور اس کے کل سرمایہ میں سے جو تقریباً ۲۳ لاکھ روپیہ ہے ۱۸ لاکھ روپے کی گراں قدر رقم مبینہ طور پر خورد برد کی جا چکی ہے۔ اگر اس بنک کا کوئی باقاعدہ میزانیہ تیار کروایا جائے تو حکومت کو خود علم ہو جائے گا کہ یہ عملاً دیوالیہ ہو چکا ہے اور اس کے واجبات زیادہ اور اثاثہ اس کے بالمقابل برائے نام ہے۔

**مخفی اخراجات** | حکومت کو بعض اوقات مخفی طور پر بعض اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ خلیفہ صاحب کے ریاستی بجٹ میں بھی یہ موجود ہے۔ خلیفہ کا اپنا بیان:۔

"صرف ایک مد خاص ایسی ہے جس کے اخراجات مخفی ہوتے ہیں مگر میں اس کے متعلق بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان مخفی اخراجات کی مدمیں سے بعض دفعہ خبر رسانیوں اور ایسے ہی اور اخراجات پر جو ہر شخص کو بتائے نہیں جا سکتے خرچ ہوتے ہیں"

(الفضل - ۲ جولائی ۱۹۳۶ء)

# آزادیٔ رائے پر پہرے

آمرانہ حکومتوں میں آزادیٔ رائے عنقا ہوتی ہے۔ ایسا ہونا آمریت کے مزاج کے مطابق ہے وہاں افکار پر سنگین پہرے ہوتے ہیں۔ ہٹلر کے دورِ اقتدار میں کوئی جرمن باشندہ آزادی سے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں بڑے بڑے مفکر اور سائنس دان بھاگ کر جمہوری ملکوں میں آباد ہو گئے تھے۔ جاپان میں دوسری عالمگیر جنگ سے پہلے شاہ میکاڈو کی حکومت میں پولیس کا ایک حصہ تھا۔ جس کو (THOUGHT POLICE) کہتے تھے۔ اُس کا یہ فرض تھا کہ وہ ملک میں گفتار و کردار کے علاوہ افکار کا جائزہ لیتی رہے۔ یہی حال قادیانی میکاڈو کا تھا اور ربوہ میں جاری رہا۔ یہ بھی اپنی مملکت میں کسی کو نہ سوچنے دیتا تھا۔ نہ ہی کسی کو اجازت تھی کہ وہ آزادانہ طور پر تصنیفی یا تالیفی کام کرے۔ ان کے ہاں اس شعبے کو نظارتِ تالیف و اشاعت کہتے ہیں۔ بظاہر یہ کتنی معصوم اصطلاح ہے لیکن اس کا اوّلین فرض ہے کہ تالیف اور اشاعت پر قفل لگا دے۔ اگر اس کو نظارتِ تعزیر و احتساب کہا جاتا تو زیادہ صحیح ہوتا۔ قاعدہ یہ ہے "کہ تمام وہ لٹریچر جو احمدی احباب تصنیف کریں۔ اگر وہ کسی موضوع پر ہو تو محکمۂ تالیف و اشاعت میں احتساب کے لیے روانہ کریں اور محکمۂ مذکورہ بعد ملاحظہ و تصحیح ضروریہ کے بعد اسے اشاعت کے لیے منظور کرے۔ اور کوئی کتاب یا رسالہ بغیر محکمۂ مذکورہ کے پاس کرنے کے احمدیہ لٹریچر میں شامل

نہیں ہو سکتا۔ (الفضل - ۱۸ رمئی ۱۹۲۲ء)

# تعزیری اعلانات

"اسی طرح مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ نے بمنظوری حضرت خلیفۃ المسیح بذریعہ ریزولیوشن ۱۹۲۸ء یہ فیصلہ کیا تھا کہ سلسلہ کی طرف سے کوئی کتاب ٹریکٹ وغیرہ بغیر منظوری نظارت تالیف و اشاعت چھپنے اور شائع ہونے نہ پائے۔ اگر اس کے خلاف ورزی ہوئی تو اس کتاب کی اشاعت بند کر دی جائے گی۔" (الفضل - ۲۹ رجنوری ۱۹۳۳ء)

چنانچہ ان تجاویز پر عمل شروع کر دیا گیا۔ المبشر نام سے قادیان سے ایک رسالہ نکلتا تھا جس کے ایڈیٹر ایک مشہور قادیانی صحافی تھے۔ لیکن ریاست محمودیہ کے نزدیک بعض نقائص ایسے تھے کہ اُن کے ہوتے ہوئے "المبشر کو مرکز سلسلہ سے شائع کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی"۔ (الفضل ۲۸ راگست ۱۹۳۳ء)

اسی طرح اعلان کیا گیا کہ کتاب بیان المجاہد (جو مولوی غلام احمد سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ و تعلیم الاسلام کالج) نے شائع کی ہے کوئی صاحب اس وقت تک نہ خریدیں۔ جب تک نظارت دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے اس کی خریداری کا اعلان نہ ہو۔" (الفضل - ۱۰ رستمبر ۱۹۳۳ء)

ایک ٹریکٹ کے متعلق اعلان کیا گیا کہ "اس ٹریکٹ کو ضبط کیا جاتا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ جس صاحب کے پاس یہ ٹریکٹ موجود ہو وہ اسے فوراً تلف کر دیں۔ اور شائع کرنے والے صاحب سے جواب طلب کیا گیا ہے اور انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ جس قدر کاپیاں اس ٹریکٹ کی اُن کے پاس ہوں وہ سب تلف کر دی جائیں۔" (الفضل - ۷ ردسمبر ۱۹۳۳ء)

جب نظارتِ تالیف و تصنیف کو اس ٹریکٹ کی اشاعت کا علم ہوا تو اُس نے اُس کی اشاعت ممنوع قرار دے دی اور اُسے بحقِ جماعت ضبط کر کے

تلف کر دینے کا حکم دیدیا۔ نیز ٹریکٹ شائع کرنے والے سے جواب طلب کیا (الفضل ۴ر دسمبر ۱۹۳۴ء)
غور فرمائیے کہ اب ریاست کے مکمل ہونے میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے۔
خلیفہ کا اعلان۔ " اب تک تین رسالوں کو میں اس جرم میں ضبط کر چکا ہوں"۔
(الفضل۔ ۴ر مارچ ۱۹۳۶ء)

اس سلسلہ میں خلیفہ کی ریاست کی سیاست کا سب سے گندہ پہلو یہ تھا کہ جن کتب یا اخبارات کو ضبط نہیں کر سکتے یا کروا سکتے۔ ان کے متعلق اپنی "رعایا" یا مریدوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ جماعت اسے نہ پڑھے۔ کیا ایک مذہبی اور تبلیغی جماعت جس نے دوسروں تک اپنی بات پہنچانی ہوتی ہے۔ اُس کی طرف سے تعزیری اقدام اُس کے لیے باعثِ فخر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ روزنامہ "نوائے پاکستان" جو وقتاً فوقتاً خلیفہ کے متعلق بعض اہم حقائق کو منظرِ عام پہ لاتا رہتا تھا۔ خلیفہ نے اپنے ہوم سیکرٹری (ناظر امور عامہ) کے ذریعہ اس اخبار کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ اس سے پہلے جلسۂ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقعہ پہ اعلان ہو چکا ہے کہ حقیقت پسند پارٹی (یہ باہمت جوانوں کی باغی پارٹی تھی) کا شائع کردہ لٹریچر کوئی احمدی نہ پڑھے، بلکہ پھاڑ کر پھینک دے۔ یا خلیفہ کے ہوم سیکرٹری یا محکمہ حفاظت مرکز کے پاس بحفاظت پہنچا دے (الفضل ۷ر اپریل ۱۹۵۷ء)

خلیفہ محمود اپنے دارالخلافہ میں جس طرح لوگوں کو اپنی ریاست کا مطیع اور فرمان بردار بنا رکھتا تھا۔ باشندگانِ ربوہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے حاکمِ اعلیٰ ان کے "خلیفہ صاحب" ہیں۔ حکومت بھی ان کو "خلیفہ" کے چنگل سے نہیں بچا سکی۔ ان کے سامنے قادیان سے لے کر ربوہ تک کی مثالیں موجود ہیں کہ حکومتی نظام سنگین واردات کی کھوج لگانے میں ناکام رہا۔ اگر کھوج لگا سکا تو عدالت میں جا کر مقدمات فیل ہو گئے۔ اِن حالات میں قادیانی لوگ خلیفہ کو راعی اور اپنے آپ کو رعایا نہ سمجھیں تو کیا کریں۔ کیا ایسا منظر کسی باقاعدہ آئینی حکومت کو گوارا ہو سکتا ہے۔ لیکن ربوہ میں اس کو گوارا کیا جا رہا ہے۔

# خلیفہ جی کی خروجی تدابیر

سیاست کاری اور سیاست بازی" خلیفہ جی " کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ مذہب یا تو زیبِ داستان کے لیے تھا یا اس کا مصرف سیاست کی پردہ داری تھی۔ اگر بغور مطالعہ کیا جائے اور اُن کے اعلانات کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ محراب و منبر کے سیاق و سباق میں پناہ گزین ہو کر وہ سیاست کا کھیل کھیلتے تھے۔ وہ سیاست کی سربلندیوں سے سرفراز تو ہونا چاہتے تھے مگر اس کی ابتلاء۔ انگریزوں کے حریف نہیں ہو سکتے تھے اس واسطے اُن کا نظریہ خروج پہلو دار باتوں میں ملفوف ہو کر ان کے مُریدوں کے سامنے آتا ہے۔ مثلاً وہ اکثر کہا کرتے تھے

"ہم قانون کے اندر رہتے ہوئے اس کی رُوح کو کچل دیں گے"

ایسے ہی مقاصد کے لیے یہ دفترِ امورِ عامہ ایسے احمدی افسران جو گورنمنٹ یا ڈسٹرکٹ بورڈوں یا فوج یا پولیس۔ سول، بجلی، جنگلات، تعلیم وغیرہ کے محکموں میں کام کرتے ہیں۔ ان کے مکمل پتے مہیا رکھتا ہے۔"

(الفضل۔ ۸ر نومبر ۱۹۳۲ء)

## خلیفہ جی کی سیاست حکومت کی سیاست سے افضل تھی

کبھی ان پر سیاست کا ایسا جنون مسلط ہو جاتا تھا کہ وہ حزم واحتیاط

کے سارے پردے چاک کر کے برملا کہہ دیتے تھے:۔

"پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم میں سیاست نہیں وہ نادان ہیں وہ سیاست کو سمجھتے ہی نہیں۔ جو شخص یہ نہیں مانتا کہ خلیفہ کی بھی سیاست ہے وہ بیعت ہی کیا کرتا ہے اُس کی کوئی بیعت نہیں۔ در اصل بات تو یہ ہے کہ ہماری سیاست گورنمنٹ کی سیاست سے بھی زیادہ ہے۔ پس اس مسئلہ کو اگر میں نے بار بار بیان نہیں کیا تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ میں نے اس سے جان بوجھ کر اجتناب کیا۔ آپ لوگوں کو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ سیاست بھی ہے اور جو شخص یہ نہیں مانتا وہ جھوٹی بیعت کرتا ہے۔"

(الفضل۔ ۳ر اگست ۱۹۳۶ء)

اسی ضمن میں خرد جی ۶۰ائم کو یوں بے نقاب کر جاتے تھے:۔

# حکومت پر قابض ہونے کے ۶۰ائم

"میرا یہ خیال ہے کہ ہم حکومت سے صحیح تعاون کر کے جس قدر جلد حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں عدم تعاون سے نہیں۔ اگر ہم کالجوں اور سکولوں کے طلباء کے اندر یہ رُوح پیدا کر دیں تو جوان میں سے ملازمت کو ترجیح دیں وہ اس غرض سے ملازمت کریں کہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچائیں گے تو یہ لوگ چند ماہ میں ہی حکومت کو اپنی آزاد رائے اور بے دھڑک مشورے سے مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ہندوستانی نقطۂ نگاہ کی طرف مائل ہو بے شک ایسے لوگوں کی ملازمت خطرہ میں ہو گی مگر جب یہ لوگ ملازم ہی اس خطرہ کو مدِ نظر رکھ کر ہوتے ہوں گے ان کے دل اس بات سے ڈریں گے نہیں۔ دوسرے کوئی گورنمنٹ ایک

وقت میں ہزاروں لاکھوں ملازموں کو اس جرم میں الگ نہیں کر سکتی کہ کیوں سچائی سے اصل واقعات پیش کرتے ہو۔ اگر پولیس کے محکمہ پر ہی ایسے حب الوطنی سے سرشار لوگ قبضہ کر لیں تو حکومتِ ہند میں بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے۔"

(الفضل۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۲۵ء)

ربوہ میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔

## مستورات کی چھاتیوں میں خفیہ دستاویزات کا باندھنا

جب اس شاطرِ سیاست کے خفیہ اڈوں پر حکومت چھاپہ مارتی تھی تو یہ اسلحہ اور کاغذات کمال ہوشیاری سے زیرِ زمین دفن کر دیتا تھا۔ قادیان کی سرزمین میں فسادات کے موقع پر احمدی نوجوانوں اور سابق فوجیوں کے ہاتھوں جو ماڈرن اسلحہ مہیا کیا اور اُن کی فوجی گاڑیاں حرکت میں آئیں تو اُس پر حکومت کی جانب سے یکدم چھاپا پڑا۔ جس کی اطلاع قبل از وقت خلیفہ کو نہ ہو سکی کیونکہ وہاں احمدی سی۔ آئی۔ ڈی ناکام رہی۔ لیکن خلیفہ کی اپنی اہرمنی فراست اُن کے کام آئی کیونکہ جب پولیس سر پہ آگئی۔ تو "اُس مقدس، پاکباز، ملہم، مصلح دوران" نے اپنی مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات باندھ کر کوٹھی دارالسلام (قادیان) بھجوادیں اور قادیانی فوجیوں نے فوراً اسلحہ زیرِ زمین کر دیا۔

## ۱۹۵۳ء میں اسلحہ کا اِخفا

۱۹۵۳ء کے فسادات اور پھر مارشل لاء کے اختتام پر جب گورنمنٹ نے

یہ فیصلہ کیا کہ ربوہ کے فوجی اور ربوی پولیس کے دفاتر اور قصر خلافت پر چھاپہ مارا جائے تو یہ خبر دو دن قبل ربوہ پہنچ گئی۔ خفیہ اور ضروری کاغذات جن پر خلیفہ صاحب کے دستخط تھے۔ ان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ تلف کر دیا گیا اور دوسرا حصہ جناب ایکسپریس پر سندھ روانہ کر دیا گیا۔ جب پولیس دفتر کی تلاشی لے رہی تھی۔ خفیہ کاغذات قادیانی اسٹیٹوں میں چھپائے جا رہے تھے۔

خلیفہ صاحب ہر اس فرد کو بغاوت کا حق دیتے تھے جس نے دل سے اور عمل سے حکومتِ وقت کی اطاعت نہ کی ہو۔ ایک دفعہ کسی شخص نے خلافت مآب سے پوچھا کہ جس ملک کے لوگوں نے کسی حکومت کی اطاعت نہ کی ہو کیا انہیں حق ہے کہ وہ اس حکومت کا مقابلہ کرتے رہیں تو ارشاد ہوا کہ:۔

"اگر کسی قوم کا ایک فرد بھی ایسا باقی رہتا ہے جس نے اطاعت نہیں کی نہ عمل سے نہ زبان سے تو وہ آزاد ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر کے مقابلہ کر سکتا ہے"۔

(الفضل - ۱۹ ستمبر ۱۹۳۴ء)

پھر فرماتے ہیں:۔

"اگر تبلیغ کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کی جائے تو ہم یا تو اس ملک سے نکل جائیں گے یا پھر اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے تو پھر ایسی حکومت سے لڑیں گے"۔

(الفضل - ۱۳ نومبر ۱۹۳۵ء)

یعنی ایک حکومت میں رہ کر اس کے متعلق "اعلانِ جنگ" کے مواقع اور ان پر غور سب کچھ ہو سکتا ہے۔

ان اقتباسات سے بالکل عیاں ہے کہ خلیفہ جی اپنے جماعت کے ذہنوں میں اسی جنون کی پرورش کر رہے تھے جو اُن کے اپنے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔ انہوں

نے ربوہ کو اپنی کمین گاہ بنا رکھا تھا۔ اور اسی تاک میں بیٹھے تھے کہ کب وطنِ عزیز میں انتشار ہو اور وہ اس سے فائدہ اُٹھا کر اقتدار کی گشتوں پر قابض ہو کر ملک کے حکمران بن جائیں۔ وہ فرماتے تھے کہ:-

"قبولیت کی رَو چلانے کے لیے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

(الفضل۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۳۶ء)

ان کا اپنا قول ہے کہ:-

"پنجاب جنگی صوبہ کہلاتا ہے۔ شاید اس کے اتنے یہ معنی نہیں کہ ہمارے صوبہ کے لوگ فوج میں زیادہ داخل ہوتے ہیں جتنے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے صوبہ کے لوگ دلیل کے محتاج نہیں بلکہ سونٹے کے محتاج ہیں۔" (الفضل۔ ۲۷ر جولائی ۱۹۳۶ء)

گویا خلیفہ صاحب معزب کی پالیٹکس کے قائل تھے۔ لیکن کیا کریں:-

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

چنانچہ محکومی کی حالت میں بھی خارجی حکومتوں سے ساز باز کے متمنی تھے اور اُس کی تلقین بھی کرتے تھے۔ مثلاً یہ فرمایا:-

"کہ کوئی قوم دُنیا میں بغیر دوستوں کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لیے اس سے زیادہ مجرم اور کوئی قوم نہیں ہو سکتی جو اپنے لیے دشمن تو بناتی ہے مگر دوست نہیں۔ کیوں کہ یہ سیاسی خودکشی ہے۔"

(الفضل ۱۸ر جون ۱۹۳۶ء)

## دشمنوں کے حلیف بننے کی سعی

اب پاکستان میں رہتے ہوئے اس کے دشمنوں کے حلیف بننے کی کوشش

کیوں نہیں کریں گے۔ چاہے اُس کی کوئی بھی صورت ہو۔ مثلاً وہ راز افشاء کر کے پاکستان کے دشمنوں کے دلوں میں جگہ پیدا کرنے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔ انہوں نے فوج کے ایک کرنل کی طرف یہ منسوب کیا کہ اُس نے دورانِ گفتگو میں ان سے یہ کہا کہ "

"حالات پھر خراب ہو رہے ہیں۔ لیکن اس دفعہ فوج آپ کی مدد نہیں کرے گی۔"
(الفضل۔ ۸ر مارچ ۱۹۵۶ء)

جب اخبارات میں اس قابلِ اعتراض بات پر تبصرے ہوئے تو خلیفہ جی کے ایما سے ان کی وہی تقریر دوبارہ شائع ہوئی اور اُس میں سے وہ فقرہ حذف کر دیا گیا جس میں فوج کی طرف اشارہ تھا۔ تردید کرنے کی اخلاقی جرأت نہ تھی ہاں قانون سے بچنے کا حیلہ نکال لیا۔

# قادیانی خلافت کا کاغذی پیرہن

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بُو لہبی

## ابلیسی تلبیس کاریاں

معصیت منظم ہو کر غیر منظم معصومیت پر کس طرح غالب آجاتی ہے۔ اس کی عبرت ناک مثال قادیانی نظام ہے۔ اس نظام کا بطن اور مغز جذام کا شکار ہو چکا ہے۔ لیکن خود ساختہ خلیفہ اور اس کے حواریوں نے محض تنظیم کے زور سے مکائد کو عقائد کا رنگ دے رکھا تھا اور "بایزیدی" اصطلاحوں سے "یزیدی خلافت" کو استوار کیا ہوا تھا۔ "خلیفہ جی" نے اپنے اخلاقی جرائم کو ان کی خوارقِ عادت سنگینی میں مستور کر رکھا تھا۔ مُریدوں کی نفسیاتی بے بسی "عقیدت" متصور ہوتی ہے۔ مسلم معاشرے سے منقطع ہو کر وہ بیچارے مجبور ہیں کہ "عمرو عیار" کو حضرت عمر فاروقؓ سے افضل سمجھیں (توبہ نعوذ باللہ) اور اپنی عاقبت خراب کریں۔ ایک سانس میں اس کو (HIS — HOLINESS) کہہ کر کلیسائی شرک کا اعتراف کرتے تھے۔ اور دوسری سانس میں اسلام کا دم بھرتے تھے۔ "خلیفہ جی" نے الہام تراشے تاکہ مسئولیت سے نجات حاصل کریں۔ خوابوں کے انبار لگا دیے ........ تاکہ مُریدوں پر خواب گراں مسلط ہو جائے۔ جہاد کی تعلیم کو ساقط کیا تاکہ برطانوی سامراج

کے ساتھ تعاون اور استحکامِ وطن سے گریز کا جواز نکل آئے۔

## پاکستان میں فتنے کا آغاز

پاکستان کی تشکیل "خلیفہ قادیان" کے عزائم کے لیے پیغام اجل ثابت ہوئی۔ تقسیم ملک کے فیصلے کے ساتھ ہی اُس نے اعلان کیا کہ وہ خدا کے ساتھ عہد کر چکے ہیں کہ وہ قادیان کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس اعلان کی خوب اشاعت ہوئی۔ لیکن ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہی ہندو سادھو کا روپ دھار کر پاکستان میں پناہ گزین ہو گئے۔ لیکن کسی قادیانی کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ اُن کے خلیفہ صاحب خدا کے ساتھ بدعہدی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ اُن کی "دینی فراست" خلیفہ کی خوابناک تربیت سے مفلوج ہو چکی تھی۔ وہ اُن کے فرار کو بھی قرار ہی سمجھتے تھے اور زبانِ حال سے کہتے تھے قُلُوبُنَا فِیْ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَا۔

پاکستان میں خلیفہ محمود نے اپنی سیاست کا چکر چلایا۔ پاکستان کی معیشت معاشرت اور آئین پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جس کا مقصد مسلمانوں پر قنوطیت طاری کرنا تھا۔ جب ایک پڑھے لکھے احمدی سے کسی نے لیکچروں کے بارے میں استفسار کیا تو اُس نے جواب میں کہا "ہمارا بابر سلطنت کی تلاش میں ہے"۔

## لُعبتِ چین

پریس کو ماؤف کرنے کے لیے ہفت روزہ پریس کانفرنسوں کا چکّر چلایا اور کشمیر جیسے اہم مسئلے کو لعبتِ چین بنا کر اس سے تلعب کرنا شروع کیا۔ اور اپنی قیادت کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے بڑی افترا پردازیاں کیں۔ یہ راز بھی افشا ہو گیا اور اُن کے متضاد بیانات پر پریس میں کڑی نکتہ چینی ہوئی۔ مرکزی حکومت نے تعزیر کی دھمکی دی۔ اس پر "اللہ کا بنایا ہوا" خلیفہ اخبارات میں

اعتذار کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

قائداعظم کی وفات پر اپنے مُریدوں کو نمازِ جنازہ میں شرکت سے حکماً روک دیا۔ مرکزی حکومت نے اپنی ناقابلِ فہم مصلحت کی بنا پر اس سنگین کارروائی پر پردہ ڈال دیا۔ مسلمانوں کے دلوں کے اندر آگ سُلگتی رہی۔ اس سکوت سے شہ پا کر خلیفہ صاحب نے ایک لیکچر میں (REUNION) کا کھُلے بندوں ذکر کر دیا۔ اس پر صوبائی حکومت نے تنبیہ کی اور خلیفہ صاحب نے معافی مانگ کر پنڈا چھڑایا۔

## ربوہ میں شکمی ریاست کی تاسیس

انگریز گورنر سر مُوڈی نے اپنے "خود کاشتہ پودے" کو خطرہ میں دیکھ کر اُس کو کوڑیوں کے مول ایک وسیع عریض خطۂ زمین عطا فرمایا اور قادیانیت کے فتنے کو پنپنے کا موقع دیا۔ اگر یہ جماعت لاہور یا کسی اور شہر میں منوطن کی جاتی تو شہر کی وسعتیں اور عمرانی تقاضے اس فتنے کو تھوڑے عرصے میں ختم کر دیتے۔ لیکن ربوہ کے نئے مسکن میں اس عمرانی فتنے کو فروغ ملنا شروع ہوا۔ قادیان سے بڑھ کر اُس کو فضا ساز گار نصیب ہوئی۔ کیونکہ اس آبادی میں سوائے قادیانیوں کے اور کوئی نہیں۔ اس واسطے خلیفہ محمود کی شکمی ریاست ربوہ میں پھلنے پھولنے لگی۔ اس کے زمانے میں اس میں نہ کوئی پولیس کی چوکی تھی اور نہ حکومت کی طرف سے کوئی تعزیری نظام تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے پھر سے افتراق انگیزیاں شروع کر دیں۔ ۱۹۵۰ء کے سالانہ جلسے پر انہوں نے سارے پنجابی پولیس کو ابوجہل کہہ کر پکارا اور پیش گوئی کی کہ عنقریب صحابی اُن کے پاؤں پر لا کر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور حکومت کی زرعی اصلاحات کے خلاف جی بھر کر زہر اُگلا۔ اور ایک کتاب شائع کر کے اپنے مبلغِ علم کا راز طشت از بام کیا۔ قرآن کریم کی بعض آیات سے ذاتی ملکیت کا جواز

ثابت کیا - حالانکہ ۱۹۴۲ء میں اپنی نام نہاد تفسیر کبیر میں انہی آیات سے قومی تبلیغ ثابت کر چکے تھے - ملک کے آئین کو اسلامی طرز پر تشکیل دینے کے خلاف جدوجہد شروع کر دی - یہ اُس شخص کا حال ہے جو خدا سے "الہام" پانے کا مدعی تھا -

## ۱۹۵۳ء کے واقعات کے محرکات

ربوہ میں بیٹھ کر کئی کئی انداز سے خلیفہ محمود نے اسلامی معاشرے میں شگاف ڈالنے کی کوششیں کیں - شریعت اسلامی کو اپنی الحادخیز تفسیروں کو چھپانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا - انہی مساعیٔ سیئہ کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۵۳ء میں لاوا پھوٹ پڑا جو عرصہ سے اندر ہی اندر کھول رہا تھا - اُس وقت کی حکومت کی مصلحت بینیوں نے معاملہ کو دگرگوں کر دیا - حکومت اس فریب میں مبتلا تھی کہ قادیانی جماعت مذہبی جماعت ہے - اُس کی نظر ربوہ کی شکمی ریاست کی ریشہ دوانیوں پر نہ پڑی - اس بے بصری سے صوبہ بھر میں معرکۂ کارزار گرم ہوگیا - اور کئی خاندان بے چراغ و بے سراغ ہو گئے - اس پر پردہ ڈالنے کے لیے حکومت نے ایک ٹربیونل مقرر کیا تاکہ صحیح مسئلہ نظروں سے اوجھل ہو جائے - اس میں جو کچھ ہوا وہ لوگوں کے سامنے ہے - قادیانیت کی سرکوبی تو نہ ہوئی لیکن خلیفہ محمود کے اپنے بیان سے ثابت ہوگیا کہ وہ سیاسی زیادہ اور مذہبی کم تھا - اس لیے وہ اس حفاظت کے مستحق نہیں تھا جو مذہبی جماعتوں کو دی جاتی ہے - انہوں نے ایک ابتلاء سے بچنے کے لیے اپنے ان تمام عقائد سے ارتداد کا اعلان کر دیا جن سے معمولی انحراف پر خلافت مآب اپنے مریدوں کو شدید سزائیں دیا کرتے تھے بلکہ ان کو جماعت سے خارج کر دیا کرتے تھے - انہوں نے کھلے بندوں کہا کہ احمدیت کے بانی کو ماننا جزوِ ایمان نہیں - ماننا اُس پر لازم ہے جو اُن کے دعاوی کو صحیح سمجھتا ہے - گویا خلیفہ صاحب کا دین لوگوں کی صوابدید پر موقوف ہے -

انھوں نے مسلمانوں کے جنازوں کے مقاطعہ پر بھی نظرِ ثانی کا اعلان کیا۔ کیونکہ اس کی تردید میں اُن کو بانئ جماعت کی تحریر بیالیس سال کے بعد مل گئی تھی وہ ٹربیونل کے سامنے اپنے عقائد کی ترمیم و تنسیخ سے حفظِ جان کا سامان کر رہے تھے۔ اُدھر ساری جماعت ضغطِ دم (BLOOD PRESSURE) میں مبتلا تھی۔ بقول شاعر ؎

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دُھن تراشتے رہے
اُدھر نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

قادیانیوں کا قلیل ہوشمند گروہ اسی وقت بھانپ گیا کہ "حضور" کو اپنی جان مذہب سے زیادہ پیاری ہے۔ دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد صرف مُریدوں کے لیے ہے۔

## ایک دلچسپ واقعہ

اس ارتداد پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ کراچی میں پاکستان کے ایک مشہور صحافی نے (جو ایک قادیانی گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے عمر کا کثیر حصّہ احمدی رہ چکے تھے) خلیفہ صاحب کو اس ارتداد پر مبارک باد دی۔ اس کے جواب میں خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ محض رفع شر کے لیے انھوں نے جنازوں کی حُرمت کے حکم کو نرم کیا ہے۔ ورنہ ان کا مسلک پہلے والا ہے۔ انھوں نے اپنے مُریدوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ جنازوں میں اسی طرح جا کر کھڑے ہو جائیں جس طرح راشن ڈپوؤں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کو نماز کے الفاظ کی قرأت نہیں کرنی چاہیے تاکہ وہ محض قطار بندی ہو کر رہ جائے۔ اس پر اُس (سابق قادیانی) اور اب نامور پاکستانی صحافی نے کہا کہ وہ اس مداہنت سے کس کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اپنی جماعت کو یا مسلمانوں کو، یا خدا کو؟ اس تبصرے پر خلیفہ جی صرف زیرِ لب شرمندۂ گوش سماعت ہو کر رہ گئے۔ اس واقعہ سے خلیفہ محمود کے اسلوب کار پر روشنی پڑتی ہے کہ

وہ عبادت کو بھی بازیچۂ اطفال ہی سمجھتے تھے۔ اور ہماری حکومت محض ایک دھوکہ میں اسیر رہی کہ یہ ایک مذہبی جماعت ہے، خلیفہ محمود نے دوسرے ممالک میں مساجد کی تعمیر کی مہم محض دوسرے ممالک کی کرنسی حاصل کرنے کے لیے شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ اُن کے دل میں نماز کا وہی احترام ہے جو مندرجہ بالا واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، چند مریض قسم کے لوگوں کے لیے متعدد "مساجد" کی کون سی اشد ضرورت تھی۔ جب کہ اُن کے اعلان تبلیغ سے جلب زر ہی مقصود تھا

جماعت کا فہیم حصّہ خلیفہ محمود کے عزائم سے آشنا ہو چکا تھا۔ اُن پر آشکارا ہو چکا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانے پر تُلے بیٹھے ہیں اور ربوہ کا سارا نظام محض سیاسی ہے۔ اس پر مذہب کا لیبل حکومت کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے کے لیے لگا رکھا تھا۔ ورنہ ایک مذہبی جماعت کو فوج، پولیس اور کارِ خاص کا نظام، تعزیر و احتساب اور عمرانی مقاطعہ کے لیے دفاتر جاری کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ خلیفہ صاحب کی شکمی ریاست کا نقشہ پہلے صفحات پر پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اربابِ بست و کشاد کی بے خبری اور بے علمی کا راز طشت از بام ہو جاتا ہے۔

**حکایتِ جنوں** | یہ فتنہ جو اپنے اندر "آدمی کی خانہ ویرانی" کے سارے سامان رکھتا ہے۔ اپنے استیصال کے لیے حکومتی اقدام کا محتاج نہیں۔ بلکہ یہ فطری تپش سے ہی خاکستر ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کے سارے آثار اب پیدا ہو چکے تھے۔ خلیفہ محمود ایک عرصہ سے دماغی ہذیان اور قلبی بحران میں مبتلا ہو گئے تھے کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اپنے بڑھتے ہوئے نسیان اور روز افزوں ضعفِ بصارت کا ذکر کیا تھا۔ اب یہ کیفیات ان کی نمازوں میں جلوہ گر ہونے لگ گئی تھی

کیونکہ وہ بار بار آیات بھول جاتے تھے اور جو عجلت کرتے تھے اُس سے تو نماز کی نفی ہو جاتی تھی۔ اِس پر قادیانی مُہر بلب رہے اور عبادات کی صریح توہین پر پردہ ڈالنے کا اعلان ہوتا رہا کہ "تفسیرِ کبیر" کو "تفسیر صغیر" میں منتقل کرنے کی مصروفیت اور مشقت سے "حضور" پر نقاہت طاری رہتی ہے۔

جنوں کا آغاز جانشینی کا "سٹنٹ" کھڑا کرنے پر ہوا۔ جب ایک بُزِ اخفش کو اپنا حریف قرار دے کر وہ وہ افسانے تراشے کر جماعت بحران میں مبتلا ہو گئی۔ جب کہ حریف نے اپنے گوسفندانہ رویّے اور شانِ مغروری سے اپنی بے حیثیتی کو بے نقاب کر دیا۔ "خلیفہ صاحب" ناوک افگنیوں سے اپنے نظام کو ہی چھلنی کرتے رہے اور ربوہ کے قادیانی حضرات یہ کہنے لگ گئے۔

تمہیں رہبر سمجھنا پڑ گیا ہے
ہماری بے بسی کی انتہا ہے

جماعت سے باہر قادیانیت کی ساکھ اتنی گر گئی کہ صوبائی حکومت نے بھی قادیانی ملازمین کو احتیاط کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور اہل علم کی نفرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی مجلسی مذاکرہ میں اُن کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ حتّٰی کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کا نام سے بھی پروگرام سے حذف کر دیا گیا تھا۔ کیا یہ حقیقت زوالِ قادیانیت کی دلیل محکم نہیں؟ اب بقول حضرت علّامہ اقبالؒ الحاد کا قافلہ سکرات کی آخری منزل میں ہے سے

تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عُروج
موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

۱۹۵۸ء کے سالانہ جلسے سے غیر حاضر اور حاضرین کی نگاہوں سے مستور

ہونا اور اس کی بے ربط لکنت آمیز اور غیر واضح تقریریں روز افزوں زوال کی غمازی کر رہی تھیں لیکن حکومت کے خلاف اپنی وعید کا اعلان کیا۔ مسٹر چندریگر کی گورنری سے سبکدوشی اور وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ کو اپنی دعاؤں کا کارنامہ قرار دیا۔ مسلمانوں میں قادیانیت کی تبلیغ پر زور دیا۔ آئندہ انتخابات پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا۔ اور بھارت پر فتح پا کر قادیان کو قبضے میں لینے کا پُر زور دعویٰ کیا۔ بقول حضرت علامہ اقبالؒ ؎

رکھ دیے مُرجھائے ہوئے پھول قفس میں
شاید کہ گوارا ہو اسیروں کو اسیری

---

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ فرماتے تو ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے

# میں نے مرزائیت کیوں چھوڑی

ازقلم

(سابق قاضی) خلیل احمد صدیقی سابق متعلم جامعہ احمدیہ ربوہ (جھنگ)

(ماخوذ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ
لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ

**عرض مدعا** معزز حضرات! میں اپنا یہ مختصر سا بیان شائع کر رہا ہوں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ قادیانیت یعنی کاذبیت دراصل عیاش لوگوں کا ایک منظم گروپ ہے۔ جس میں بھولے بھٹکے نادان اور ناسمجھ لوگوں کو پھنسا کر چندے بٹورے جاتے ہیں اور اسی چندے سے عیاشیاں کی جاتی ہیں۔ خدا کرے کہ میرا یہ

بیان پڑھ کر گم کردہ راہ اور بھولے بھٹکے انسان راہ راست پر آجائیں نیز وہ لوگ جو غلام احمدیوں کے دھوکے دھکے میں پھنس کر اپنے پیارے سچے اور حقیقی دینِ اسلام سے منحرف ہوکر اپنی ایمانی دولت لٹا کر کافر بننے کے لیے پر تول رہے ہوں اگر وہ لوگ بھی سچے دل سے میرے بیان کی صداقت پر غور کریں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اُن پر قادیانیت کی قلعی کھل جائے گی۔ خاکسار کامل یقین سے عرض کرتا ہے کہ وہ لوگ ضرور راہ مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے۔ اور اخلاق سے گرے ہوئے شخصوں کو "مصلح موعود" اور "فضلِ عمر" وغیرہ کہنا چھوڑ دیں گے جو اپنی ازلی ضلالت سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔

## میرا خاندان

قارئین کرام! یہ عاجز ایک با اثر قادیانی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ جس کے خاندان کے اکثر افراد نے قادیانیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں اور انگریزوں کے ایجاد کردہ مذہب کی خوب تبلیغ و اشاعت کر رہے ہیں۔ ان کا قادیانی جماعت میں کافی اثر و رسوخ ہے اور وہ اسی جماعت کے سربراہ کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ خاکسار کو بھی اُن کی طرح مرزائیت کی تبلیغ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ میرے شوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میرے والد جناب قاضی محمد صادق صاحب نے مجھے اشاعت و خدمت دین کے لیے وقف کر کے ربوہ روانہ کر دیا۔ چنانچہ خاکسار کو مرزا طاہر احمد صاحب ابن خلیفہ محمود احمد ربوہ نے اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے اسی غرض سے داخل کروایا۔

## قصرِ خلافت میں باریابی

خاکسار کا جامعہ احمدیہ میں داخل ہونا اور پھر خاص زیرِ سرپرستی میاں طاہر احمد صاحب ہیں یہ ایک خدائی مصلحت تھی۔ ربوہ میں میری ملاقات صاحبزادہ نعیم احمد صاحب سے ہوگئی۔ اور آہستہ آہستہ اُن کے ساتھ میرے تعلقات

کافی گہرے ہو گئے حتیٰ کہ مجھے اُن کے ساتھ قصرِ خرافات میں بھی آنے جانے کا شرف حاصل ہونے لگا۔ قصرِ خرافات میں آنے جانے کی وجہ سے خلیفہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے بھی اس عاجز انسان پر کافی مہربان تھے لیکن بعض اوقات ان کی غیر معمولی ہمدردی اور غیر معمولی محبت باعثِ حیرت ہوتی تھی۔

## رنگین و سنگین تماشے اور میری پریشانی

کچھ عرصہ بعد خاکسار کو قصرِ خرافات کے ماحول میں بعض رنگین و سنگین واقعات نظر آئے مگر اندھی عقیدت کے نشے میں سرشار ہونے کی وجہ سے خاکسار خوش فہمی کی وجہ سے جنت الحمقاء میں پڑا رہا ۔ لیکن پھر بعض ایسے واقعات رونما ہوئے کہ مجھ پر اصل حقیقت عیاں ہونے لگی۔ اگر میں پھر بھی اُن واقعات کی جو حقیقت میں صحیح تھے، محض اندھی عقیدت کی بنا پر غلط تاویلیں کرتا رہتا تو یقیناً میری نظروں میں دُنیا کی کوئی حقیقت "حقیقت" نہ رہتی ۔ چنانچہ یہ عاجز گناہ کار (خدا معاف کرے) عرصہ چھ ماہ تک اپنے ضمیر کو کچلتا رہا۔ پاک عصمتوں، عزتوں اور ناموسوں کو اپنے سامنے لٹتے ہوئے دیکھتا رہا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی جماعت کی بدنامی اور اپنی جان کے خوف سے حقیقت ظاہر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

لیکن افسوس وہ ظالم بھی اپنے اس "کسب" سے باز نہ آئے ۔ جو بظاہر تقدس کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، متواتر معصوم و پاک عزتوں سے ہولی کھیلتے رہے، گند اُچھالتے رہے اور دوسروں کو بھی اس جرمِ عظیم و گناہ کبیرہ میں زبردستی شریک کرتے رہے ۔ اس دوران میں میری نظر سے مرزائیوں کی لکھی ہوئی چند کتابیں گذریں "مُریدین کے الزامات" (مصنفہ مولانا محمد علی) دَورِ حاضر کا مذہبی آمر اور "تاریخِ محمودیت"

## ہدایت کی پہلی کرن

اُن کتابوں میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ خلیفہ صاحب یعنی مرزا محمود احمد ابن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایک سیاہ کار دھوکہ باز اور عیاش انسان ہے اور مذہب کے لیبل پر دادِ عیش و عشرت دیتا رہتا ہے۔ اِن کتابوں میں تقریباً تیس حلفیہ شہادتیں موکد بعذاب قسموں سے درج ہیں اور ہر ایک شہادت دہندہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلیفہ صاحب نے اس کے ساتھ معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ خلیفہ صاحب نے فلاں کے ساتھ بھی ایسا کیا ہے اور خلیفہ صاحب نے مجھ سے یا فلاں سے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور ہر ایک شہادت دہندہ نے بالمقابل خلیفہ محمود سے مباہلہ کرنے کی دعوت دی ہے لیکن خلیفہ صاحب مباہلہ کے چھ حرفی لفظ سے کچھ اس طرح دہل گئے کہ اُن کے منہ سے اگر کچھ نکلتا ہے تو فقط "بِلّا" ہی نکلتا ہے جو آج کل اُن کا تکیہ کلام جنوں کی وجہ سے بن گیا ہے۔ میں مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ان کتابوں میں سے چند شہادتیں درج کرتا ہوں۔ یہ تمام کتابیں قابلِ مطالعہ ہیں۔

## چند شہادتیں

شہادت نمبر۱ - میں اپنے علم مشاہدہ اور رؤیت عینی و آنکھوں دیکھی بات کی بنا پر خدا کو حاضر ناظر جان کر اُس پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے خود اپنے سامنے اپنی بیوی کو غیر مرد کے سپرد کیا۔ اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔ اس بات پر میں مرزا بشیر الدین کے بالمقابل حلف اُٹھانے کو تیار ہوں۔ محمد یوسف ناز معرفت عبد القادر تیرتھ سنگھ بے ہوائی روڈ عقب شالیمار ہوٹل۔

شہادت نمبر۲ - مرزا گل محمد صاحب مرحوم کی دوسری بیوہ چھوٹی بیگم نے مجھے بیان کیا کہ خلیفہ صاحب کو مَیں نے اپنی آنکھوں سے اُن کی صاحبزادی

اور بعض دوسری عورتوں کے ساتھ دوچار ہوتے دیکھا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ "حضرت خلیفہ صاحب" سے عرض کی، حضور یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قرآن اور حدیث میں اس کی عام اجازت ہے۔ البتہ اس کو عوام میں پھیلانے کی ممانعت ہے (نعوذ باللہ من ذالک) میں خدا کو حاضر ناظر جان کر تحریر کر رہی ہوں۔ شاید میری مسلمان بہنیں اور مسلمان بھائی اس سے کوئی سبق حاصل کریں۔

فقط۔ سیدہ ام الصالحہ بنت سید ابرار حسین سمن آباد۔ لاہور

شہادت نمبر ۳۔ مصری عبدالرحمٰن صاحب کے بڑے لڑکے حافظ بشیر احمد نے میرے سامنے قرآن شریف ہاتھ میں لے کر یہ لفظ لکھے "خدا تعالیٰ مجھے پارا پارا کر دے۔ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں کہ موجودہ خلیفہ صاحب نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر یہ واقعہ لکھ رہا ہوں"۔

بقلم خود محمد عبداللہ احمدی سیمنٹ و فرنیچر ہاؤس مسلم ٹاؤن لاہور۔

قارئین کرام! یہ واقعات اور اسی قسم کے کئی اور واقعات جو مذکورہ بالا کتب "دورِ حاضر کا مذہبی آمر۔ ربوہ کا پوپ۔ کمالاتِ محمودیہ سے لیے گئے ہیں۔ جب میں نے یہ واقعات ان کتب میں پڑھے تو خلیفہ صاحب کے اپنے شعر ؎

کیا بتاؤں کس قدر کمزوریوں میں ہوں پھنسا
سب جہاں بیزار ہو جائے جو ہوں میں بے نقاب

کی تشریح ہو گئی۔ پہلے میں حیران تھا کہ خلیفہ صاحب کے اندر آخر وہ کون سی ایسی کمزوریاں ہیں جن کے بے نقاب ہونے سے سب جہاں ان سے بیزار ہو جائے گا۔ اور نفرت کرنے لگے گا۔ کتاب مذکورہ کے پڑھنے سے یہ راز بھی طشت از بام ہو گیا۔ صاجزادوں اور اہل خانہ کے حالات تو مجھے ذاتی طور پر معلوم ہی تھے۔ لیکن خلیفہ صاحب کی یہ "پاکیزہ سیرت" میری نظر سے گذری تو بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا کہ ؎

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

## کیا بتاؤں کیا کیا دیکھا

حضرات! میری غیرت مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں وہ تمام واقعات منظر عام پر لاؤں، اور انہیں قلمبند کروں جو نہایت ہی گندے اور اخلاق سے گرے ہوئے ہیں ہاں اگر صاحبزادے اصرار کریں گے تو مجھے وہ واقعات جو میں نے آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شائع کردوں گا۔ نیز کوئی صاحب "خاندان نبوت" کے پوشیدہ واقعات جاننا چاہیں تو وہ مجھ سے خود آکر ملیں۔ میں اِن شاء اللہ تعالیٰ اُن کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے وہ واقعات اپنی زبانی ہی عرض کردوں گا اور اگر کوئی صاحب مرزائیت کے متعلق اعتقادی مسائل پر گفتگو کرنا چاہیں تو وہ میرے استاذی المکرم حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے ملاقات کریں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اُن کے تمام شکوک رفع ہوجائیں گے اور مرزائیت کا طلسم ہوشربا اُن کے سامنے مٹی کے کھلونے کی طرح چور چور ہو جائے گا۔ سو میں عرض کر رہا تھا کہ جب مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ ؎

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

## تنفّر اور بیزاری

تو میرے دل میں قادیانیت کی وہ قدر اور عزت نہ رہی۔ میں نے سوچا جو لوگ خود گمراہ ہوں اور گناہوں کے عمیق سمندروں میں غرق ہوں " آنکہ خود گم است کرا رہبری کند " وہ دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے ؟ وہ لوگ کس طرح "مصلح موعود" کی اولاد اور اس کے باپ کی اولاد خود مصلح ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے باپ دادا کا مذہب کس طریقے سے سچا ہو سکتا ہے ؟ میں نے ان تمام سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے یہ ہی آسان اور صحیح طریقہ سوچا کہ سلسلہ (جماعت احمدیہ) کا لٹریچر اچھی طرح پڑھنا چاہئے اور اس پر غور کرنا

چاہیے۔ چونکہ میرے دل میں صاحبزادوں کے حالات دیکھ کر ویسے بھی نفرت ہو گئی تھی۔

## شرمناک اڈا

لیکن جب خود خلیفہ محمود کے حالات نظر سے گذرے تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ اشاعت و تبلیغ مذہب کے نام سے فحش کاری اور بدکرداری کا ایک شرمناک اڈا قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ میں نے "قصر خلافت" جو حقیقتاً "قصرِ خرافات" ہے۔ اس کے تمام رنگین و سنگین واقعات کو نظر انداز کر دیا۔ اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے عقائد احمدیت یعنی کاذبیت کو پرکھنے کے لیے اپنے طور پر تحقیق شروع کر دی اس سلسلے میں بعض علمائے کرام سے بات چیت شروع کی جو اس مذہب باطلہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ علمائے کرام میں سے ایک عالم پاک سیرت علوم باطنی و ظاہری کی حامل سے جو اِس وقت میرے اُستاد ہیں سے بہر حاصل بحث ہوئی۔

## مولانا منظور احمد سے تبادلہ خیال

حضرت مولانا منظور احمد صاحب صدر مدرس جامعہ عربیہ چنیوٹ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے میری اس طرح مدد کی جس طرح ایک صراطِ مستقیم کی طرف رہبری کرنے والا مردِ حق کرتا ہے۔ خاکسار ہر دوسرے تیسرے روز ربوہ سے چنیوٹ عرصہ ڈیڑھ دو ماہ تک آتا جاتا رہا۔ ہماری گفتگو عموماً حیات و ممات مسیح و رفع و نزول، اجرائے نبوّت، ختم نبوّت۔ حضور پاک کا رُوحانی یا جسمانی معراج کے موضوعات پر ہوتی رہی۔ ہماری بحث دو دو تین تین گھنٹے تک متواتر ہوتی رہتی تھی۔ لیکن حضرت مولانا صاحب اپنا قیمتی وقت اس عاجز اور گم کردہ راہ کو راہِ مستقیم پر لگانے کے لیے بے دریغ خرچ کرتے چلے گئے۔ آخر حضرت مولانا صاحب نے میرے سامنے ان تمام باطل عقائد کا جن پر مرزائیت کا دارومدار ہے تارو پود بکھیر کر رکھ دیا۔

**انکشافِ حقیقت** اس طریقہ سے میری عقل و فہم کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اور میں حق و صداقت کے سامنے بصدقِ دل سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔ اور اس غارِ ضلالت سے باہر نکل آیا جس کے اندر میں اپنی سادہ لوحی اور خاندانی ماحول کی وجہ سے کئی سال تک بھٹکتا رہا اور اس طرح توفیقِ خداوندی نے مجھے از سرِ نو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی سعادت بخشی (فلہ الحمد علیٰ ذٰلک)

**متوقع مشکلات** مجھے معلوم ہے کہ اب مرزائی حضرات کی طرف سے مجھ پر طرح طرح کے الزام لگائے جائیں گے اور میرے راستے میں مصیبتوں کا پہاڑ بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور سب سے بڑا پہاڑ خود میرا اپنا خاندان ہو گا۔ لیکن مجھے ان باتوں کا کوئی خوف نہیں سے

پروا نہیں جو آج زمانہ خلاف ہے
رستہ وہی چلوں گا جو ٹھیک اور صاف ہے

**میری آرزو اور دُعا** زمانہ ہمیشہ حق قبول کرنے والوں کی مخالفت کرتا آیا ہے۔ اور ابد تک کرتا رہے گا۔ میں ان تمام احمدی بھائیوں اور بزرگوں کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی مرزائیت کو پرکھیں اور جھوٹی ثابت ہونے پر سچے دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اپنی فریب کاریوں، دھوکہ دہیوں اور دشنام طرازیوں سے توبہ کر لیں اور میرے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں بے ادبی کرنے سے باز آجائیں۔ مرزا غلام احمد نعوذ باللہ حضور کے درجے تک کیا پہنچیں گے۔ یہاں سے

شاہِ لولاک کے قدموں کو چوما اُس بلندی نے
نہیں عقل کو بھی مجال پَر زنی جس جا

سو اے لوگو! میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے بیان کو ٹھنڈے دل سے پڑھا جائیگا۔

اور اس پر زیادہ سے زیادہ غور کیا جائے اور میری اس ناچیز گذارش پر عمل کیا جائے گا کہ ؎

لباسِ خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دُنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

بھائیو و بزرگو! دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمام منکرینِ اسلام کو اسلام جیسی نعمت کبریٰ عطا فرمائے اور مجھے اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کا موقع دے۔

والسلام قاضی خلیل احمد صدیقی نائب متعلم جامعہ عربیہ چنیوٹ۔

ناشر

انجمن تبلیغ الاسلام۔ چنیوٹ۔ ضلع جھنگ۔

نوٹ:۔ اسی انجمن کی طرف سے اعلان تھا:۔
مفت تقسیم کرانے والے اصحاب خیر پانچ روپیہ فی سینکڑا کے حساب سے انجمن سے لے کر تقسیم کرا سکتے ہیں۔

مؤلف:۔ یہ پمفلٹ کثیر تعداد میں نشر ہوا۔ ہمارے پاس بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

---

# ربوہ کا خلیفہ

## یا

# پاکستان کا راسپوٹین

### شورش مرحوم کا البرز شکن حملہ

پچھلی دو اشاعتوں میں ہم قادیان کے خلیفہ مرزا محمود احمد کے الہا ت کا جائزہ لے چکے ہیں۔ خدا گواہ ہے ہمیں اُن سے کوئی عناد، کوئی بغض، کوئی عداوت نہیں، اور نہ ہم ان کے خلاف کسی عنوان سے کوئی "مورچہ بندی" کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مرزا محمود احمد جب اپنی جماعت کے شیرازہ کو بکھرتا دیکھتے ہیں تو اپنی جماعت کے بعض "نفوس قدسیہ" کی معرفت اس قسم کے ہنگامے بہ پا کرا دیتے ہیں۔ بعض غیر قادیانی اخباروں سے مرزا غلام احمد کے خلاف (اپنے خلاف نہیں) مسلسل لکھواتے اور اس طرح فرضی وغیر فرضی خطرات پیدا کر کے قادیانی مریدوں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اس موضوع پہ قلم اُٹھانا ہی نہیں چاہتے تھے لیکن

پچھلے دو ماہ سے مرزا محمود احمد نے رویا وکشوف کی جو زندگی اختیار کی ہے۔ اور اپنی خلافت کو "خلافتِ الٰہیہ" ثابت کرنے کے لیے جس لب ولہجہ میں گفتگو شروع کی ہے اس کے پیشِ نظر ہم نے ٹوکنا اس لیے مناسب سمجھا کہ مسلمان اس بہتی اقلیت کے دفاع کی پہلے ہی کافی سزا بھگت چکے ہیں! اب اگر مصرع اس طرح اٹھایا گیا تو خدا معلوم نتائج کیا ہوں؟ اور صورتِ حالات افسوسناک ہو کر منقطع یہ ختم ہو؟

بحمد اللہ اب کے قادیانی خلیفہ کے محاسبہ میں وہ لوگ پیش پیش ہیں جن کے متعلق یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ انہیں خلیفہ صاحب کے خلاف کوئی تحریک اٹھانے کا شوق ہے یا وہ ماضی قریب میں کسی "فتنے" کو ہوا دیتے رہے ہیں۔ یا سی۔ آئی۔ ڈی کی معصوم یاد داشتوں (مندرجہ تحقیقاتی رپورٹ) کے الفاظ میں بدگو ہیں۔ جن لوگوں نے اب خلیفہ صاحب پر گرفت شروع کی ہے وہ تقریباً سبھی ایسے عناصر ہیں جنہوں نے نہ صرف مرزا صاحب کے عقائد کو مسخرا پن سمجھ کر نظر انداز کیا۔ بلکہ ملک و قوم کی عظیم مصلحتوں کے پیش نظر یہی بہتر سمجھا کہ درگذر سے کام لیں۔ کیونکہ یہ بات قریب قریب یقینی ہے بلکہ ہم میاں محمود احمد کی نفسیاتی ساخت کے مطابق پیش گوئی کرتے ہیں کہ قادیانی امت کی جو شمع روشن ہے اس کی لَو صرف میاں محمود احمد کی حیات تک ہے۔ اس برطانوی چراغ میں سے روغن ختم ہو چکا ہے۔ اب صرف بجھتے دیئے سے اٹھتا دھواں مرتی روشنی کا سہارا لیے رہا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا تھا میاں محمود احمد کو بڑھاپے کے انجام نے اس درجہ خوفزدہ کر دیا ہے کہ وہ موت کے ڈر سے ژاژ خائی پر اتر آئے ہیں۔ ان کی اس ژاژ خائی کا دائرہ اگر ان کی اپنی ہی جماعت تک محدود رہتا تو ہمیں شاید ان سے تعرض کا کوئی حق نہ ہوتا۔ لیکن انہوں نے حسبِ عادت اپنی ہفوات میں عام مسلمانوں، قرآن کی آیتوں، خلفائے راشدین اور ائمہ

معصومین کو بھی لپیٹنا شروع کیا اور "ریاست اندر ریاست" کے زعم میں یہاں تک بڑھ گئے کہ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

خلیفہ صاحب کے ارشادات کی بعض جھلکیاں ہم گذشتہ شمارے میں پیش کر چکے ہیں۔ اب حال ہی میں ایک اور خط الفضل ربوہ میں شائع ہوا ہے۔ اس خط میں اپنی جانشینی کی وضاحت کرتے ہوئے میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "ان کا ذاتی عقیدہ یا طرز عمل، علی کرم اللہ وجہہ کے بجائے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہے" اور شوخی چشمی ملاحظہ ہو کہ امام حسن بھی مجھ سے متفق نظر آتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ممکن ہے وہ لوگ جو اقتدار کی گدیوں پر بیٹھے ہیں اس گستاخی کو چنداں اہمیت نہ دیں؛ کیونکہ اُن کے نزدیک مقدم چیز سیاسیات ہے اور اُن میں سے بیشتر کو اس سے غرض نہیں کہ خدا اور رسول کے بارے میں کون کیا سوچتا اور کون کیا کہتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سی۔ آئی۔ ڈی کے افسران مجاز کا پُرانا طائفہ دوسرے فرائض کی طرف منتقل ہو چکا ہے ورنہ ہم اُن سے سوال کرتے کہ "آپ کو ملکہ الزبتھ اور ملکہ وکٹوریہ کے بارے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے لب ولہجہ سے جو شکایتیں پیدا ہوئی تھیں اور ان پر آپ نے میاں محمود احمد صاحب کی شکایت کا حق دفاع جس اضطراب سے ادا کیا تھا۔ کیا اب بھی مسلمان ہی خطاکار ہیں؛ اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ مرحوم قیادت کی اخلاقی اور قانونی اعانت نے میاں محمود احمد اور اُن کے حواریوں کے حوصلے بڑھا دیے ہیں۔

ہمارا خیال تھا کہ مرزا محمود احمد صاحب سینکڑوں مسلمانوں کو مروانے کے بعد امن اور چین کا سانس لیں گے اور آئندہ کے لیے احتیاط برتیں گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے منہ کو خون کی جو چاٹ لگ چکی ہے وہ کسی مرحلے

میں بھی ختم نہیں ہوتی ۔ سانپ اپنی کینچلی بدل سکتا ہے لیکن محمود احمد صاحب اپنا رویّہ بدلنے کو تیار نہیں ۔ انہوں نے اسلام کی تمام مقدس اصطلاحات اپنے اُوپر اوڑھ لیں اور اسلام و الہام سے لے کر قرآن و ایمان تک کے سب الفاظ اپنے اُوپر استعمال کرنے شروع کیے ہیں ۔ یہاں تک کہ تاریخِ اسلام سے بعض خاص روایتیں نکال نکال کر اپنے حالیہ اختلافات پر چسپاں کر رہے ہیں ۔

کہیں انہیں اپنا وجود عمر رض کے پہلو بہ پہلو نظر آتا ہے ، کہیں انہیں علی رض سے اختلاف محسوس ہوتا ہے ، کہیں وہ امام حسینؓ کو اپنے سے متفق پاتے ہیں ، کہیں انہیں حضرت صدیق اکبر کی طرح حکیم نور الدین صاحب کا سر خدا کے سامنے جھکا ہوا اور آنکھیں مجوب نظر آتی ہیں ۔ کہیں ایک بدّو کے ہاتھ عثمانؓ کی داڑھی طبری کی روایت سے دکھائی پڑتی ہے ، کہیں اپنے الہام کا رسول اللہ کے علم سے بالواسطہ موازنہ کیا جاتا ہے اور اُن کی صحت پہ اصرار ہوتا ہے ۔ کہیں قرآن مجید پر عیسائیوں کے اس اعتراض کی آڑ لے کر اُس میں لواطت اور حیض کا ذکر ہے اپنے کمالاتِ بلاغت کی داد حاصل کی جاتی ہے ۔ یہ سب کچھ الفضل کی حالیہ اشاعتوں میں چھپ چکا ہے۔

افسوس ہے کہ کئی ہفتوں سے یہ پورا تماشا حکومت کے مجاز افسر بھی دیکھ رہے ہیں ۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ منیر انکوائری رپورٹ میں اِن دل آزاریوں کا ذکر موجود ہے ۔ اور فاضل جج صاحبان نے تسلیم کیا ہے کہ جمہور المسلمین کے دلوں میں اس سے غبار پیدا ہونا قدرتی بات ہے مگر ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا کہ حکومت نے اس کے بارے میں کیا قدم اُٹھایا ہے ۔ سیاسیات میں تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خان عبد الغفار خاں جیل میں ہیں ۔ خان عبد الصمد اچکزئی کے خلاف بھی مقدمہ چل رہا ہے ۔ سید عطاء اللہ شاہ کا گوشت تو غالباً فرزندانِ احتساب کے نزدیک سب سے زیادہ لذیذ ہے۔

اور اُن کی زبان بندی کے احکام ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ کون سا شہر ہے جہاں علماء کو اختلاف بین المسلمین کی آڑ لے کر پابند نہیں کیا گیا لیکن قدغن نہیں تو صرف میاں محمود احمد اور الفضل پر کوئی قدغن نہیں۔ جو مقدس اصطلاحوں اور مقدس شخصیتوں کے نام اس بے تکلفی سے استعمال کرتا ہے کہ جیسے وہ اس کی جیب کی پونجی ہوں اور وہ انہیں لٹانے یا بکھیرنے کا پورا حق رکھتا ہے۔ حالانکہ میاں محمود احمد کو علیؓ سے وہی نسبت ہے جو پاپوش کو سورج سے ہوتی ہے اور عمرؓ کے ساتھ اس کا اپنے آپ کو منسلک کرنا ایسا ہی ہے جیسے گالی کو بلاغت سے تعبیر کیا جائے۔

میاں محمود احمد جب اپنی ذات کو ان مقدس شخصیتوں کے ساتھ بریکیٹ کرتے ہیں تو وہ نہ صرف مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرتے ہیں بلکہ جان بوجھ کر اُن مسلمانوں کی بے بسی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں جنہیں چوہدری ظفراللہ خاں کی وزارتِ خارجہ کے زمانے میں خوفزدہ کر دیا گیا تھا۔

کیا اربابِ اختیار محمود احمد کی ان تحریروں کو بے ضرر سمجھتے ہیں یا مجذوب کی بڑ یا پھر ہم یہ سمجھیں کہ حکومت کے اعوان و انصار میں مرزائیوں کی بوقلموں کھیپ موجود ہے جو اصلیت کو وزارت کے کانوں تک پہنچانے سے "مصلحتاً" اغماض کرتی ہے۔ اگر اُن میں سے کوئی سی صورت بھی درست ہے تو ہمارے نزدیک بنایت افسوس ہے اور ہم اس بارے میں زیادہ سے زیادہ محتاط بات یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سیاست دان کسی نئے تماشے کے انتظار میں ہیں یا وہ اس سے غافل ہیں اور انہیں مطلقاً خبر نہیں کہ مسلمانوں کے جذبات کو اس قسم کی یاوہ گوئیوں سے کس حد تک ٹھیس پہنچتی ہے؟

میاں محمود احمد بڑے شاطر ہیں انہوں نے ماضی قریب میں افسرانِ مجاز سے حسبِ دل خواہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ ایک قادیانی کی وساطت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۳۵ء کے بعد سے اُن کی فائل ہی سرکار کے دفتر سے

عنقا ہو گئی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مغربی پاکستان کی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کا سُراغ لگاتے۔ ہمیں اس کے پس منظر میں مرزا محمود احمد کا پُر اسرار ہاتھ نظر آتا ہے۔ اب بھی ہمارا خیال ہے کہ وہ حکومت کو پریشان کرنے کے لیے یہ تمام کھڑاک رچا رہے ہیں۔ انہیں یقین ہو چکا ہے کہ وہ خود تو گور کنارے ہیں آج مرے یا کل۔ لیکن وہ اپنی موت کا انتقام ایک نفسیاتی مریض کی طرح (ماہرین نفسیات اس کو بخوبی سمجھتے ہیں) پورے معاشرے سے لینا چاہتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں یا پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حتیٰ کہ اب انہیں اپنے پیروؤں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ اُن کی زندگیوں پر بھی رحم نہیں کرتے خود محفوظ زندگی بسر کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ حکومت بہمہ وجوہ اُن پر کوئی آنچ نہ آنے دے گی اور ویسے بھی تنخواہ دار مریدوں کی ایک ضعیف الاعتقاد کھیپ اپنی حفاظت کے لیے ساتھ رکھتے ہیں مگر نقصان کن کو پہنچتا ہے ؟ ان لوگوں کو جو ان کی خرافات سے مشتعل ہو کر اپنی دینی وحدت کو بچانے کے لیے آگے بڑھتے ہیں یا پھر قادیانی جماعت کے وہ گمراہ مخلصین جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے یہ یقین ہے کہ میاں محمود احمد واقعی مصلح موعود ہیں۔

کیا ۱۹۵۲ء کے ہنگامے میں یہ نہیں ہوا ؟ کون مارا گیا غریب الحال قادیانی یا وہ مسلمان جن کے لیے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی سے بڑھ کر کائنات کی کوئی چیز بھی عزیز نہیں ہے۔ لازم تھا کہ منیر انکوائری کمیٹی کی رپورٹ کے بعد حکومت خلیفہ صاحب کی سرگرمیوں کا احتساب کرتی۔ اور محمود احمد صاحب کو بھی ایک دن لاہور کے شاہی قلعے کی سیر کراتی۔ کہ اس پر واضح ہوتا کہ خانہ ساز خلافت کا منشاء و مفہوم کیا ہے۔ ہم پورے یقین اور احترام کے ساتھ عرض کریں گے کہ میاں محمود احمد کو فی الواقعہ (INTERROGATE) کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ دنوں کے

لیے انہیں سیفٹی ایکٹ یا سیکورٹی ایکٹ کے تحت قلعہ میں رکھیئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مُصلح موعود ہیں کیا؟ قلعہ میں کون نہیں رہا۔ محمود احمد بھی کچھ دن بحالیٔ صحت کے لیے قیام کریں گے تو اس میں ہرج کی کونسی بات ہے۔ آخر یہ قلعہ بھی تو مغلوں ہی کی یادگار ہے۔

اب تک ماضی کی حکومتوں نے بحالیٔ امن کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ کیا مارشل لا نافذ نہیں کیا (۱۹۵۳ء)؟ عوام پر گولیاں نہیں چلائی گئیں؟ سب کچھ ہوا اور امن عامہ کے لیے ہوا۔ آج بھی امن عامہ کا تقاضا ہے کہ۔

مرزا محمود احمد کچھ دن کے لیے قلعہ میں تشریف رکھیں؟ اور مسلمان ان کے خلاف جو چارجز (CHARGES) لگاتے ہیں ان کی تفتیش ہو۔

اسی ملک میں قیام پاکستان سے پہلے انگریزی حکومت نے امنِ عامہ کے نام پر پیر پگاڑو پر ہاتھ ڈالا تھا اور مسلمانوں کے اس جلیل القدر فرزند کو پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ لیکن آج ہماری حکومت ہے اور ہم امنِ عامہ ہی کے نام پر اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ مرزا محمود احمد جو زہر پھیلا رہے ہیں اُس کا ہمیشہ کے لیے سدِّباب کیا جائے۔

پاکستان پہلے ہی ان جھمیلوں اور جھگڑوں سے کافی بدنام ہو چکا ہے۔ اب ان تنازعات کو سختی سے دبا دینے کی ضرورت ہے۔ قانون یا مصلحت کا منشا یہ نہیں کہ ایک جماعت یا اس کے خلیفہ کو صرف اس لیے یاوہ گوئی کی اجازت دی جائے کہ وہ اقلیت میں ہیں اور دوسروں کو دبانے کی پالیسی اس لیے اختیار کر لی جائے کہ وہ اکثریت میں ہیں۔ اس قسم کی رواداری کو کسی ملک میں بھی روا نہیں رکھا گیا۔ آج سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ صدر جمہوریہ پاکستان، وزیراعظم پاکستان اور مغربی پاکستان کے گورنر و وزیراعلیٰ دورِ حاضرہ کے اس "اسلامی راسپوٹین" کا احتساب کریں جو مسلمانوں کی دینی وحدت کو تباہ کرنے کے لیے نہ صرف کرنل لارنس کے فرائض انجام دے رہا

ہے بلکہ اپنی عظمت کا مصنوعی بُت قائم کرنے کے لیے خدا اور رسولؐ کے علاوہ صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی کرم اللہ وجہہ اور امام حسن کے نام اس شوخ چشمی سے استعمال کرتا ہے گویا خاکم بدہن اُن کے ساتھ کا کھیلا ہوا ہے۔ حالانکہ اُن کا بول و براز بھی اُس کے داغدار وجود سے افضل ہے۔

(چٹان۔ لاہور)

چٹان کی تجاویز کا رستہ اب صاف ہوگیا ہے۔ کیونکہ ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو تمام دُنیائے اسلام کو خارج از اسلام کہنے والی اور تکفیر اہل قبلہ کرنے والی جماعت خود از روئے آئین غیر مسلم قرار دی جاچکی ہے۔ اس لیے اگر اس آئینی ترمیم کے ماتحت تعزیری قواعد وضوابط بھی نافذ ہو جائیں تو بغیر کسی سنگین کارروائی کے یہ فتنۂ انکارِ ختم نبوت اپنے تمام مہیب عواقب کے ساتھ پیوندِ خاک ہو سکتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوا تو آئینی ترمیم کے باوجود پاکستانی معاشرہ ایک مہلک اُلجھن میں اسیر رہے گا۔ "غیر مسلم" اپنی عبادت گاہوں کو "مساجد" کہیں گے اور اپنے تبلیغی وسیع انتظامات اور دفاتر کے ساتھ اپنی "غیر مسلمی" کو پھیلاتے رہیں گے۔ اور معاملہ جوں کا توں رہے گا۔

اور جب تیری گواہی لی جائے تو سچائی کا دامن نہ چھوڑو

(ارشادِ الٰہی)

مرزا محمود احمد (ربوہ) کے

# دو مذہب

## عدالت سے باہر اور عدالت کے اندر

۱۔ "لیکن اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے کہوں گا تو جھوٹا ہے کذاب ہے۔ آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔"

۲۔ " ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں کہ ہزاروں نبی آئیں گے۔"

(انوارِ خلافت ص ۶۵، ۶۶)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں:-

سوال:- (از عدالت) کیا مرزا غلام احمد صاحب کے رُوحانی درجہ کا کوئی شخص آئندہ آسکتا ہے ؟

جواب:- اس کا امکان ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا اللہ تعالےٰ ایسے اشخاص مبعوث کرے گا یا نہیں ؟ (عدالتی بیان)

عدالت سے قبل خلیفہ صاحب کا مندرجہ بالا عقیدہ کے خلاف یہ بھی عقیدہ تھا کہ:-

"اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خاتم النّبیّین کے مرتبے پر قائم کر کے آپؑ پر ہر قسم کی نبوّتوں کا خاتمہ کر دیا۔"

(بدر - ۲۳ مارچ ۱۹۱۱ء)

گو خلیفہ صاحب ۱۹۱۱ء میں ختم نبوّت کے قائل تھے۔ مگر عدالت میں ذیل کا بیان دیتے ہیں۔

سوال:- مرزا صاحب نے پہلی مرتبہ کب کہا کہ وہ نبی ہیں۔

جواب:- "جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے ۱۸۹۱ء میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا" (۱۸۹۱ء میں خلیفہ صاحب کی عمر دو سال تھی) گویا دو سال کی عمر میں وہ "ظل" اور "بروز" کے چکر کا اسیر تھا۔ یہ کتنی لغو بات ہے دو سال کی عمر میں تو وہ تہمد بھی نہیں باندھ سکتا ہو گا۔ یا تو اُس نے معصیت سے جنم لیا یا اُس نے ناقابلِ ذکر معصیّت کو جنم دیا۔

۳ - ۱۹۵۳ء سے قبل عامۃ المسلمین کے متعلق خلیفہ صاحب کا عقیدہ تھا:-

"ہمارا فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔"

(انوارِ خلافت ص ۹۰)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں:۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی پر واجبی غور کرنے کے بعد دیانت داری سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپ کا دعویٰ غلط تھا تو کیا پھر بھی وہ مسلمان رہے گا؟

جواب:۔ جی ہاں!

سوال:۔ آپ نے اپنی شہادت میں کہا ہے کہ جو شخص نیک نیتی کے لحاظ مرزا غلام احمد صاحب کو نہیں مانتا وہ پھر بھی مسلمان رہتا ہے کیا شروع سے آپ کا یہی نظریہ رہا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔

۴۔ ۱۹۵۳ء سے قبل خلیفہ صاحب کا عقیدہ تھا:۔

"یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں۔"
(آئینہ صداقت ص ۳۵)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں:۔

سوال:۔ کیا آپ مرزا غلام احمد صاحب کو ان ماموریں میں شمار کرتے ہیں جن کا ماننا مسلمان کہلانے کے لیے ضروری ہے؟

جواب:۔ میں اس سوال کا جواب پہلے دے چکا ہوں کہ کوئی شخص جو مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان نہیں لاتا دائرۂ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔" (عدالتی بیان)

۵۔ ۱۹۵۳ء سے قبل کسی غیر احمدی کی نماز جنازہ کے متعلق خلیفہ صاحب کا عقیدہ تھا کہ:۔

" اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ غیر احمدی تو "مسیح موعود" کے منکر

ہوئے۔ اس لیے اُن کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مرجائے تو اُس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے۔ میں یہ سوال کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں کر نہیں پڑھا جاتا۔ اور کتنے لوگ ہیں جو اُن کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ پس غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہے اس لیے اُس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔"

(انوار خلافت)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں:۔

" احمدیہ کریڈ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو شخص حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کو نہیں مانتا اُس کے حق میں نماز جنازہ ناجائز ہے

.....

اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر اپنی قلم سے لکھی ہوئی ملی ہے ...... جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضرت بانیٔ سلسلۂ احمد کا مکفّر یا مکذّب نہ ہو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں کیونکہ جنازہ صرف دُعا ہے۔"

۶۔ تحقیقاتی عدالت سے قبل خلیفہ صاحب کا عقیدہ تھا کہ:۔

" جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً حضرت مسیح موعود کو نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے۔ کیا کوئی غیر احمدی میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا عیسائی کو اپنی لڑکی دے دے۔ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر اس معاملہ میں وہ تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے۔ مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو۔"

(ملائکۃ اللہ ص ۴۶)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں:۔

"کسی احمدی مرد کی غیر احمدی لڑکی سے شادی کی کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ احمدی لڑکی کے غیر احمدی مرد سے نکاح کو ضرور روکا جا سکتا ہے لیکن باوجود اس کے اگر کسی احمدی لڑکی اور غیر احمدی مرد سے نکاح ہو جائے تو اسے کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا اور اولاد کو جائز سمجھا جاتا ہے ......... حقیقتہً نکاح کا مسئلہ ایک سوشل قسم کا مسئلہ ہے۔ ایسے مسائل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی کو کہاں آرام رہے گا...... لیکن باوجود مخالفت کے اگر کوئی احمدی اپنی لڑکی کا نکاح غیر احمدی مرد سے کر دے تو اس کے نکاح کو کالعدم قرار نہیں دیا جاتا"

(عدالت کے سات سوالوں کا جواب)

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسمہٗ احمد کی پیش گوئی کے متعلق عدالت سے پہلے خلیفہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"پس اس آیت میں ضمنی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خبر دی گئی ہے اور...... اس کے اصل مصداق حضرت مسیح موعود ہیں" "پس اس آیت میں جس رسول احمد نام والے کی خبر دی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے ہیں"

(انوار خلافت ص ۳۷، ۳۸)

اس کے برعکس عدالت میں فرماتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک اس کا اطلاق اصلی طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے لیکن ظلی طور پر مرزا غلام احمد صاحب پر بھی ہوتا ہے"

(عدالت کا بیان ص ۱۶)

۸ ۔ عامۃ المسلمین سے اپنی جماعت کے اختلافات کا ذکر ۱۹۱۷ء میں یوں فرماتے ہیں :۔

"ورنہ حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ اُن کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ، اُن کا خدا اور ہے اور ہمارا اور ، ہمارا حج اور ہے اور اُن کا حج اور ، اور اس طرح اُن سے ہر بات میں اختلاف ہے۔"

(الفضل ۔ ۲۱ر اگست ۱۹۱۷ء ص ۷)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے ہمارے اختلافات فروعی ہیں۔ حالانکہ فروعی اختلافات کی بنا پہ کسی کلمہ گو کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اور کبھی کسی نبی کا انکار بھی فروعی اختلاف ہوا ہے در اصل پہلے تمام اختلافات بنیادی تھے مگر عدالت میں جا کر فروعی ہو گئے۔ ایں چہ بو العجبی است۔

سوال :۔ کیا احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان اختلافات بنیادی ہیں ؟

جواب :۔ اگر بنیادی کا وہی مفہوم ہے جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کا لیا ہے تب یہ اختلافات بنیادی نہیں ہیں۔

سوال :۔ اگر بنیادی عام معنوں میں لیا جائے تو پھر ؟

جواب :۔ عام معنوں میں اس کا مطلب اہم ہے لیکن اس مفہوم کے لحاظ سے بھی اختلافات بنیادی نہیں بلکہ فروعی ہیں۔

۹ ۔ ۱۹۵۳ء سے قبل خلیفہ صاحب کا عقیدہ تھا :۔

۱۔ "کس کا دل گردہ ہے جو یہ کہے کہ مسیح موعود کا ماننا جزو ایمان نہیں۔" (الفضل ۔ ۲۰ر مئی ۱۹۱۴ء)

۲۔ "جب آپ نبی ثابت ہوئے تو آپ کا ماننا جزو ایمان ہوا....

الہاماً فرمایا جو شخص تیری پیروی نہیں کرتے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے ۔" (الفضل - ۶ مئی ۱۹۱۴ء)

مگر عدالت میں فرماتے ہیں :-

سوال :- کیا ایسا شخص جو ایسے شخص کو نہیں مانتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آیا ہو اگلے جہان میں سزا کا مستوجب ہوگا۔

جواب :- ہم ایسے شخص کو گنہگار تو سمجھتے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا یا نہیں ۔ اس کا فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے ۔

سوال :- تو کیا مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان لانا جزوِ ایمان ہے ؟

جواب :- جی نہیں ۔ کیا خلیفہ صاحب یا اُن کا کوئی ہمنوا کسی ایسے نبی کا نام بتا سکتا ہے جس کا ماننا جزوِ ایمان نہ ہوا اور خلیفہ صاحب جو کہتے ہیں کہ ابھی ہزاروں نبی اور آئیں گے کیا اُن کا ماننا بھی جزوِ ایمان ہوگا یا نہیں ؟ کچھ تو خوف خدا کرو لوگو !) (عدالتی بیان)

مرزا محمود احمد ربوہ کے دونوں مذہب اُوپر بیان کر دیئے گئے ہیں اب قارئین کرام از خود اندازہ لگالیں کہ عدالت سے پہلے خلیفہ صاحب کا کیا مذہب تھا اور عدالت میں جا کر کیا ہو گیا۔ اتنے واضح بیانات پر ہمارے کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ ایسے آدمی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ۔ وہ شیطان کا ظل اور بروز ہے ۔

مذہبِ عشق میں گنجائش تاویل کہاں
" دین " پہ حیف ہے گر " دین " کا منشا ہے یہی

# فطرت کا ناگزیر انتقام

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اگر ریاست ربوہ کا عمرانی احتساب کیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغربی پاکستان میں اس کی وہی حیثیت ہے جو "اسرائیل" کی بلادِ اسلامیہ میں ہے۔ اسلامی معاشرے کے دل میں یہ تیرِ نیم کش کی طرح پیوست ہے۔ اس کی خلش سے سارا سماج نڈھال ہو رہا ہے۔ قانون کی مصلحت اندیش بے بسی نے اس "دینی یاغستان" کو ایک قسم کا فروغ بخشا ہے۔ عوام اور حکام اس ابتلاء سے خوب آگاہ ہیں۔ ملکی قانون میں اس کے کامل استیصال کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اس واسطے ربوہ کا مذہبی آمر د خلیفہ بالتقریر اور تحریر میں ایسے تمرّد کا مظاہرہ کر جاتا ہے جس کا تصوّر بھی اسلامی ریاست میں مشکل ہے۔ اس دَور کی حکومت اپنی مصلحت بینیوں کی وجہ سے عاجز تھی اور عوام حکومت کے عجز پر نوحہ کناں تھے۔ عوامی لیڈروں کا یہ حال تھا کہ

"کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے"

وہ مُہر بلب ہو کر رہ جاتے تھے اور یہ ناسور ہمارے تمدّن و عمران کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ اس پر کب نتیجہ خیز عمل جراحی ہوگا یہ خدا ہی جانتا ہے۔ لیکن ہوگا ضرور۔

## شاخ نازک پہ آشیانہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے سے آغاز ضرور ہو چکا ہے۔ کیونکہ خدا نے پاکستان کی داغ بیل اس لیے نہیں ڈالی تھی کہ وہ حکومتی معذوریوں کی وجہ سے ایک عمرانی فتنہ کا شکار ہو جائے۔ جوں جوں کوئی حکومت مصلحت کی آڑ لے کر اپنے فرائض سے گریز کرے گی توں توں خدا اس وطن مقدس کی بقاء اور عروج کے سامان پیدا کرے گا۔ اس کا باطنی فتنہ اپنے "خرقہ پوش شاطر" کے ہاتھوں فنا ہو جائے گا۔ جن لوگوں کو حکومت سے زیادہ خدا اور اس کی سنتِ قدیم کے اعجاز اور کرشموں پر نظر ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ قادیانی خلافت داخلی انتشار میں بتلا ہے۔ جماعتی نظام پر جذام کی سی کیفیت طاری ہے۔ اب حکومت کوئی سہارا دینے کو تیار نہیں۔ وہ خلیفہ جو ہوا پر گرہ لگایا کرتا تھا جب اس کے ہوش و حواس رخصت ہوئے اس کی تقریریں اس کے جنون کی غمازی کرنے لگی تھیں۔ ایک عمرانی مبصر وثوق سے کہہ سکتا ہے۔

تمہاری تحریک اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

## انسانیت پر شبخون

اس دَور کا مسلمان نصف صدی سے زیادہ مرزا محمود کے تلبیس و التباس کے چکر دیکھتا رہا۔ ابتداء میں اس نے عمرانی فتنے سے اغماض کیا لیکن خلیفہ ربوہ کی بڑھتی ہوئی جارحیت سے اس کی چشمِ بصیرت وا ہو گئی۔ اب ایک کوچہ نورد کو بھی شعور ہے کہ اس شخص نے دین کے نظر فریب پردے میں چہار سو دامِ تزویر پھیلا رکھا تھا۔ اس نے خود ساختہ الہاموں سے نہ صرف الوہیت کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کر رکھا تھا بلکہ اُس نے انسانوں کی

انسانیت پر بھی شبخون مارا۔ اُس نے مُریدوں کو قِرَدَۃً خاسئین بنا دیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں اس طرح رقص کرتے تھے جس طرح بندر مداری کے ہاتھ میں۔ بندر مداری سے بھاگ کر جنگل میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے اور وہ جنگل کے بندروں میں رہنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر مداری اس کو چھوڑ بھی دے تو وہ بھاگ کر اس کے کھونٹے پہ آجاوے گا اس کو اب مداری کی زنجیر میں ہی آرام ہے۔ اگر وہ کہیں جنگل میں جا نکلے تو جنگل کے بندر اس کو مار ڈالیں گے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مداری کی تربیت سے یہ اپنی فطری خواص کھو چکا ہے اس کی صورت بندر کی سی ہے اس کی فطری ہم جنسی تباہ ہو چکی ہے۔ یہی حال قادیانیوں کا ہے۔ساٹھ سال ذہنی غلامی میں رہ کر وہ ہر لحاظ سے ایک اجنبی قوم بن چکے ہیں۔ نہ وہ مسلمان معاشرے سے واسطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور نہ مسلمانوں کا سواد اعظم ہی ان کو قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس عمل مسخ کو خلیفۂ ربوہ اپنا شاہکار تصوّر کرتا تھا۔ اور دن رات اس ڈھنڈورا پیٹتا اور اپنی عمرانی غارت گری کو اپنی دینی کامرانی سے موسوم کرتا تھا۔ اس کے بعد بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

## غلیظ سازش کی پیداوار

خلیفہ محمود نے یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ گویا تاریخ کا ایک سنگین باب قلم و قرطاس کے تعاون سے ایک حسین انداز میں محفوظ ہونا ضروری ہے۔ اختصار کے ساتھ کچھ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ شخص سازش کا ایک کامیاب چکر چلا کر ۲۰ر فروری ۱۹۱۴ء کو قادیانی جماعت کا خلیفہ بن بیٹھا۔ خلافت اور اجنبیت کے اس امتزاج نے ایک دینیاتی فتنہ کی سی صورت اختیار کر لی۔ اس وقت اس شخص کی عمر پچیس سال تھی جو قیادت کے ابدی اصول کے مطابق بڑی ناپختگی کی عمر ہے۔ کیونکہ عمر کے اس دور میں جذبات میں تلاطم ہوتا ہے اور وہ عقلِ خام پر حاوی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی

سنت کے مطابق قوم کی رہبری اور رہنمائی کا فرض چالیس سال کے بعد تفویض ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت افکار و اعمال میں اعتدال اور توازن آجاتا ہے۔ عام نفسیاتی لحاظ سے بھی پھسلنے کے امکان بہت کم ہو جاتے ہیں۔ مرزا محمود نے خدا کی اس سنت قدیم کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور خام عمر میں ہی نابالغ ہوتے ہوئے عقاب بن بیٹھا۔ اُس نے فوراً "ملہم" ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کے قول کے مطابق قرآن کریم کی آیات اس پر نازل ہونی شروع ہو گئیں۔ رسول اللہ (فداہ ابی و امی) پر قرآن چالیس سال کے بعد نازل ہونا شروع ہوا۔ اس شخص پر اس کے (معاذ اللہ) نزول کی تجدید پچیس سال سے پیشتر ہی شروع ہو گئی۔ افتراء پردازی کا اس سے زیادہ گھناؤنا شاہکار تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قوم کے جھکاؤ کو دیکھتے ہی اس نے "فضل عمر" ہونے کا اعلان کر دیا۔ یعنی وہ معاذ اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بن بیٹھا جس "خود ساختہ نبی" کا وہ خلیفہ تھا وہ تو اپنی حیات کے لیے اپنے آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ ترین غلام ہونے کا مدعی تھا۔ اور یہ مادر پدر آزاد بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم سے افضل ہونے کا مدعی بنا اور اپنی بے طوح اور بے ضمیر قوم سے یہ ابلیسی دعویٰ تسلیم کرا لیا۔ اس ایک واقعہ سے اس شخص اور اس کی جماعت کی خانہ ساز روحانیت کا راز طشت از بام ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ سراسر کذب، فریب کا سرکس ہے۔

اس شاطر کذاب نے مسلمانوں کی دو عظیم نعمتوں پر ابلیسی چھاپہ مارنے کی ناکام اور نامراد کوشش کی۔ ایک ختم المرسلین پر اور دوسری فاروقیت عظمیٰ پر۔ یہ افتراء برطانوی سنگینوں کے سائے میں پروان چڑھا۔ ہرچند

کہ مسلمان اس دجل و فریب کے خلاف مجادلہ آرا ہے لیکن اُن کے اپنے باطنی انتشار نے مرزا محمود کے نامحمود نظام کی رسی دراز کر دی ۔ مسلمانوں پر بے بسی کا عالم طاری رہا ۔ مسلمانوں کی اس قنوطیت کو دیکھ کر مرزا محمود یہ کہتا رہا ؎

خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
مرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو

## گوسالہ سامری پر ضرب کلیمی

لیکن حق دیر تک پسپا نہیں رہ سکتا ۔ وہ باطنی توانائی سے بروئے کار آکر رہتا ہے ۔ اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے ۔ اَلْحق یعلوا وَلاَ یُعلٰی

جونہی برطانوی استعمار حریّت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا اور مرزا محمود کے سفید آقا بیک بینی و دو گوش وطنِ عزیز سے رخصت ہوئے مرزا محمود کا برپا کیا ہوا فتنہ بھی حالتِ نزع میں مبتلا ہو گیا ۔ ۱۹۴۷ء میں قادیانیوں نے "دارالامان" کو "دارالبوار" کہہ کر ترک کیا ۔ محمودیت کے گوسالہ سامری پر یہ پہلی ضرب کلیمی تھی ۔

یہ نام نہاد "اولوالعزم" خلیفہ معرکۂ روح و بدن میں مبتلا ہو گیا اس کو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی آیت بھول گئی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی آیت کریمہ بھی صرفِ نسیان ہو گئی کیونکہ "معرکہ سخت ہے اور جان عزیز" کا معاملہ درپیش تھا اس نے قادیانیت کی "دیوار گریہ" کو تھامنے کی ایک ناکام کوشش کی ۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ قادیان کو ترک نہیں کرے گا ۔ کیونکہ اس نے باپ کی نعش کو سپردِ لحد کرتے ہوئے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر سارے لوگ بھی اس "مقدس" زمین کو چھوڑ جائیں گے تو وہ اسی میں رہے گا ۔ اور اس کا ہی ہو کر رہے گا ایک گشتی چھٹی تمام جماعتوں کو بھیج دی جس سے قادیانیوں کو جعلی تقویت ملی ۔ ان کی ہمت پر دوسرے لوگ ششدر رہ گئے ۔ اخباروں میں مقالے چھپے لیکن

مقالوں کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ یہ "حضرت" سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور اس ارضِ مقدس میں پناہ گزین ہوئے جس کی تخلیق کے خلاف انہوں نے کئی ناکام فتنے تخلیق کیے تھے۔ یہ یاد رہے کہ خلیفہ محمود ہندو سادھو کے بھیس میں قادیان سے رخصت ہوئے۔ جان بچانے کے لیے یہ "ملہم" مشرک قوم سے تشبہ پیدا کر کے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کا مصداق بنا۔

## قادیانیت کی دیوارِ گریہ

مُریدوں نے اُس کے بھاگنے کے منظر کو دیکھا تو راستے میں اُس کی حفاظت کی۔ لیکن وہ اس کو اس طرح نہ چھوڑ سکے جس طرح سدھایا ہوا بندر مداری کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس میں بندر کا کوئی کمال نہیں۔ اُن مداری کے تخریبی فن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص نے بھی بیالیس سال میں اسی قسم کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اُس نے فطرتوں کو مسخ، بصیرتوں کو بے نور اور عقلوں کو بے فروغ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے قادیانی مرید اُس سے الگ نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اُس سے الگ رہنے کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے۔ ان کی رفتار، گفتار اور کردار پیر پرستی کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں۔ ان کی ذہنی افتاد کا یہ عالم ہے کہ یہ مبروص ہاتھ کو یدِ بیضا، دمِ افعی کو دمِ عیسٰی، برگِ حشیش کو برگِ نبات، تعلّی کو تجلّی، اضغاثِ احلام کو "الہام" اور شرارِ بولہبی کو چراغِ مصطفوی سمجھنے کے خوگر ہو گئے ہیں۔ اب اُن کے سامنے قادیانیت کی "دیوارِ گریہ" کے سوا کچھ نہیں اس کے انہدام کو آہ و بکا سے روکنا ممکن نہیں یہ قلیل عرصے کی مہمان ہے۔ کیونکہ اس کی تعمیر میں ایک "صورتِ خرابی" کی مضمر ہے وہ اپنا عمل کر کے رہے گی۔

یہ لوگ اپنے خلیفہ کی دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد کر کے اُس کو ہر ابتلاء اور بحران سے بچاتے تھے، پھر بھی اسی کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں۔

اس تربیت نے اُن سے تخلیقی عمل کی صلاحیت سلب کر لی ہے تاکہ وہ دانہ دام میں تمیز نہ کر سکیں۔

## ختم نبوت کی برق آسا تحریک

ان کی نیاز مندیوں کو وہ لعبتِ چین سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔ وہ جب چاہے عقائد بدل دیتا ہے۔ اُس نے منیر ٹربیونل کے سامنے مسلمانوں کے جنازے کے جواز کا اقرار کیا۔ کسی قادیانی کے کان پر جوں نہ رینگی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ سینکڑوں مریدوں کو اس ایک بات پر سزائیں دے چکا تھا کہ کسی وقت ایک قادیانی باپ نے اپنے مسلمان بیٹے کا جنازہ پڑھا یا کسی وقت ایک قادیانی بیٹے نے اپنے مسلمان باپ کا جنازہ پڑھا یا۔ اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ جونہی ختم نبوت کی برق آسا تحریک نے زور پکڑا اُس نے فوراً قادیانیت کی تبلیغ کو منسوخ کر دیا۔ اپنے متعلقہ محکموں کے نام بدل ڈالے۔ پریس میں اعلان کیا کہ وہ اس کی جماعت اپنے خانہ ساز دین کی تبلیغ سے مجتنب رہے گی۔ گویا اُس نے ثابت کر دیا کہ اس کی خلافت انگریزوں کا "خود ساختہ" پودا ہے۔ اپنے عقائد کے مہیب عواقب سے بچنے کے لیے اُس نے مسلمانوں سے الگ رہنے کے ہر فعل کو ایک بزدلانہ مدافعت قرار دینے میں ذرا دریغ سے کام نہ لیا۔ کیونکہ اُس کے صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ قسم کے مرید اُس کے ارتداد کو بھی الہامی سمجھ کر سرنگوں ہو جائیں گے، کیونکہ اُن کو یہ نصیحت ہے ؎

دیکھ جو کچھ سامنے آئے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

خلافت پر متمکن ہوتے ہی اُس "دشمن ایمان و آگہی" اور "رہزنِ تمکینِ ہوش" نے اپنے سے بڑے قادیانیوں کو کمال چابکدستی سے حقیر مناصب پر مقرر کیا۔ ان پر اپنے "یارانِ سرپل" کو مسلط کیا کیونکہ وہ لوگ تھے جو

حسن و قبح کے معیار کے لیے اُس کے چشم و ابرو کو دیکھتے تھے اور اس کی پیشانی کی شکنوں کو گِنتے رہتے تھے۔ اس کے احکام کو "آوازِ سروش" سمجھتے تھے۔ یہ نوشتۂ دیوار تھا کہ انہوں نے پُرانے قادیانیوں کو غبارِ راہگذار بنا کر رکھ دیا۔ جب یہ لوگ چکّی کے پاٹوں میں پِس کر سرمۂ مفت نظر ہو گئے تو تقریباً بیس سال کے بعد اس نے ساختہ پرداختہ نظام کی نیو ڈالی۔ اُس کا نام رکھا "تحریکِ جدید" اس طرح جماعت میں یہ تأثر پیدا کیا کہ باپ کی چلائی ہوئی تحریک اپنے اثر سے عاری ہو چکی ہے اور جماعت ایک "تازہ زندگی کی محتاج ہے۔ اس "تحریک جدید" میں "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" کو فروغ نصیب ہوا۔ انہوں نے ۱۹۱۴ء کی بنائی ہوئی انجمن کے ناظروں کو اس طرح بے اثر کر دیا جس طرح ناظروں نے بانیٔ سلسلہ کے رفقاء کو ۱۹۱۴ء میں بے دخل اور بے اثر کر دیا تھا۔ جوں جوں تحریکِ جدید زور پکڑتی گئی توں توں ناظران صاحبان متروکاتِ سخن ہو کر رہ گئے تحریک جدید خود ایک سازش کی آفریدہ تھی۔ اس کے توسّط سے مرکزی نظام صیدِ لاغر ہو کر خلیفہ کے پاؤں پر آ گرا۔ اُس تحریک پر اُس کے اپنے خاندان کے لوگ مستولی ہو گئے۔ اور دفتری نظام اور اُس کے تمام شعبہ جات ایک گھریلو صنعت ہو کر رہ گئے۔ مُریدوں نے اپنی ارادتوں کے مرکز کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرقد بنتے دیکھا۔ مگر وہ بول نہ سکے۔ کیونکہ معاشی احتیاج نے اُن کے جذبۂ احتجاج کو موت کی نیند سُلا دیا تھا۔ دیکھا! خدا کا کرنا۔ خدا نے بیٹے کے ہاتھوں ہی باپ کی بنائی ہوئی عمارت مسمار کرا دی۔

## رازِ درونِ خانہ کا افشاء

تحریک جدید کو فروغ دینے کے لیے خلیفہ محمود نے جماعت کے نوجوانوں سے وقفِ زندگی کی اپیل کی۔ نوجوان دینی خدمت کی تمناؤں سے سرشار ہو کر خلیفہ کے یمین و یسار میں جمع ہو گئے۔ خلیفہ محمود نے پُرانے اور قدیم

لوگوں کو عضوِ معطل بنانے کے لیے نوجوانوں کو ایسے ایسے عہدے تفویض کیے جو اُن کی عمر اور تجربے سے کہیں بڑھ کر تھے۔ گویا خلیفہ محمود اپنی جماعت کی تخریب کے معمار بن کر تقدیر کی تعزیر کو دعوت عمل دے رہے تھے۔ نوجوان جو نیاز مندی سے خلیفہ کے چوکھٹ پہ سرنگوں ہوتے تھے۔ وہ خلیفہ محمود کے کرب انگیز قرب سے اُس کے خلوت کدوں کے اسرار و غوامض سے آگاہ ہو کر دہریت کی طرف مائل ہو گئے۔ خلیفہ محمود کی نجی زندگی کے رنگین و سنگین مناظر ان کی عقیدتوں کے لیے پیغام اجل ثابت ہوئے۔ ان کے طبائع میں خروج کی روح بیدار ہو گئی کیونکہ جو کچھ روز دیکھنے میں آتا تھا، وہ دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ آنکھیں اُس عریانی کے دیکھنے کے لیے نہ بنی تھیں جو جنسی دلدلیں قصرِ خرافات کے اندر باہر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر پھسل کر غلاظت کے اُس جوہڑ میں جا گرے گویا اُن کو خلافت مآب کے درونِ خانہ کی عفونت کا حق الیقین ہو گیا۔ اُن میں بعض وہ تھے جن کو ان کا عین الیقین تھا۔ بعضوں کو علم الیقین تھا۔ ہر چند کہ وہ خلافت کی قہرمانیوں سے لرزتے تھے۔ وہ اپنی زبانوں پر قفل بھی لگا سکتے تھے۔ قادیان میں ہی خلیفہ کے مجلس متنورات کے سارے راز زبان زدِ خلائق ہو گئے تھے۔ ربوہ کے ویرانہ آباد نما میں خلیفہ کے جنونِ زوج نے وہ وہ گل کھلائے کہ ان کی باطنی غلاظت اُبل کر کوچہ و بازار میں آ گئی۔ وہ نوجوان جو "واقف زندگی" ہو کر رہ گئے تھے وہ "واقفِ راز" ہو کر نکلنے لگے۔ خلیفہ صاحب کا ایک ہی سہارا تھا وہ مخفی راز کی سنگینی۔ اُن کو یقین تھا کہ نہ کوئی وہ راز کہہ سکتا ہے اور نہ کوئی باور کر سکتا ہے۔ گویا وہ اپنے ہوشربا اعمال کی پردہ پوشی کے لیے انسان کی فطری حیا پر تکیہ کیے بیٹھے تھے جو انسان اپنے جرائم..... کے لیے کے لیے لوگوں کی بے بسی کا سہارا لیتا ہے وہ خود کتنا بے بس ہوتا ہے ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

## قلبی خلفشار

واقفینِ راز بھی ایک عجیب قلبی خلفشار میں مبتلا تھے جب وہ گھناؤنے مناظر ـــــ جو قصرِ خلافت میں دیکھنے میں آتے تھے ـــــ اُن کے سامنے آئے تو وہ باور نہ کر سکے۔ جب باور کیا تو اُس کو اپنے وجود کے اندر سمو نہ سکے جب اُن کو سمو لیا تو بیان نہ کر سکے۔ جب وہ آتشیں راز دل و دماغ کی گہرائیوں سے اُبل کر لب تک آیا تو وہ سامعین کو تسلیم نہ کروا سکے کیونکہ جو عریانی رویّت پر برق خاطف بن کر گرتی ہے۔ وہ سماعت کو کیونکر گوارا ہو سکتی ہے۔ دل کی یہ کیفیت اوائل میں محض بے بسی تھی۔ لیکن یہ بے بسی مداوا نہ پا کر برق و رعد بنی۔ اُس نے مجروح قلب نوجوانوں کو ایک نقطہ پر منظم کیا۔ انہوں نے زیرِ زمین تحریک چلائی۔ کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ اس آتشیں راز کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیتے ـ غالب نے خوب کہا ہے ؎

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

## شکمی پیکار کی فتنہ سامانیاں

ویسے بھی تحلیلِ نفس نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ وہ اذیت و ایذا جو لاشعور میں چلا جاتا ہے وہ تمام شعوری اعمال کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ اس کے شعوری مظاہر میں بجلی کا اثر ہوتا ہے۔ یہی وہ بجلیاں تھیں جو ربوہ میں کوندیں اور ایوانِ خلافت کو متزلزل کر دیا۔ خلیفہ محمود خود یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ کے خوف سے لرزہ براندام ہو گئے اور اُس کے روک تھام کی تدبیریں سوچنے

لگا۔ اُس نے علاج بالمثل کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا۔ وہ فتنہ تھا اپنے بیٹے میاں ناصر احمد کی خلافت کا وارث بنانا۔ اس ترکیب سے اُس نے چاہا کہ لوگوں کی توجہ اُس کے اعمال سے ہٹ جائے گی۔ اور وہ ایک اور فتنے سے اُلجھ جائیں گے لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی کیونکہ اس سے ایک شکمی پیکار کا آغاز ہوا اور اس پیکار سے چند صالح اور سرفروش نوجوان کھل کر سامنے آگئے۔ انہوں نے اپنی مساعی کو منظم کیا اور اس تنظیم کا نام "حقیقت پسند پارٹی" رکھا۔ وہ خلیفہ محمود کے ہتھکنڈوں سے خوب واقف تھے۔ وہ مسائل میں بالکل نہ اُلجھے اور عوام اور حکام کی توجہ کو قصرِ خرافات کے باطنی رازوں پر مرکوز کرنا شروع کر دیا۔ اُن کے جوش و خلوص کا یہ نتیجہ تھا کہ اسلامی اخبارات کا غیور طبقہ اُن کے ساتھ تعاون کرتا رہا۔ ارباب بصیرت کی نظریں بھی مَنْ قَالَ سے زیادہ مَا قَالَ پر لگی رہیں۔ یہ دلیر نوجوان خلیفہ کی سفاکیوں اور تعدّیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے برابر نبرد آزما رہے اور اُس کی بوسیدہ شخصیت کو قادیانیوں اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے سامنے بے نقاب کر کے چھوڑا حتیٰ کہ اُس کی متعفن لاش زمین کا ناسور بن گئی۔

**داغ داغ اُجالا** انہوں نے کمال تدبّر سے خلیفہ محمود کی زندگی کے تاریک گوشوں کو اُجالے میں لانے کی کامیاب کوششیں کیں۔ انہوں نے قادیانیوں کو بتایا کہ تمہارا "اُجالا داغ داغ" اور تمہاری "سحر شب گزیدہ" ہے۔ انہوں نے خلیفہ کے چہرے سے نقاب اُٹھا کر اُس کی لادینی کو لوگوں پر روشن کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو پندرہ سال "ہز ہولی نیس (HIS HOLINESS) کے لقب سے ملقب کرتا رہا۔ وہ اسلام سے کتنا دُور اور کلیسائی شرک سے کتنا قریب ہے کیونکہ اسلام تجسیم خداوندی کا دشمن ہے اور عیسائیت اس کی علمبردار ہے۔ یہ اُن نوجوانوں کی سعی مشکور کا نتیجہ ہے کہ خلیفہ محمود بوکھلا کر توازن کھو بیٹھا۔

خطبات سے اپنے رازوں کو طشت از بام کرتا رہا۔ کبھی اپنے آپ کو "فخرِ رُسل" کہہ کر اسلام اور رسالت مآب کے خلاف بغاوت کرتا رہا۔ کبھی پاکستان اور ہندوستان کی حدِّ فاصل کو مٹانے کے لیے دعائیں کرتا رہا۔ گویا نہ وہ دین کے وفادار نہ وطن کا بہی خواہ۔

اس طرح اس شخص نے اپنی اکاون سالہ خلافت میں دین کے ساتھ تلعب کیا اور شریعت کو بازی گاہ بنائے رکھا اور اپنے فن وفراست اور جماعت کے وسائل وذرائع کو اپنے اعمال کی پردہ داری کے لیے وقف کر دیا۔ اسی تالیف میں اس شخص کی زندگی کو ایک ملّت کے گناہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر جماعت دین کو خلیفہ کی تمناؤں پر مقدّم رکھتی تو وہ آج قعرِ مذلّت میں گر کر تاریخ میں ایک عبرت ناک باب نہ بنتی۔ چونکہ اس معصیت میں ایک ملّت کی ملّت شریک ہے۔ یہ خدا کی تقدیر سے کیسی بچ سکتی ہے۔ یہی وہ المیہ ہے جو اس تالیف میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھ کر ایک قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ قادیانی جماعت کا المناک انجام قریب ہے۔ زمین وآسمان حرکت میں ہیں۔ فطرت کی تعزیریں عمل کے لیے بے تاب ہیں۔ خدا کبھی اس جرم کو معاف نہیں کر سکتا جو ساٹھ سال سے قادیانی نظام کے حدود اربعہ میں ہو رہا ہے ؎

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

# قادیانی سرکس کے مناظر کی تاریخ

وہ شاخِ نور جسے ظلمت نے سینچا ہے
اگر پھلی تو شراروں کے پھول لائے گی
نہ پھل سکی تو نئی فصلِ گل کے آنے تک
ضمیرِ ارض میں اک زہر چھوڑ جائے گی

جارحانہ فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کی عمر اس وقت تقریباً پون صدی ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک دَور تھا جو ۱۹۱۴ء کو ختم ہوا۔ دوسرا دَور محمودی (بلکہ نامحمودی) استبداد کا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال تھی۔ قادیانیوں کے اپنے عقیدہ کے مطابق پہلے دَور کو دوسرے دَور سے وہی تعلق ہے جو شجر کو ثمر سے ہوتا ہے۔ گویا انہوں نے اپنی تحریک کے پرکھنے کی کسوٹی خود ہی تجویز کر دی ہے۔ وہ کسوٹی خلیفہ محمود کی وہ "لن ترانیاں" ہیں جو الفضل کی پیشانی پہ ہر روز جلوہ گر ہوتی رہیں۔ وہ لن ترانیاں قیادت کے مزاج اور جماعت کی ذہنیت کی غماز ہیں۔ ابتداء میں ہی مرزا محمود احمد پہ لیڈری کا کابوس سوار تھا۔ اُس نے جماعت کے پیر پرستانہ جذبے سے فائدہ اُٹھا کر (BRAIN-WASHING) کا عمل حکیم نور الدین کے دَورِ خلافت میں ہی شروع کر دیا تھا۔ اُس نے چالیس آدمیوں کے دستخطوں سے صدرِ انجمن کے خلاف ایک بیان جاری کیا تھا۔ اور اپنے لیے زمین ہموار کرنی

شروع کر دی۔ اب اپنے دَور میں معمولی اختلاف کو بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اپنے پیشرو کی وفات تک اُس نے اپنی زیر زمین سازش کی سُرنگیں دُور دُور تک جماعت میں بچھا دی تھیں۔ اُس کے حریف اگرچہ بے خبر نہ تھے، لیکن بے ہنر ضرور ثابت ہوئے کیونکہ انہوں نے نہ کوئی تدارک کیا اور نہ ہی تابِ مقاومت کا مظاہرہ کیا۔

## سازشوں کا ابوالہول

جونہی حکیم نورالدین کی وفات ہوئی۔ محمودی سازشوں کا ابوالہول نمودار ہوا اور اُس وقت کے اربابِ اختیار جو بانی کے "نورتن" تھے، بھاگ کھڑے ہوئے اُن کا فرار مرزا محمود کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ سو دلیشی خلافت کا تاج پہن کر اُس نے برطانوی حکومت کے ساتھ سیاسی تعلقات استوار کیے اور اُس کی پشت پناہی حاصل کی۔

چونکہ مرزا محمود پچیس سال کی عمر میں ہی "خلافت" پہ قابض ہو گیا تھا۔ اس لیے ڈکٹیٹروں کی طرح نفرت کی فصیلیں استوار کر کے ہی زندہ رہ سکتا تھا اور جماعت کو اپنے ساتھ وابستہ رکھ سکتا تھا۔ اور اس میں کلام نہیں کہ یہ کارنامہ اُس نے اسی طرح انجام دیا جس کی اُسے آرزو تھی۔ اُس نے مسئلہ تکفیر کو خوب اُچھالا۔ اور مسلمانوں سے عمرانی مقاطعہ کر کے جماعت کو تدریجاً اپنے سامنے بے بس بنا کر چھوڑ دیا۔

## ڈکٹیٹرشپ کا پروان چڑھنا

اُس کے قادیان (اور اس کے بعد ربوہ) کی فضا بڑی سازگار ثابت ہوئی۔ قادیان سے باہر مُرید اپنے پیر کی تعلیمات کی پیروی میں مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے کٹ گئے تھے۔ ان کا ملجا و ماویٰ قادیان (ربوہ) بن گیا تھا۔ اس پہ قدرت کی ستم ظریفی کہ "خلیفہ محمود" کو اپنی جماعت کی تربیت کے لیے اس وقت تک (علالت کا عرصہ نکال کر) تینتالیس سال

ملے اور اس طویل مدت میں قادیانیوں کی کئی نسلیں خلافتی استبداد سے بگڑ گئیں۔ خلیفہ محمود کے سارے پروگراموں کا مفاد اُس کی اپنی آمریت کو قائم کرنا اور جماعت میں سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کی ذہنیت پیدا کرنا تھا۔ اس نے جماعت میں اپنے لیے عملاً وہی مرتبہ پیدا کیا جو مذہب میں نبی اور سیاست میں ڈکٹیٹر کا ہوتا ہے۔ اس تخریبی اور ابلیسی تربیت کے لیے اُس نے خواب اور رؤیا کا سہارا لیا۔ کیوں کہ اُن کے سامنے دلیل اور حجت کی گنجائش نہیں تھی۔ اور پھر اپنے "خوابوں" کے قافلے کو اس ہنرمندی اور چابکدستی سے چلایا کہ مُرید اُن کو "الہام" اور "وحی" متصوّر کر کے اپنی عقل کو معطّل کر دیتے رہے۔ جماعت کے اندر جعلی اصطلاحات کو رائج کیا تاکہ کسی مُرید کی نظر اُن کے ذاتی اعمال پر نہ پڑے۔ اگر کوئی بے باک نظر پڑ بھی جائے تو دوسروں کی اندھی ارادت اُس کو بے اثر کر دے۔ اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو مرکز میں خلافت مآب کا معاشی شکنجہ تنقید کی قوتوں کو مفلوج کرنے کے لیے کافی تھا۔ کیونکہ مرکز میں ہی افشائے راز کا خطرہ تھا اور مرکز میں ہی خلافت مآب کی گرفت ہمیشہ آہنی رہی۔

## بائیکاٹ کا جان لیوا حربہ

الفضل کے صفحات سوشل بائیکاٹ کے اعلانات سے معمور رہتے تھے۔ جس کا بائیکاٹ ہوتا اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔ اگر کوئی عزیزترین رشتہ دار مرض اور موت کے وقت بھی اس کے لیے رحم کے جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی معمولی ہمدردی کا کام کر بیٹھتا، یا اُس کا ارادہ کرتا تو اس انحراف کی پاداش میں وہ رُوح فرسا مقاطعہ کا شکار ہو جاتا اور یہ مقاطعہ بڑی بے حیائی اور بے باکی سے یہ اعلان کیا جاتا ___ کہ رسول اللہ بھی معاذ اللہ منحرفین کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھتے تھے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنی آمرانہ ہنرمندی سے "خلیفہ محمود" اپنے

مُریدوں سے اسی قسم کے غیر مشروط اطاعت چاہتے تھے جو صحابہؓ کرام کو حضرت رسول اکرمؐ سے تھی۔ رحمۃ اللعالمینؐ پر یہ ابلیسانہ بہتان کسی قادیانی کو ناگوار نہ گزرا۔ کیونکہ اُن کے دل و دماغ سے اسلامیت کا ابتدائی تصوّر کا ملاً نکل چکا تھا اور کالانعام بل ھم اضل ہو چکے تھے۔ اگر کسی میں اس پر انقباض پیدا ہوتا بھی تو خلافتی استبداد سے ڈر کر اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ یہ اس جماعت کا حال ہے جو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے اور مسلمانوں کو کافر کہہ کر اُن پر غالب آنے کی آرزو رکھتی ہے۔ عملاً محض معمولی اختلاف کے خفیف شبہ پر اس بائیکاٹ کو روا رکھتی تھی جو ابوجہل کی قیادت میں کفارِ مکہ مسلمانوں کے خلاف نافذ کیا کرتے تھے۔

## پاک الفاظ کا ناپاک استعمال

اس خوف و ہراس کی کیفیت کو عقیدت کہا جاتا ہے۔ کتنے پاک لفظ کا کتنا ناپاک استعمال ہے صالح مرشد سے صحیح عقیدت کرگس کو بھی شاہین بنا دیتی ہے لیکن جس عقیدت سے شاہین کرگس بن جائیں وہ ذہنی غلامی کا بدترین نمونہ ہے۔ اس دینیاتی استبداد کو نظام کہا جاتا تھا اور اس نظام کے آئینی ہونے پر اب بھی فخر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جس نظام کا مزاج بُروج پر در ہو اس کو آہنی ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُسی نظام کو آہنی ہونے کی ضرورت ہے جو انسان کی جبلتوں کو مُردہ کر کے زندہ رہ سکتا ہے۔ آہنی نظام اور آئینی نظام میں فرق ہوتا ہے۔ ایک موت وارد کرتا ہے دوسرا حیات بخشتا ہے۔

اس قادیانی نظام میں عقل و خرد کو اس واسطے ذبح کیا جاتا ہے کہ اُن کے فروغ سے صحیح دینی غلبہ کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ قادیانی خلافت کے نظام میں اخلاقی جرائم کی سزا رسمی اور عارضی اور نمائش کے لیے ہوتی ہے۔ ربوہ میں شاید ہی کوئی ایسا ناظر یا "عالم" ہوگا جس پر کسی اخلاقی لغزش کی پاداش میں خلیفہ محمود

نے فردِ جرم نہ لگایا ہو۔ لیکن وہ مجرم کبھی اپنے عہدے سے برطرف نہیں ہوا اگر برطرف ہوا بھی تو بحال بھی ہو گیا۔ عالموں کو "طاغوتی چوہے" اور جمعراتی ملاؤں" کے القاب عطا ہوئے مگر وہ بدستور فائز المرام رہے۔ اُن کے ایک برادرِ نسبتی ناظر امورِ عامہ تھے اُن کے متعلق شارع عام میں بورڈ پر یہ اعلان ہوا کہ وہ عادتاً جھوٹ بولتے ہیں۔ لوگ اُن سے متنبہ رہیں۔ لیکن وہ اپنے منصب سے الگ نہ کیے گئے۔ اس کے برعکس کسی کے متعلق قادیانی خلافت کو یہ شبہ ہو کر وہ اُن کی کسی رائے سے اختلاف رکھتا ہے یا اُس نے کوئی نکتہ چینی کی ہے تو اُس پہ تعزیرات سے عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا۔ گویا قادیانی نظام میں خدائی نافرمانی قابلِ عفو ہو سکتی ہے مگر "خلیفہ" کی نافرمانی کا محض شک بھی ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا ہے اسی واسطے "ایمان بالخلافت" پہ ان دنوں بھی بڑا زور رہے۔

جماعت کے افراد کا بے بس ہو جانا "قادیانی خلافت" پہ ایک سنگین طنز ہے۔

## رِنگ ماسٹر کا کردار

اگر یہ عقیدت بھی سمجھی جائے تو اس میں کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ دوسرے شخصیت کش پیر خانوں کا بھی یہی حال ہے۔ مُرید اپنے مُرشد کی ہر لغزش کو رُشد سمجھتے ہیں۔ ایسی کیفیت کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ ایک نفسیاتی بے بسی ہے جو سرکسی تربیت سے ہر پیر اپنے پیروؤں میں پیدا کر دیتا ہے۔ سرکس کا رِنگ ماسٹر (RING MASTER) درندوں کو سدھا کر اُن سے وہ کام لیتا ہے جو اُن کی فطرت کے منافی ہوتے ہیں۔ سرکس کا شیر اپنے رنگ ماسٹر کے چابک کی آواز پہ ناچتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ درندے کی فطرت کو مسخ کرنا اُس پر احسان ہے۔ ایک عام مداری چڑیا کی ایسی تربیت کر دیتا ہے کہ وہ عام مجمعے میں تماشائیوں کے ہاتھوں سے تانبے چاندی

کے بچے چونچ میں لاکر مداری کی گود میں ڈال دیتی ہے۔ اور اس کام کے لیے اُس کو تماشائیوں کے ہجوم سے ڈر نہیں لگتا۔ لیکن اگر کوئی اپنی ہتھیلی میں دانے رکھ کر اُس کو دکھانے کی کوشش کرے تو نہ وہ دانے دیکھے گی اور نہ وہ اُڑ کر آئے گی۔ اپنی خوراک مداری کے ہاتھوں سے ہی لے گی۔ خلیفہ محمود نے بھی طویل تربیت سے اپنے مُریدوں میں سرکس کے شیر اور مداری کی چڑیا والی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ جس طرح شیر سرکس سے الگ ہو کر جنگل میں نہیں جا سکتا اور چڑیا پنجرے سے اُڑ کر دوسری چڑیوں میں نہیں مل سکتی کیونکہ وہ دونوں اپنی فطری داعیات سے عاری ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ اس مغائرت پر جو اِن میں اور ان کے ہم جنسوں میں پیدا ہو چکی ہے، غالب نہیں آسکتے۔ یہی حال قادیانیوں کا ہے۔ وہ سودیشی خلافت کی خلوتوں کا مشاہدہ کرتے اور تعزیروں کا نشانہ بنتے ہیں۔ لیکن وہ اِس عذابِ حیات سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں۔ " جائیں تو جائیں کہاں "۔

## تنظیم کی خونی قربان گاہ

خلافتی سرکس نے نظام اور تنظیم کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے رحمت اور جماعت کے لیے لعنت بنا دیا ہے۔ قادیانی جماعت میں نظام کی وہی کیفیت ہے جو شریعت کی یہودیوں میں ہو گئی ہے۔

نظام اس وقت تک ہی رحمت رہتا ہے جب تک اُس کا مقصد جماعتی بہبود ہو۔ لیکن جب جماعت کے مفادات نظام کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنے لگیں تو یہ آمریت کا شکنجہ بن جاتا ہے اور جو لوگ نفسیاتی تربیت اور "اضطرارات مشروط" کی تدبیروں سے اس شکنجے میں مقیّد ہو جاتے ہیں۔ ان کی بصارت اور بصیرت ڈکٹیٹر کی مرضی کے تابع ہوتی ہے اور اُن کو کہنا سُننا بیکار ہوتا ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر۔ مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

## شہزادہ ویلز کے حضور مرزا محمود

پہلی جنگ عظیم کے بعد جب شہزادہ ویلز ہندوستان کی سیاحت کے لیے لاہور آیا تو خلیفہ محمود کورنش بجا لانے کے لیے قادیان سے آئے۔ اُس وقت اُن کی موٹر کے پھریرے پر (HIS HOLINESS) لکھا تھا۔ حالانکہ عیسائیوں میں پوپ (HIS HOLINESS) کہلاتا ہے۔ وہ بھی بادشاہوں اور شہزادوں کے پاس نہیں جاتا۔ اس ایک غلامانہ فعل سے خلیفہ کے "فضلِ عمر" بننے کی ملعون تدبیر کی بھی قلعی کھل گئی۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا ربّ ذو الجلال کے علاوہ کسی بادشاہ کے دربار میں جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اُن کی خلافت دُنیاوی بادشاہوں پر بھاری تھی۔ لیکن کہاں قادیانی ناٹک کا بہروپ اور کہاں نقیبِ ختم رسولؐ! لیکن اس خلیفہ کا بیک وقت پوپ کا روپ دھارنا اور اسلام کا نام لینا کسی قادیانی کی عقل و دانش پر گراں نہیں گزرتا۔ چونکہ قیادت کی صحت اور صلاحیت کی بقاء کے لیے جماعت کا غیور ہونا ضروری ہے اور جونہی جماعت میں غیرت ختم ہوتی ہے جماعت کا سربراہ کبائر میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ دنیا میں اُس کا احتساب کرنے والا کوئی نہیں رہتا۔ یہی حال "قادیانی خلافت" کا ہوا۔ مرزا محمود نے جنسی عارضہ سے مغلوب ہو کر وہ وہ حرکات کی ہیں کہ اُن کے بیان کے لیے زبان کے سانچے نہیں بنے۔ اگر اُن کو بیان کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو ادب کی پیشانی پر شکنیں پڑ جائیں۔ قصرِ خلافت عفت اور عصمت کی لاشوں کا قبرستان تھا۔ کیونکہ وہ افعال دیکھنے پر بھی مانے نہیں جا سکتے سُننے پر کیسے تسلیم ہو سکتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے:۔

زندگی جبر کے سانچوں میں ڈھلے گی کب تک
ان فضاؤں میں ابھی موت ملے گی کب تک

## بدنامی سے بچنے کا کمزور سہارا

جب قادیانی خلافت کی سنگین خلوتوں کے رنگین راز باہر فضا میں "نالۂ دل اور دُودِ چراغِ محفل" بن کر پھیلے تو اپنی صفائی میں حضرت فاروق رضؓ سے افضل بننے والے نے یہ مطالبہ کیا کہ ایک واقعہ کے چار گواہ لاؤ۔ کبریائی کا دعویٰ اور صفائی کا یہ معیار! اس طریق سے تو قحبہ خانے کے لوگ بھی زنا کے الزام کی تردید کر سکتے ہیں۔ خدا کے بندے اپنی صفائی کے لیے دُنیاوی عدالتوں کے وضع کردہ حیلوں کا سہارا نہیں لیتے۔ وہ اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے خدا کا فیصلہ طلب کرتے ہیں تاکہ سیاہ وسفید میں تمیز ہو جائے لیکن وہ خلیفہ جو ہر وقت یہ کہتا ہے "خدا کی انگلی ہل رہی ہے، خدا میری طرف بھاگا آ رہا ہے"! اپنی صفائی کے لیے آسمان پر دستک دینے سے خائف ہے۔ تیس سال سے اُس کو مباہلہ کا چیلنج دیا جا رہا ہے۔ مسٹر یوسف ناز کی مؤکد بالعذاب قسم نے تو اُس کو کہیں کا نہیں رکھا۔ اُس نے حلفیہ بیان ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا کہ خلیفہ اپنی ازواج کو خود پیش کرتا تھا (ماخوذ از کمالات محمودیہ صفحہ ۳۹)

یوسف ناز اس کی محفل کا ہیرو تھا۔ اُس نے کراچی کے فرم مختار لمیٹڈ کے مالک کے سامنے وضو کر کے حلفاً کہا کہ وہ اس فعل عدنت کا عینی شاہد ہے۔ اِسی وجہ سے اُس کو خلیفہ کے پاس رسائی تھی۔ قادیانی لوگ اُس کی دست گیری کے محتاج رہتے تھے۔ جب اُس نے خوف خدا سے معصیت سے توبہ کی تو اُس کو جماعت سے نکلنا پڑا۔

## خلیفہ کے ماموں کی شہادت

خلیفہ صاحب کے ماموں نے جو ڈاکٹر تھے ۱۹۳۷ء میں انہی الزامات کے جواب میں کہا تھا کہ جماعت کو ان پر کان نہیں دھرنے چاہییں۔ اگر ان میں حقیقت ہے تو وہ خلیفہ صاحب کی دماغی صحت کے زوال میں جلوہ گر

ہو کر رہے گی۔ چنانچہ اب وہ وقت بھی موت سے پہلے آیا جب خلیفہ کے دل و دماغ پر نسیان اور ہذیان کا غلبہ ہو گیا۔ اُس کی گفتگو غیر واضح۔ اُس کی نماز اور خطبات بے ربط ہو کر اضحوکۂ روزگار بن گئے۔ کیونکہ جس سُرعت اور عجلت سے وہ سجدہ کرتا تھا وہ ایک مجنون کی سیمابی حرکات معلوم ہوتی تھیں۔ لوگوں نے بھی تخلیے میں کہنا شروع کر دیا ہے کہ "خلیفہ صاحب" کے پیچھے نماز کا مقصد فوت ہو جاتا ہے لیکن مسجد میں اُن کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ خدا کے گھر میں قادیانیوں کی نمازیں اُن کی خود ساختہ "خلافت" کے ہاتھوں رسوا ہوتی رہیں اور یہ بول نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ کچھ کہتے اور ترمیم و تنسیخ کے بعد کچھ اور شائع ہو جاتا تھا۔ علماء کا منقار زیر پر ہونا تعجب کا مقام ہے کیونکہ عبادت کی تضحیک پر بھی اُن کی رگِ حمیت نہیں پھڑکتی تھی۔ آخر وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور تڑپ تڑپ کر اور بول و براز میں شرابور ہو کر مرا۔ اُس کے گھر والوں نے یہ انجام دیکھا۔

چونکہ ساری قادیانی ملت اپنے "خلیفہ صاحب" کے جرائم میں شریک رہی ہے اس واسطے خدا کے بطشِ شدید سے بچ نہیں سکی۔ اگر محض "خلیفہ صاحب" کی ذات کا معاملہ ہوتا تو رسّی اور دراز ہو جاتی مگر ساری ملت اپنے کردار کے عواقب سے بچ نہ سکی۔ اور ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو قانوناً غیر مسلم قرار دی گئی۔ اور سُنا ہے کہ اب حرمتِ شراب کے نفاذ کے بعد وہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی طرح بغیر پرمٹ شراب لے سکتی ہے اور اب بنتِ عنب کے عشاق قادیانی بن کر اپنی حرص پوری کر لیں گے یا قادیانیوں کو اپنا ایجنٹ بنائیں گے۔ اب منکرینِ ختمِ نبوت تعزیرِ الٰہی کا شکار ہو کر اُمّ الخبائث کے دامن سے وابستہ ہو کر یہ کہیں گے، دیکھو ہمیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو، اور زمین سے آسمان تک سوختنی کا باب بن کر ختم ہو جائیں گے۔

# مالی خیانت کے لرزہ خیز انکشافات

## قادیانی پولیس افسر کی کھلی چیٹھی بنام

## چوہدری ظفر اللہ خاں

نوٹ :- سابق پولیس افسر (مولوی) صدر الدین (مرحوم) (ساکنہ چک سکندر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات) نے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے نام ایک کھلی چیٹھی (۵ ارمئی ۱۹۵۸ء) میں مختصر طریق سے اپنا تعارف کرایا بطور آڈیٹر اُس پر جن لرزہ خیز مالی خیانت کاریوں کا پردہ چاک ہوا اُن کو اختصار کے ساتھ اپنی چیٹھی میں بیان کیا ہے۔ لیکن جس ناپاک تنظیم میں جان اور ایمان پر ڈاکے پڑ رہے تھے وہاں اپنے ساختہ پرداختہ دینِ لادین کے پردہ میں جو مال اکٹھا کیا جا رہا تھا اس کو کس طرح کھلے خزانے لوٹا گیا۔ پہلے تو مراسلہ نگار کو اپنے عقیدے سے تائب ہونا پڑا۔ اس کے بعد اُس نے دائیں بائیں ہاتھ پاؤں مارے کہ کسی طرح لوٹ کھسوٹ بند ہو۔ اُس نے اُس وقت کی حکومت کو، کبھی سیکرٹریٹ کے سامنے کبھی اسمبلی ہال کے سامنے بھوک ہڑتال کر کے ربوہ کے درونِ خانہ کی مالی عفونتوں کا احتساب کرانے کی سعی بلیغ کی۔ لیکن حکومت نے تعزیری دھمکیوں سے اُس کو بے بس کر دیا۔ حالانکہ اُس وقت کے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید صاحب نے انسداد کا وعدہ

فرمایا۔ لیکن وہ مرکزی حکومت کے کسی اشارہ پر شاید کچھ نہ کر سکے۔ اپنی کوششوں کے ضمن میں اس نے چوہدری ظفر اللہ خان کے دل پر دستک دی۔ شاید کہ اس کے دل میں اُتر جائے اُس کی بات۔ لیکن انکار ختم نبوت کے متعفن حمام میں کون ننگا نہ تھا۔ جتنا کوئی دنیاوی طور پر بڑا قادیانی سمجھا جاتا تھا اتنا ہی اس کی عُریانی ہوشربا تھی۔ چوہدری صاحب مذکور جو خلیفہ کے ساتھ پیرس میں (BLUE CINEMA) بلیو سینما اکٹھے دیکھنے کا شغل فرماتے رہے۔ وہ ایک دیانت دار پولیس آفیسر کے انکشافات سے کیسے متاثر ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لاثانی رفعت کے انکار کی تعزیر میں ان لوگوں کو حسن و قبح، رشد و غیّ، میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے کاملاً محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ اس تاریخی مراسلہ کا مکتوب الیہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (مؤلف)

یہ چیٹھی خلیفہ صاحب کے مسیح موعود کے اقوال کی روشنی میں لکھی گئی تھی۔

**قول ۱** دشنام دہی اور چیز ہے اور بیانِ واقعہ گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے اور ہر ایک محقق اور حق گو کا فرض ہے کہ سچی بات پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دے۔ پھر اگر وہ سچ سن کر برافروختہ ہو تو ہوا کرے۔ (ازالہ اوہام)

**قول ۲**۔ مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی قطع اور یقین پر بنیاد رکھ کر دوسرے کو مفتری اور زانی قرار دیتے ہیں (اخبار الحکم ۱۹۰۲-۳-۲۴)

**قول ۳** مظلوموں کے بخارات نکلنے کے لیے یہ ایک حکمت عملی ہے کہ وہ بھی مباحثات میں سخت حملوں سے سخت جواب دیں۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۰، ۱۱)

**قول ۴**۔ خائن، زانی، فاسق، فاجر، سود خور، ظالم، دروغ گو، میری جماعت میں سے نہیں ہیں۔ (کشتی نوح)

# گذارش احوال واقعی

مکرمی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

چونکہ آپ کو جماعت ہائے احمدیہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ نیز اس کے علاوہ آپ ایک بین الاقوامی شخصیت بھی ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ کی جماعت خاص طور پر عوام الناس کی نظر میں خاص اہمیت رکھتی ہے نیز وقتاً بے وقت جماعت بھی آپ کی شخصیت اور اثر ورسوخ سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور چونکہ یہ عاجز اپنی داستانِ مظلومیت کو فرداً فرداً بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لیے اس کھُلی چِٹھی کے ذریعے آپ کی وساطت سے جماعت ہائے احمدیہ کے فہمیدہ اشخاص سے خصوصاً اور اپنے دوست واحباب سے اور اہل ملک تک عموماً اپنی نحیف اور دردناک آواز گوش گذار کرنا فرض منصبی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میری درد بھری داستان اس شخص کے مظالم کے خلاف احتجاج ہے جو آیاتِ استخلاف کے مطابق خلیفۃ اللہ ہونے کا مدعی ہے اور بقول آپ کے "خلیفہ صاحب" (مرزا محمود احمد) کا ہر ارشاد دین کے معاملہ میں جماعت کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے۔" (بیان تحقیقی عدالت ۱۹۵۳ء) یہ عاجز آبائی طور پر چک سکندر ضلع گجرات کا باشندہ ہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً ۶۲ سال ہے۔ اور میں پیدائشی طور پر جماعت قادیان سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے ۱۹۳۴ء میں دوسری شادی کے بعد مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کر لی

مگر بسلسلہ ملازمت قادیان سے باہر ہی رہا جس کی وجہ سے مجھ پر قادیان کے کسی سربستہ راز کا انکشاف نہ ہوا۔ حتیٰ کہ میں قیام پاکستان کے بعد دوبارہ اپنے سابقہ وطن کھاریاں ضلع گجرات میں بحیثیت مہاجر آباد ہوگیا اور ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے پنشن حاصل کرلی۔ اور ۱۹۵۳ء میں حسب ارشاد خلیفہ صاحب ربوہ چھوٹی سرکار کی ملازمت چھوڑنے کی وجہ سے بڑی سرکار کی خدمت کے لیے ربوہ حاضر ہوگیا۔ جہاں میں خلیفہ صاحب کے حکم سے صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کے حسابات کی پڑتال پر مامور ہوا۔ معمول کے مطابق خلیفہ صاحب کے "مواعظ حسنہ" سے متاثر ہوکر میں نے انتہائی اخلاص اور محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور انجمن میں لاکھوں روپے کا غبن اور مالی بدعنوانیاں ثابت کیں اور ان کو میں نے تحریری طور پر خلیفہ صاحب کے پیش کر دیا۔ چونکہ منبر پر خلیفہ صاحب کے وعظ کا نچوڑ یہ ہوتا تھا کہ دیانت داری ہمارا اصل اصول ہے۔ اور جماعت کی بہترین خدمت یہ ہے کہ بددیانتوں کا سراغ لگایا جائے اور قومی بیت المال کو ایسے لوگوں سے صاف کیا جائے تاکہ اشاعت اسلام کا "بے نظیر" کام صحیح اور عمدہ طریق پر چلایا جائے۔ اور یہ کہ اس خدمت کو انجام دینے والے میری خاص دعاؤں کے مستحق ہوں گے۔ نتیجتہً مجھے بھی اس خدمت کے بجا لانے کا شوق دامن گیر ہوگیا۔ اور مجھے یقین تھا کہ میری دیانتدارانہ محنت کی حقیقی داد دی جائے گی۔ اور ملزموں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی اور میں اس خدمت کے سلسلہ میں حضور کا مقرب بن جاؤں گا۔ حضور خوش ہوں گے تو خدا راضی ہو جائے گا۔ مگر وائے قسمت! کہ بعد کے واقعات نے کچھ اور ہی منظر پیش کیے۔ جن کا اس چِٹھی میں دوبارہ بیان کرنا تضیع اوقات ہے۔ نیز یہ ایک طویل لرزہ خیز داستان ہے جسے چند جملوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ المختصر اس سچ بولنے اور دیانتداری

اخلاص اور تقویٰ کی پاداش میں ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت مجھے قتل کرنے کی سازش کی گئی ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے محفوظ رکھا اور اس طرح جماعت اور حکومت کے سامنے اصل حقائق پیش کرنے کی توفیق ملی -(الحمدللہ) اور آج اس آواز کو اُٹھائے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے ۔ میں نے حق و انصاف حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ مگر خلیفۂ ربوہ اور اس کے رفقاء اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے میرے انصاف حاصل کرنے کی راہ میں حائل رہے ۔ مجھ سے میری جائیداد، اولاد بھی چھین لی گئی ہے ۔

جناب چوہدری صاحب! آپ چونکہ جماعت کے چوٹی کے بااثر بزرگ سمجھے جاتے ہیں اور جماعت کی نظریں بھی خلیفہ کے بعد آپ ہی کی طرف اُٹھتی ہیں ۔ اس لیے میں اس کھلی چٹھی کے ذریعہ آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ایک معزز بین الاقوامی شخصیت ہونے کی حیثیت کا ہی ذرا خیال کرتے ہوئے حق کی آواز اُٹھانے میں میری مدد کریں اور جماعت کے فہمیدہ اصحاب تک اصل واقعات پہنچانے میں تعاون کریں ۔ میری شکایات حسبِ ذیل ہیں جو آپ کی جماعت کے بارے میں ہیں:۔

نمبر ۱:۔

جماعت کے ریزرو فنڈ کا کل سرمایہ کہاں ہے ؟

نمبر ۲:۔

ارکانِ جماعت کی ذاتی امانتوں میں بھی یعنی صیغۂ امانت صدر انجمن احمدیہ اور امانت تحریک جدید سے کئی لاکھ روپیہ کا سرمایہ غائب ہے ۔ یہ سرمایہ کہاں ہے ؟ کس کے استعمال میں ہے اور اب تک اس قدر سرمایہ کس کس کے ذریعہ اور کس کس فرد سے ضائع ہوا ہے ۔

نمبر۳:-
جماعت کا کس قدر سرمایہ تجارتی اداروں، صنعتوں، فیکٹریوں، کمپنیوں ریسرچ انسٹیوٹ میں لگایا گیا ہے اور اُن میں آج تک کیا ہوا ہے۔ گوشوارہ شائع کیا جائے تاکہ حقیقت واضح ہو۔

نمبر۴:-
صدر انجمن احمدیہ رجسٹرڈ اور تحریک جدید انجمن احمدیہ رجسٹرڈ سے کتنے لاکھ روپے پرائیویٹ افراد کے پاس قرض ہیں جس کے ذریعہ وہ لوگ اپنی ذاتی تجارت کرکے مالی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ یہ قرض کتنے سال سے اُن لوگوں کے پاس ہے اور اس کی واپسی کیوں نہیں ہوتی۔ اور انجمن کو اس سے کیا مالی فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

نمبر۵:-
صدر انجمن احمدیہ پاکستان و تحریک جدید یعنی اشاعت اسلام کے دونوں ادارے اور خلیفہ صاحب خود بھی وسیع پیمانے پر احمدیوں سے نفع کے نام پر سودی کاروبار کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام بنیادی طور پر سود کے لین دین کے خلاف ہے۔ اس قول اور فعل کے تضاد کی وضاحت کی جائے۔

نمبر۶:-
حکومت سے انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس بچانے کے لیے جماعت کی طرف سے قائم کردہ لمیٹڈ کمپنیاں جو تقریباً دو درجن سے بھی زائد ہیں جعلی حساب کتاب بناتی ہیں اور اکثر چور بازاری میں اپنے کاروبار کرتی ہیں۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور خلیفہ صاحب ربوہ باوجود ذاتی طور پر ان باتوں کا علم رکھنے کے ان باتوں کا تدارک کبھی نہیں کرتے کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ یہ سب کچھ ان کے ایماء اور ہدایت

پر کیا جاتا ہے۔

نمبر ۷:۔

خلیفہ صاحب ربوہ محمود احمد کے عزیزو اقرباء کے خلاف کس قدر بھاری بھاری رقوم کی ڈگریاں دارالقضاء صدر انجمن احمدیہ (ربوہ) (جماعت کی عدالتِ عالیہ) دے چکی ہے جو بیچارے غریب احمدیوں کی ساری عمر کی پونجی ہے وہ اپنے اخلاص اور عقیدت کے نتیجہ میں بانیٔ سلسلہ کے خاندان کے افراد کی نذر کر چکے ہیں آخر اُن کی ادائیگی میں روک کیا ہے۔ اس کے برعکس خلیفہ صاحب نے جن احمدیوں سے اپنا ذاتی روپیہ لینا ہوتا ہے اُن کو خارج از جماعت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

نمبر ۸:۔

اشاعتِ اسلام کے لیے زندگی وقف کرنے والے اور دوسرے صدر انجمن کے کارکن جو بیت المال سے تنخواہ حاصل کرتے ہیں اور بعض دیگر افراد کے نجی کام کیوں کرتے ہیں آخر ان کے اسباب و وجوہات کیا ہیں۔ کیا یہ قومی اموال میں خیانت نہیں اور ہر طرح قابل مذمت فعل نہیں؟

نمبر ۹:۔

جماعت کے فہمیدہ اصحاب سے اکثر مالی حالات کو چھپایا جاتا ہے اور انجمن کے سالانہ بجٹ میں (صدر انجمن اور تحریک جدید جو دونوں رجسٹرڈ شدہ ہیں) پیش کرنے سے روکا جاتا ہے۔ جماعت کے سامنے آخر ان تمام اُمور کو پیش کرنے سے کیا روک مقام ہے۔ اشاعتِ اسلام کے ادارے میں آخر کیا خفیہ کارروائی ہے جو جماعت کے سامنے رکھنا مناسب نہیں۔ اس سے کیا خطرات ہیں؟

نمبر ۱۰:۔

ربوہ کے موجودہ اربابِ اختیار اور تنظیم کے سربراہوں کے خلاف تعمیری اور

صحت مند تنقید پر مشتمل لٹریچر جن میں بیت المال صدر انجمن کی مالی بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے کے مطالعہ سے جماعت کو منظم طور پر آخر کیوں روکا جاتا ہے۔ جب کہ ان عیوب کی نشاندہی کرنے والے شواہد پر غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اور ان معترضین کا سوشل بائیکاٹ منظم طور پر وسیع پیمانے پر قرار دادوں اور مرکز کے حکم ناموں کے ذریعے کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا اس لیے تو نہیں کہ کہیں حضرات مرکز کی دھاندلیوں اور اصل حقائق سے واقف نہ ہو جائیں۔

نمبر ۱۱:-

خلیفہ صاحب ربوہ (مرزا محمود) پر جماعتی روپیہ کے ناجائز استعمال اور مشکوک ذاتی کیریکٹر کے متواتر الزامات جو بار بار لگائے جا رہے ہیں۔ ان کا جواب وضاحتی بیان سے کیوں نہیں دیا جاتا جب کہ محمد یوسف ناز صاحب آف کراچی مباہلہ کے لیے مرزا محمود احمد کو بار بار دعوت دے رہے ہیں اور بانیٔ سلسلہ کا قول ص۲ اوپر درج کیا گیا ہے ..... اگر مباہلہ مناسب نہ ہو تو پھر ان الزام لگانے والے اصحاب کے خلاف ملکی عدالت میں ہتکِ عزت کا دعویٰ کیوں نہیں کیا جاتا۔ الزامات سے برأت کے یہی دو طریقے ہیں اور محض سکوت اور خاموشی سے الزام نہ صرف قائم رہتا ہے بلکہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ (الخاموشی نیم رضا) اگر موجودہ خلیفہ کی زندگی میں ان الزامات کی صفائی نہ ہو سکی تو اُن کی وفات کے بعد جماعتِ ربوہ مخالفین کے سامنے اُن کا دفاع کیسے کرے گی اور خصوصاً اُن کی اولاد کو صفائی پیش کرنا مشکل ہو گی۔

نمبر ۱۲:-

کیا جماعت ربوہ میرے مندرجہ بالا کسی ایک الزام کی تردید کر سکتی ہے۔ اور سب سے آخر میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ میرے علم مشاہدہ اور

تحقیقات کے نتیجہ سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ نے بھی صدر انجمن احمدیہ کی امانت سے مبلغ پچاس ہزار روپیہ سال ۱۹۵۲ء میں وصول کیا ہے جس کو خلیفہ صاحب نے خفیہ رکھنے کی ہدایت کی ہے اور رقم ابھی تک واپس نہیں ہوئی۔ یہ کیوں۔ بدیں وجہ آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی پوزیشن پبلک کے سامنے واضح کریں۔ اور صدر انجمن احمدیہ رجسٹرڈ کے موجودہ غبن سے لاتعلقی کا اظہار کریں۔ اور میرے الزامات کی تحقیقات کے لیے جماعت کو مجبور کریں۔ اور میرے خلاف موجودہ سماجی بائیکاٹ سے جماعت کو روکیں اور دُنیا کو بتا دیں کہ آپ کی جماعت غیرت ایمانی رکھتی ہے اور پیر پرست نہیں۔ اور اسلام کی صحیح روح اور خدمت اُن کا نصب العین ہے تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اس جماعت کے قول اور فعل میں بڑا تضاد ہے۔

محترم چوہدری صاحب! ہم دونوں ہی تقریباً زندگی کے آخری حصہ میں ہیں۔ اور آخر ہم نے اپنے مولا حقیقی کے پاس جانا ہے اس لیے میں اُس حقیقی عدالت کے عدل و انصاف کی یاد دلا کر آپ کو اپنے فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ آپ جماعت کے فہمیدہ اصحاب کی رہنمائی کریں اور اُن کو صحیح راہ پر لانے کے لیے پہل کریں اور اسی طرح حق و انصاف حاصل کرنے میں میری مدد کریں۔ والسلام۔ ؏

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام۔ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

گجرات مورخہ ۱۵ رمئی ۱۹۵۸ء

خاکسار (مولوی) صدرالدین ساکن چک سکندر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
معرفت، سکرٹری مرکزی حقیقت پسند پارٹی رجسٹرڈ
۸/۱ مدن ولا۔ مسافر گلی۔ کرشن نگر۔ لاہور۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۳۲

(یہ مراسلہ چھپ کر شائع بھی ہوا تھا)

# وظیفہ خوار خلیفہ

## سلب ونہب کی ہوشربا داستان

(سلبِ حیا کی داستانوں کے ساتھ سلب زر جب منفعت کی الف لیلوی داستان ملاحظہ ہو) مؤلف

اب ذرا ان امدادی رقوم پر نظر ڈالیے جو خلیفہ صاحب علی الاعلان انجمن سے وصول کرتے تھے۔ مرزا محمود کے لیے باپ کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء میں ساٹھ روپے کا ایک وظیفہ اُن کی اُس گذر اوقات کے لیے مقرر کیا گیا۔ یہ چیز اب آپ کے دائمی استحقاق میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور خلیفہ بن کر یہ رقم بدستور وصول کرتے رہے۔ خلیفہ صاحب نے غالباً ۱۹۲۴ء میں یہ ڈھونگ کھڑا کیا تھا کہ میرے لیے انجمن ماہوار کچھ رقم مقرر کر دے۔ میں لیا نہیں کروں گا لیکن اس کا مقرر کر دیا جانا بہر حال ضروری ہے کہ آئندہ آنے والے خلیفہ کے لیے راستہ بند نہ ہو جائے۔ اور اس کے لیے بیت المال سے کوئی رقم لینے میں روک نہ ہو۔ یہ ایسا لغو اور مضحکہ خیز عذر تھا کہ حیرت آتی ہے کہ خلیفہ محمود نے اس چیز کو اپنے کاسۂ گدائی کے لیے پردہ کس طرح سمجھ لیا۔ بات صاف تھی خلیفہ صاحب انجمن سے باقاعدہ ایک رقم ہتھیانا چاہتے تھے نام دے دیا اگلے خلیفہ کا۔ اگر محض

" نام نہاد " طور پر ہی یہ رقم رکھی جاتی تھی اور محض خانہ پُری ہی مقصود تھی اور محض ایک راستہ کھولنے کے لیے ظاہری شکل دینا مدِ نظر تھا تو یہ چھ ہزار روپے سالانہ کی رقم کس مقصد سے رکھی گئی ۔ محض ایک روپیہ بطور ٹوکن ( TOKEN ) رکھ دینا کافی تھا ۔ انجمن کو اپنے بجٹ کو متوازن رکھنے کے لیے جو پریشانی اُٹھانا پڑتی تھی اُس میں بہت حد تک کمی آجاتی ۔ لیکن چونکہ اصل مقصد مالی استحصال تھا ۔ چھ ہزار کی رقم مالی بجٹ میں رکھوائی گئی ۔ اس سے بھی بڑھ کر بات سنیے کہ اُس وقت خلیفہ محمود نے پردہ رکھنے کے لیے یہ تو کہہ دیا کہ میں اس رقم کو وصول نہیں کروں گا لیکن آج تک اُس کے مرنے کے بعد بھی اس رقم سے ایک حبّہ بھی انجمن کے خزانے کو واپس نہیں ملا ۔ اور " خلیفہ صاحب " تادمِ مرگ باقاعدہ ابتدارِ سال میں ہی چھ ہزار کی رقم وصول کرتے رہے ۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کی پردہ دری پہ آتا ہے تو بڑے بڑے محتاط اس کی زد میں آنے سے نہیں بچ سکتے ۔ اسی خلیفہ صاحب نے جو بڑی چابکدستی سے اپنے اس مالی استحصال کو چھپاتے آتے تھے خود یہ سال ایسا قدم اُٹھایا جس سے یہ پردہ چاک ہو گیا

**استحصال کی پردہ دری** ۱۹۵۷ء کو خلیفہ صاحب کی پردہ دری سے خاص نسبت ہے ۔ صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ ۵۸-۱۹۵۷ء ملاحظہ کیجیے ۔ " خلیفہ صاحب " کے " نذرانہ " کی یہ رقم جو سالہا سال سے چھ ہزار روپیہ اور جسے محض بطور ( TOKEN ) بجٹ میں رکھا گیا تھا ۔ مرزا محمود کی مالی امداد اُس سے مقصود نہ تھی ۔ صرف یہ مقصد تھا کہ آئندہ کسی آنے والے خلیفہ کے لیے بیت المال کے بجٹ میں رقم کا رکھوانا مشکل نہ ہو جائے ۔ اسے بڑھا کر یک دم بارہ ہزار روپیہ کر دیا گیا ۔ ( بجٹ صدر انجمن احمدیہ ۵۸-۱۹۵۷ء ص ۱۹ )

## مالیات پر دست درازی

بات بالکل صاف اور واضح ہے اگر نذرانہ خلافت کا مقصد خلیفہ صاحب کی مالی امداد نہیں اور اس کی تہہ میں خلیفہ صاحب کو مالی استحصال مدنظر نہیں تھا تو اس رقم کو چھ ہزار رکھوانے کی کیا ضرورت تھی اور اب اس وقت اُسے بڑھا کر بارہ ہزار کس مقصد سے کرایا گیا ہے۔ جب کہ یہ سال جماعت کے چندوں کے لیے بڑا ہی مشکلات کا سال ہے۔ تحریک جدید کو ایک لاکھ کا خسارہ ہے۔ اس کے وکیل المال لکھتے ہیں:

"وکالت مال اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود آمد بجٹ کے مطابق پیدا نہیں کر سکی۔ اس وجہ سے بجٹ غیر متوازن ہو گیا ہے اور ایک لاکھ روپیہ کا خسارہ متوقع ہے۔"

(بجٹ تحریک جدید ۱۹۵۷-۵۸ء)

یہی حال صدر انجمن کا تھا۔ بہت سے ضروری اخراجات میں تخفیف کی گئی تھی۔ کئی ایک ضروری اخراجات ترک کر دیے گئے۔ انجمن کے کارکنوں میں بیس فیصد کی تخفیف کی جا رہی تھی۔ لیکن خلیفہ صاحب کا وظیفہ چھ ہزار سے بڑھا کر بارہ ہزار پورا دوگنا کر دیا گیا تھا۔ خلیفہ صاحب قوم پر اثر تو یہ ڈالنا چاہتے تھے کہ میری وجہ سے صدر انجمن پر کوئی بار نہیں۔ میں خلافت کا کام مفت سرانجام دے رہا ہوں لیکن عملی حالت یہ تھی کہ دو دو ہاتھوں سے سلسلہ کے اموال لوٹ رہے تھے۔

کسی شخص کی حقیقی ضروریات کھانا، کپڑا، مکان، ضروری سفر اور اولاد کی تعلیم کے اخراجات ہوا کرتے ہیں۔ خلیفہ صاحب کے کھانے، کپڑے کے لیے بارہ ہزار روپے بجٹ میں موجود ہیں اور بجٹ کی پوری کی پوری رقم یہ وصول کر لیتے تھے۔ مکانات انجمن نے بنوا کر دے

رکھے تھے ۔ پہلے فوری طور پر ربوہ کی رہائش کے لیے عارضی تعمیر کر کے دی کچھ دن اس میں رہائش رکھی ۔ پھر آدھی عارضی رہائش کے لیے دوبارہ مکانات بنوا کر دیئے ۔

### خلیفہ کے اللّے تللّے

اب تیسرے مرحلے پر پختہ مکانات بن گئے اور سب انجمن کے خرچ پر ۔ آپ کی بیویاں چار ہی رہتی تھیں ۔ اگرچہ ہوش لیوا مرض سے پہلے تعداد میں کمی آگئی تھی ۔ لیکن مکان انجمن سے آپ نے پانچ لے رکھے تھے اور اُن کے ساتھ پائیں باغ بنوانے کا " ارشاد " فرما رکھا تھا ۔ گرمائی مستقر کے لیے جابہ ( نخشاب ) میں کوٹھی تھی ۔ کراچی کی سیر کے لیے وہاں ایک وسیع کوٹھی بن چکی تھی ۔ خلیفہ صاحب کی ضروریات کا یہ سارا بندوبست قوم کے روپیہ سے کیا گیا تھا ۔ سفری ضروریات کے لیے بجٹ میں سفر خرچ کے مصارف کے لیے رقم موجود تھی ۔ (بجٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۵۰-۵۱ء ص ۱۹)
اولاد کی تعلیم کے لیے اتالیق میسر تھے ۔ اور اگر یورپ کی تعلیم کی ضرورت ہو تو اس کے لیے قوم کے عمائدین کی جیبوں پر عجیب و غریب ڈھنگوں سے ڈاکہ ڈالا جا سکتا تھا ۔ موٹریں انجمن نے لے کر دے رکھی تھیں ۔ نجی کاموں کے لیے نوکر موجود تھے ۔ پہرے دار حاضر تھے ۔ ڈیوڑھی بردار دن رات مستعد کھڑے رہتے تھے ۔ یہ سارا بندوبست قوم ہی کے روپیہ سے تو کیا گیا تھا ۔ لیکن ابھی بچارے خلیفہ صاحب کا کسی رنگ میں بار قوم کے سر پر نہیں ۔ یہ اللّے تللّے اب بھی روز افزوں طریق سے چل رہے ہیں ۔
اب تیرہ چودہ کروڑ روپیہ جوبلی کے لیے جمع کر دیا گیا تھا اور اب خطیر رقوم سیاست پاکستان کے بگاڑ میں بڑے انتظام سے لگ رہی تھیں ان حالات میں خلیفہ صاحب کا یہ کہنا کہاں تک درست تھا ۔ " یہ مال دین کی خدمت میں صرف ہوتا ہے اور مجھ کو ذاتی طور پر کوئی نفع نہیں پہنچتا "

## میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے جواب میں

خلیفہ صاحب جس طرح قومی مال کو خُرد بُرد کرتے تھے اُس کے دفاع میں تین جواب ہماری نظر سے آج تک گذر چکے تھے۔

پہلا جواب اُن کے ماموں اور خُسر جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل کے قلم سے تھا جو کہتے تھے کہ لوگ مالیات کے بارے میں خلیفہ صاحب پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ:۔ "قرآن مجید میں خدا نے سلیمان علیہ السّلام کو مخاطب کرکے فرمایا۔ ھٰذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب

(الفضل ۸۔ جون ۱۹۲۶ء)

دیکھیے کس بے حیائی سے ایک ننگ انسانیت وجود کو حضرت سلیمان علیہ السّلام سے مشابہت دی گئی تھی۔ قرآن کی ازلی اور ابدی صداقتوں پر اس طرح حملے اب بھی جاری ہیں۔ موجودہ خلیفہ جو القینا علی کرسیہ جسدا کا مصداق ہے اُس کو حضرت موسٰی علیہ السّلام کا مدعو قرار دیا جا رہا ہے۔

"آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں"

## چور ہے چور

دوسرا جواب خلیفہ صاحب خود فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"تمہاری اور میری مثال تو اس شخص کی سی ہے جو کسی گھر میں اپنا مال رکھے۔ جب لینے جائے تو گھر والا شور مچادے، چور ہے چور ہے۔ (الفضل۔۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء۔ الفضل۔۳ جنوری ۱۹۲۵ء)

تیسرا جواب ملاحظہ ہو۔

"جب یہاں ہمارے عقیدہ کے مطابق خدا تعالیٰ خلیفہ قائم کرتا ہے وہ اگر اموال تلف کرتا ہے یا تلف کر دیتا ہے تو وہ خود خدا کے

حضور جواب وہ ہے ۔ تم اس پر اعتراض نہیں کر سکتے"۔

سبحان اللہ! اس ملعون جماعت کے نزدیک معاذ اللہ خدا ایسے خلیفہ بنایا کرتا ہے ۔ حضرت ابوبکرؓ جسے خدا نے خلیفہ بنایا تو وہ فرماتے ہیں ۔ " اگر میں نیک کام کروں تو میری امداد کرنا اور اگر غلط راہ اختیار کروں تو مجھے فوراً ٹوک دینا ۔ جب تک میں خدا اور رسول کے احکام پر چلتا رہوں تم میرا کہا مانو اور اگر اُن کی اطاعت سے منہ پھیر لوں تو میری بات نہ مانو"۔

لیکن یہ خلیفہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ میری بے راہ رویوں پر مجھے مت روکو ۔ افسوس خلیفہ صاحب مالی استحصال میں کس پست ذہنیت پر اُتر آئے تھے ۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک اجتماعی محاسبہ قوت کے نقدان کی وجہ سے ہو رہا تھا ۔ ہم جانتے ہیں کہ خلیفہ صاحب نے کمال چابکدستی سے اس رُوح کو بیدار ہونے سے روکے رکھا ۔ لیکن ذہنوں میں جو حقائق پرورش پا رہے تھے ، جماعت کا لیڈر طبقہ جس نہج پر سوچنے لگ گیا تھا اُن کی موجودگی میں مقاطعہ و اخراج ، منافقت اور مندرجہ بالا پروپیگنڈے کے کمزور اور لایعنی سہارے اب زیادہ دیر تک کام نہیں آسکتے ۔ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو رہے تھے کہ ساٹھ روپیہ کا یہ وظیفہ خوار تھا جس کے پاس خلافت کے پہلے دن ایک اشتہار چھاپنے کے لیے بھی پیسہ نہ تھا اور جو خود اقراری ہے کہ :-

"بیسیوں مرتبہ میں نے اپنی آمد اور اخراجات کا حساب کیا ہے تو اخراجات ہمیشہ آمد سے دوگنا ہوتے ہیں"۔

(الفضل ۔ ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء)

اور تقسیم ملک کے وقت جس کی حالت یہ تھی کہ وہ خود کہتا ہے :-

"قادیاں سے نکلتے وقت مجھ پر لاکھوں روپیہ قرض تھا ۔ جس کی آدائیگی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ (الفضل ۔ ۷ اپریل ۱۹۵۲ء)

**کروڑپتی خلیفہ** آج وہ لاکھوں کا مالک کیسے بنا۔ ربوہ میں یہ دھڑا دھڑ درجنوں کوٹھیاں کہاں سے بن رہی ہیں۔ ڈھیروں ڈھیر افرادِ خانہ کے ساتھ یورپ و انگلستان کے سفر کس برتے پر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نئی نئی کمپنیوں میں حصّے کہاں سے خریدے جا رہے تھے۔

دُنیا سمجھنے لگ گئی تھی اور خوب سمجھنے لگ گئی ہے کہ خلیفہ صاحب کی ساری دولت گھناؤنے فریب سے بنی ہے۔ خلیفہ صاحب ساری عمر جماعت کے روپیہ میں ناجائز تصرّف کرتے رہے اور مختلف حیلوں بہانوں سے جماعت کی جیبوں سے روپیہ کھینچا گیا۔ ہم نے تو یہاں پر چند اشارے کیے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیلات بڑی لمبی داستان ہے۔ اگر موجودہ خلیفہ صاحب کو ان حقائق سے انکار ہے تو وہ غیر جانبدار آڈٹ کمیشن کو قبول کر کے اخلاقی جرأت کا ثبوت دیں۔ حقائق خود بخود منظرِ عام پر آ جائیں گے۔ آڈٹ کے اخراجات ان کے معترضین ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اور تو خرقے میں سب چھپ جائے گا
"مے کی بوتل" بھی چھپا لی جائے گی؟

غرض لاکھوں روپے بطور خلافت الاؤنس وصول کر کے اور لاکھوں روپے بطور نذرانہ وصول کر کے اور لاکھوں روپے قرضہ جات کے ذریعہ حاصل کر کے اور لاکھوں روپے بذریعہ جوبلی فنڈ وصول کر کے اور لاکھوں روپے خرید و فروخت اراضی کی پُر اسرار راہیں اختیار کر کے اور لاکھوں روپے مساجد فنڈ کو استعمال کر کے اور لاکھوں روپے قومی سرمایہ سے نت نئی کمپنیاں کھول کر اور اُن میں اپنے بیٹوں اور دامادوں کو بطور ڈائریکٹر خطیر تنخواہیں دلوا کر لاکھوں

روپے زکوٰۃ فنڈ کے وصول کر کے، یہ قوم کا غمخوار خلیفہ بڑا اسرار، ساٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ خوار عمر بھر دُنیا میں العیاذ باللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے اور اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے نعرے لگاتا رہا اور یہ ساٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ خوار کروڑوں روپے کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا مالک بن گیا۔ قوم گمراہی میں چندے دے دے کر تھک گئی۔ لیکن اس نام نہاد خلافت کی جملہ مزعومہ برکات خلیفہ صاحب خود سمیٹ کر آج اپنی اولاد کو وصیت کر رہے ہیں کہ میں نے تمہارے ساتھ بڑی خیر خواہی کی ہے۔ واقعی ساٹھ روپے کے خلیفہ خوار کا اولاد کے لیے کروڑوں روپے کی جائیداد بنا ڈالنا بڑی بھاری خیر خواہی ہے۔

# خلافت جوبلی فنڈ

جس کی تحریک بھی "حضور" ہی کے ایماء پر چوہدری ظفر اللہ خاں نے کی اور مدتوں الفضل میں پروپیگنڈا کر کے اور چوہدری صاحب موصوف نے شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں تین لاکھ کی رقم جناب خلیفہ صاحب کی جھولی میں ڈال دی۔ پہلے تو اس امداد کو چندہ قرار دیا گیا اور جماعت کو بتایا گیا کہ یہ چندہ قومی ضروریات اور سلسلہ کے مفاد ہی پر خرچ ہو گا۔ اعتراض پر مرزا بشیر احمد نے بیان دیا کہ

"بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خلافت جوبلی کا چندہ کہاں خرچ ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رقم جمع کر کے "حضرت امیر المومنین" ......کے سامنے پیش کی جائے گی اور حضور اس سلسلہ کے مفاد ہی میں جس طرح پسند فرمائیں گے خرچ فرمائیں گے (الفضل ۔ ۴ارجنوری ۱۹۳۹ء)

اور یہ وعدے دے کر اور اس طرح جوش دلا کر کر۔

" خلافت جوبلی کی تقریب تاریخِ اسلامی میں اپنی نوعیت کی پہلی اور نادر تقریب ہے"۔ (الفضل ۔ ۲۵ / مارچ ۱۹۳۹ء)

اور

" وفد بھیج کر لوگوں سے اُن کی ماہوار آمد سے ڈیڑھ گنا چندہ طلب کر لیا گیا"۔ (الفضل ۔ ۹ / فروری ۱۹۳۹ء)

اور آخر میں اُسے خلیفہ صاحب کی خدمت میں اُن کی ذاتی ضروریات کے لیے نذرانہ قرار دے کر کلیتہً اُن کے تصرّف میں یہ ساری رقم دے دی گئی۔ اوّل اوّل تو خلیفہ صاحب نے بھی اس رقم سے لاکھوں لاکھ ٹریکٹوں کی اشاعت وغیرہ کا ذکر کر کے حساب برابر کر دیا۔ لیکن اس کا انجام بڑی دلچسپ تاریخ ہے۔

خلیفہ صاحب کو نذرانہ دینے کے لیے جوبلی فنڈ کی تحریک مالی لحاظ سے کن نازک ایام میں ہوئی اس کا اندازہ خلیفہ صاحب کے الفاظ سے کیجیے۔ مجلس مشاورت ۱۹۳۸ء کا افتتاح کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے فرمایا۔

" مالی قربانیوں کے لحاظ سے جماعت کے لیے یہ نازک ایام ہیں۔ صدر انجمن کے قرضہ کی مقدار چار لاکھ تک پہنچ گئی ہے"

(الفضل ۔ اپریل ۱۹۳۸ء)

سوال یہ ہے کہ جب جماعت کے لیے مالی لحاظ سے نہایت نازک ایام تھے اور انجمن چار لاکھ کی مقروض ہو چکی تھی۔ کارکنوں کو تین تین ماہ کی تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں تو ایسے نازک اور مخدوش ایام میں جوبلی فنڈ کی تحریک کیوں چلائی گئی۔ کیا اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ قوم اپنے پیٹ کاٹ کر اور انجمن کا خزانہ اپنا روپیہ اُگل کر تین

لاکھ روپیہ خلیفہ صاحب کی جھولی میں ڈال دے۔ کیا خلیفہ صاحب کا فرض نہیں تھا کہ اپنی جیب میں تین لاکھ روپیہ ڈلوانے سے پہلے سلسلہ کا چار لاکھ روپیہ قرض ادا کرنے کا انتظام کرتے۔ فی الحقیقت جوبلی کی تحریک خود خلیفہ صاحب نے کروائی۔ ۱۹۳۱ء میں ایک موقع پر فرمایا:-

"ہم کو اس سال چالیس سالہ جوبلی منانی چاہیے"۔

(الفضل - ۱۲ رمضان ۱۹۳۱ء)

حدیث شریف میں آتا ہے۔

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ

خلیفہ صاحب کی ناشکرگذار اور احسان فراموش طبیعت کا ان الفاظ سے اندازہ کیجیے:-

"جو شخص مجھ کو کوئی تحفہ دیتا ہے وہ مجھ پر احسان نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ اس ذریعہ سے اُس پر احسان کرتا ہے"۔

(الفضل - ۴ - اکتوبر ۱۹۲۴ء)

## لوٹ کھسوٹ کے ہتھکنڈے

خلیفہ کی مالی پالیسی کو دیکھو برابر وہ جماعت کو کہتے چلے گئے کہ میں تمہارے لیے ریزرو فنڈ تیار کر رہا ہوں۔ میں ایسی جائداد بنا رہا ہوں جس سے سلسلہ کی "تبلیغی" ضروریات کے لیے روپیہ مہیا ہوتا رہیگا تحریکِ جدید گذشتہ بیس اکیس سال سے اس ریزرو فنڈ اور "قیمتی" جائدادوں کے بنانے میں مصروف بیان کی جاتی ہے۔ پھر کمپنیوں اور تجارتوں میں بیوقوف جماعت کا لاکھوں روپیہ یہ کہہ کر تلف کروا دیا کہ بڑے بڑے منافع ہوں گے۔ اور فریب کارانہ مشن ان ہی کی آمد

سے چلا کریں گے۔

آج تک ان فریب خوردہ لوگوں نے ایسی تجارتوں اور کمپنیوں سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ خدا نے ان کا وہی حشر کیا جس کے یہ مستوجب تھے۔ احمدیہ سٹور کا کیا حشر ہوا۔ گلوب ٹریڈنگ کمپنی کہاں گئی۔ گٹ فیکٹری کا کیا نتیجہ ہوا۔ سٹار ہوزری کہاں دم توڑتی رہی ہے دار الصناعت کے پرزے کیا ہوئے۔ "ہمالیہ گلاس فیکٹری کہاں کھپی۔ ویدک یونانی دوا خانہ زینت محل دہلی" کا کیا بنا۔ سندھ ویجی ٹیبل آئل اینڈ الائڈ کمپنی اب تک کتنا منافع دے چکی ہے۔

بے راہ رو جماعت کا لاکھوں روپیہ اس طرح برباد کروا دیا گیا کہ یہ سلسلہ ڈوبنے والی تجارتوں کے لیے قائم ہوا تھا۔ کیا کبھی الٰہی سلسلوں نے بھی تجارتوں اور صنعتوں کے بل بوتے پر اپنی اشاعت کی ہے۔ اصل میں اس "جماعت" کا دین سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس لیے مالِ حرام جائے حرام رفت کا معاملہ کرکے خدا نے اس کو دُنیا میں بھی جعلی خلافت کے ہاتھوں سزا کا مزا چکھا دیا۔

خلیفہ نے درجنوں مشترک سرمایہ کی کمپنیوں میں جماعت کا لاکھوں روپیہ پھنسا کر رکھا ہوا ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ خلیفہ صاحب نے ایسی کمپنیوں میں کچھ روپیہ اپنے بیٹوں اور دامادوں کے نام سے بھی لگوائے ہیں اور پھر انہیں اس کمپنی میں ڈائریکٹر، مینجنگ ڈائریکٹر، اور چیئرمین بھی بنوا دیتے ہیں اور اس طرح نہ صرف قوم کے خرچ پر ٹریننگ دلوانے ہیں بلکہ سفرخرچ، اجلاسوں کی شرکت کی بھاری فیسوں اور بعض معلوم اور غیر معلوم طریقوں سے اُن کی آمد کی سبیلیں پیدا کرواتے ہیں۔ اور خلیفہ صاحب کی اپنی اولاد کی آمدنیوں کا بہت بڑا حصّہ انہیں کمپنیوں کے حصص اور اُن کی ڈائریکٹریاں

اور صدارتیں ہیں۔

آخر تک قوم کو یہ کہتے چلے گئے کہ بڑا عظیم الشان ریزرو فنڈ قائم ہو رہا ہے۔ روپیہ منافع پر لگا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مفید کام اس سے انجام پذیر ہوں گے۔ بتلاؤ غور کرو، اب تک پرائیویٹ اور پبلک لمیٹڈ اور غیر لمیٹڈ کمپنیوں پر بے شمار روپیہ صرف ہو چکا ہے قوم مقروض پر مقروض ہوتی چلی گئی۔ تجربہ پر تجربہ فیل ہوتا رہا۔ آپ کو آخر کس حکیم نے نسخہ بتایا ہے کہ تجارت کرواتے چلے جائیں اور خسارے کے سودے بند نہ ہوں اور ان معاملات کو قوم کے سامنے کبھی نہ لائیں۔

# امانت فنڈ

صدر انجمن احمدیہ پر لاکھوں روپیہ کی ذمہ داری امانت فنڈ کے نام سے موجود ہے۔ یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ لیکن خلیفہ صاحب مختلف آنوں بہانوں سے اسے قوم کے سر پر اپنی موجودہ شکل میں مسلط کیے رکھنے پر مصر تھے۔ قطع نظر اس کے جو اس نے اب ایک بظاہر باقاعدہ لیکن درحقیقت بالکل بے قاعدہ بینک کی شکل اختیار کر لی ہے جسے سٹیٹ بنک آف پاکستان اور کواپریٹو سوسائٹی کے مرکزی دفتر کی اجازت کے بغیر چلایا جا رہا ہے جو آئینی رنگ میں سخت قابلِ اعتراض بات ہے

# مسجدوں کا روپیہ تجارتوں پر

خلیفہ نے خانۂ خدا کی تعمیر کو بھی استحصالِ مال کا ذریعہ بنا رکھا

تھا۔ مثال کے طور پر اس راہ گم کردہ جماعت کی سب سے پہلی مسجد لندن میں بنی۔ معروف مسجد جرمنی کا حال سُن لیجیے جہاں کی مسجد کے لیے اب دوبارہ فرینکفورٹ (جرمنی) کے نام سے چندہ مانگا جا رہا ہے۔ لندن کی مسجد کے لیے ایک لاکھ روپیہ جمع ہوا تھا اور ستّر ہزار روپیہ برلن (جرمنی) کی مسجد کے لیے جمع ہوا تھا۔" (الفضل ۹ر نومبر ۱۹۳۶ء)۔

لیکن جرمنی میں تو مسجد بنوائی ہی نہ گئی اور لندن کی مسجد کے لیے جو زمین اُس وقت خریدی گئی تھی۔ اُس پر بہت تھوڑی رقم صَرف ہوئی تھی۔ کیونکہ پٹنی جہاں یہ مسجد ہے مضافات لندن میں واقع ہے اس پر معترضین نے شور مچایا کہ جناب ایک لاکھ ستّر ہزار روپیہ مسجدوں کے نام سے وصول کیا گیا ہے۔ خریدِ زمین پر تو معمولی رقم صرف ہوئی۔ یہ باقی کا روپیہ کہاں گیا؟ بڑا ٹیڑھا اور بے ڈھب سوال تھا۔ اس لیے پہلے تو فرمایا:۔

"یہ فتنہ گردوں کی فتنہ گریاں ہیں جو جماعت کو پست کرنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔

(الفضل۔ ۹ر نومبر ۱۹۳۶ء)

لیکن سوال بڑے پتے کا تھا۔ جواب کے بغیر چارہ نہ تھا۔ فرمایا:۔

"اس میں سے ستّر اسّی ہزار روپیہ مکان اور فرنیچر وغیرہ کے خریدنے پر صرف ہوا اور ساٹھ ہزار روپیہ سے تجارتی کام چلایا گیا۔۔۔۔۔۔۔تیس ہزار کی یہاں جائداد خریدی گئی ہے۔"

(الفضل۔ ۹ر نومبر ۱۹۳۶ء)

ملاحظہ کیجیے کہ کس طرح مساجد کی تعمیر کے لیے بٹورا ہوا روپیہ فرنیچر وغیرہ کے خریدنے، تجارتی کام چلانے اور قادیان میں جائیدادوں

کی خرید پر صرف کر دیا گیا۔

جب قوم نے مساجد فنڈ کا حساب پوچھا تو آخر بادلِ نخواستہ انہیں اقرار کرنا پڑا کہ میں نے اس میں سے روپیہ نکلوا کر تجارت پر لگا دیا ہے۔ یہ جُرم بھنوں کی آنکھیں کھولنے والا تھا۔ اس لیے ان کی آنکھوں کو موندنے کے لیے کئی ایک حربے استعمال کیے گئے۔ کبھی تو یہ کہا گیا کہ یہ باتیں کرنے والے منافق اور متفنّی ہیں۔ یہ لوگ جماعت کو پست کرنے والے ہیں۔ باقی رہا روپیہ تو مساجد سے بھی زیادہ بابرکت کام پر صَرف ہوا ہے اور لگے سبز باغ دکھانے، اس کی آمد سے ابداآباد کے لیے لندن مشن چلا کرے گا۔ اور سلسلہ کے چندوں پر اس مشن کا بار نہیں رہے گا۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ایک ہی خطبہ میں اس بارے میں تضاد بیانیاں شروع کر دیں کہ اس تجارت پر کتنا روپیہ لگا ہوا ہے۔ پہلے کہا ساٹھ ہزار، پھر کہا پچھتّر ہزار اور پھر کہا ستّر ہزار، وافقتاًیہ تھا اسّی ہزار۔

(الفضل ۹۔ نومبر ۱۹۳۶ء)

# شیخ مصری کا نفسیاتی تجزیہ

"قبیس تصویر کے پردے میں بھی عُریاں نکلا"

شیخ مصری نے تین خطوط لکھے اور بیعت ترک کر کے نبرد آزما ہوا۔ یہ جرأت کسی باغی نے اُس وقت تک نہیں کی تھی۔ اس کا ایک خط بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ شخص منکرینِ ختمِ نبوت کے سربراہ ثانی کا ایک ایسا مُرید تھا، جو جب تک مُریدی کی زنجیر میں اسیر رہا اُس نے اپنا ذہن، اپنا علم بلکہ اپنا سب کچھ اپنے سربراہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اُس کے تاریخی خط کو درج کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی دینِ حقیقی سے مغائرت اور غیرت فروش مُریدی کی ابتداء اور انتہا کا ذکر کیا جائے تاکہ خط کی زلزلہ خیز اہمیت قارئین پر اُجاگر ہو جائے۔ یہ لاہور میں ہندو گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کا ہندوانہ نام شنکر داس تھا۔ اُس نے ۱۹۰۵ء میں اپنا آبائی مذہب چھوڑا اور قادیانی جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہ خوش رنگ پست قامت نوجوان تھا۔ یہ بڑا ذہین تھا جدّی وراثت سے خوشامد اور بڑوں کی رضاجوئی کا ملکہ ملا تھا۔ ان اوصاف کی بدولت وہ نوزائیدہ اور اسلامی معاشرہ سے منحرف جماعت میں جلدی گھل مل گیا۔ ذہانت اور محنت سے اُس نے اپنی نئی جماعت کی رائج کردہ "اسلامی" تعلیم میں نوجوانی میں ہی امتیازی مرتبہ

حاصل کر لیا۔ ۱۹۰۸ء کے بعد وہ زیادہ تر جماعت کے سربراہ کی صحبت میں رہنے لگا اور اتنا قریب ہو گیا کہ اُس کو سربراہ اوّل نے تعلیم اور تبلیغ کے لیے مصر بھیج دیا۔ اس کی اپنی روایت ہے کہ وہ مصر کے مایۂ ناز مفسّر رشید رضا صاحب کا ہم جماعت تھا۔

## لاہوریوں کا قادیان سے فرار

مصر سے واپسی کے بعد قادیان میں اُس نے حالات کو بدلا ہوا پایا۔ ۱۹۱۴ء میں سربراہ اوّل نے وفات پائی اور بانیٔ سلسلہ کا بیٹا پونے پچیس سال کی عمر میں جماعت قادیان کا سربراہ بن گیا۔ اُس نے طویل مدت تک بڑی چابکدستی سے زیرِ زمین سازش قائم کر رکھی تھی۔ جونہی سربراہِ اوّل بہت لمبی بیماری کے بعد وفات پا گیا۔ تو انتخاب کے وقت مرزا محمود احمد کے (STORM TROOPERS) (طوفانی دستے) مصروفِ کار خاص تھے۔ اُن کے سامنے قادیان کے بڑے لوگوں کی جن کے ہاتھ میں زمامِ کار تھی، پیش نہ گئی۔ اُن کے اعصاب پر اُس نے یہ کہہ کر چھاپہ (COMP) مارا کہ اُس کا باپ نبی تھا اور اُس کے نہ ماننے والے (معاذ اللہ) کافر ہیں۔ یہ تدبیر کام کر گئی۔ اُس کے حریف لوگ جو بہت تھوڑے رہ گئے تھے قادیان سے فرار ہو کر لاہور میں رام گلی میں آ گئے۔ کیونکہ اس گلی میں اُن کے چند سربرآوردہ افراد رہتے تھے۔ ان کی وجہ سے اس رام گلی کا وہ حصہ جو برانڈرتھ روڈ کے ساتھ تھا احمدیہ بلڈنگس کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ لاہوری جماعت کہلائے۔

## ہٹلر معکوس کا ٹولہ

جس طرح مرزا محمود برسرِ اقتدار آیا۔ اُس کا تقاضا تھا کہ اُس کو اپنے ڈھب کے کچھ اہل علم لوگ ملیں۔ کچھ اہلِ قلم دستیاب ہوں اور کچھ چرب زبان

مفرز ملیں۔ تاکہ نئے اور ترقی یافتہ فتنے کا کاروبار چلے۔ اہلِ علم میں یہ شیخ مصری اور میر محمد اسحاق تھے۔ لکھاڑو قسم کے لوگوں میں اس کو شیخ یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر الحکم اور مفتی محمد صادق ایڈیٹر البدر اور میر قاسم علی ایڈیٹر الفاروق مل گئے۔ آخر الذکر دہلی کا باسی ہونے کی وجہ سے بڑا طرّار قسم کا سٹیج مقرر تھا۔ اس کی تحریروں میں بھی سوقیانہ ڈرامائیت تھی۔ یہ سب لوگ باری باری اپنے ساختہ پرداختہ ہٹلر معکوس کے مظالم کا شکار ہو کر رہے اور صید زبوں ہو کر دُنیا سے رخصت ہوتے۔ سب سے زیادہ اہم اوّل الذکر شخص شیخ مصری تھا۔ یہ فحش نگاری کا اہل نہ تھا اور نہ ہی شعلہ بیان تھا۔ یہ ایک لفظ میں ادا ہونے والی بات کئی فقروں میں ادا کرتا تھا۔ فقروں میں ادا ہونے والی بات کئی صفحوں پر پھیل جاتی تھی۔ ویسے سوسائٹی میں عبس و تولی ہو کر رہتا تھا۔ سربراہ ثانی کے قرب نے اس کے مزاج کو خاصہ بگاڑ دیا تھا۔ ویسے اس بستی کے شہرہ آفاق جنسی معائب اور مالی خیانت کاریوں کے الزام سے وہ جب تک وہاں رہا، پاک رہا۔ وہ اپنی دربارداری کی وجہ سے بڑا نامقبول تھا۔ چونکہ اس کے خلاف اخلاقی قسم کے سنگین الزامات کبھی نہیں لگے۔ اس لیے "سربراہِ ثانی" کے لیے اس کا شب و روز بہت مفید تھا۔ خلیفہ کبھی پسند نہ کرتا تھا کہ اُس کے حاشیہ نشین افراد لوگوں میں معتبر منقتور ہوں۔ نہ ہی اس کے لیے وہ لوگ کار برار تھے۔ جو اُس کے معائب کے پردے میں گناہگاریوں کے ارتکاب کرتے رہیں۔ "خلیفہ" چاہتا تھا کہ وہ اُس کے افعالِ ناقصہ کے لیے فصیل ہوں نہ کہ وہ بھی جرائم اور خباثت کی پردہ داری اور مدافعت کرتا رہے۔ اس اصول کے مطابق مصری سے بڑھ کر اُس کے اثم

اور عدوان میں کوئی کامیاب معاون نہ بن سکا۔

## مرید آمریت کے شکنجے میں

جب احرار نے فتنہ انکار ختم نبوت کے خلاف محاذ گرم کیا اور اپنا ایک عالم مولوی عنایت اللہ صاحب بھیجا اور مسلمانوں اور دوسرے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا تو "خلیفہ" نے اپنی حفاظت اور مریدوں کی "حماست" کے لیے آمریت کا جال بچھایا اور جاسوسی کاروبار کو فروغ دے کر اپنوں اور غیروں کو ہراساں کر دیا۔ اس سیاق و سباق میں مصری نے سی۔ آئی۔ اے کا کام کیا۔ وہ الفضل میں بھی اس کی قصیدہ خوانی کر کے باہر کی جماعتوں کو اندھیرے میں رکھتا تھا۔ جلسوں میں تھکا دینے والی تقریریں کرتا تھا۔

## مصری کی سمال ٹاؤن کمیٹی کی رکنیت

ان خدمات کی بدولت اس کو قادیان کی سمال ٹاؤن کمیٹی کا نامزد رکن کرایا گیا۔ وہ کمیٹی کے اجلاسوں میں اس انداز سے باتیں کرتا گویا کمیٹی صدر انجمن احمدیہ کی اضافی شاخ ہے۔ اس لیے جب لوکس ٹیکس کی نادہندگی کے خلاف کسی اقدام کا فیصلہ ہوتا تو وہ روک بن جاتا۔ قادیان میں "خلیفہ" نے گلمرگ کی سی آبادی دارالصدر بنائی اور اپنی کوٹھی دارالحمد کے علاوہ اپنے زلہ برداروں کے مکانات تعمیر کرائے۔ وہ سمال ٹاؤن کمیٹی کے دائرۂ اختیار سے باہر تھے۔ لیکن مصری نے بڑا زور لگایا کہ کمیٹی شہر سے اس بستی تک پختہ سڑک بنائے۔ چونکہ یہ قانوناً ناممکن تھا اس لیے مصری کی بیل منڈھے نہ چڑھی۔ لیکن اس ناکامی کا انتقام اس طرح لینے کی سعی لاحاصل کی کہ اس نے سارا بارِ ملامت کمیٹی کے چیئرمین کے سر پہ ڈال دیا۔ یہ چیئرمین مولوی محمد دین کے نام سے قادیان کی

ساری آبادی میں معروف تھے۔ اپنی جماعت میں ضدی مشہور تھے۔لیکن اپنی جماعت سے باہر حتیٰ کہ ضلعی حکام میں اُن کی سادگی اور راست گوئی کی بڑی شہرت تھی۔ اس لیے وہ خلیفہ کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے کیونکہ ناجائز سفارشات کو وہ ردّ کر دیتے تھے۔ چونکہ وہ جماعت کے ہائی اسکول (تعلیم الاسلام ہائی سکول) کے ہیڈ ماسٹر بھی تھے۔ اس لیے ان کو انجمن کے اور "خلیفہ" کے اقتدار کو محکمہ تعلیم کے اختیار کے ساتھ متوازن رکھنا پڑتا تھا۔ اس رویّے سے "خلیفہ" کو چڑ تھی۔ اس لیے وہ مولوی محمد دین سے مسلسل ناراض رہا۔ ایک دفعہ اُس نے "خطبہ" میں کہا تھا کہ مولوی محمد دین کی ہیڈ ماسٹری میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں "قادیانیت" کے خلاف بم طیّار ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ مصری موقعہ بے موقعہ ہائی سکول کے اس بے باک ہیڈ ماسٹر کے خلاف محاذ آرائی کرتا رہتا تھا۔

## عبدالرحیم درد کا فتنہ

جب مصری "خلیفہ" کی کوٹھی تک سڑک بنوانے میں ناکام ہوا۔ اور "خلیفہ" بھی اس بارے میں خائب و خاسر رہا تو مصری کو ایک اور موقعہ ہاتھ آ گیا۔ "خلیفہ" کا ایک ناظر بہت منظورِ نظر تھا وہ تھا عبدالرحیم درد۔ وہ ناظر تعلیم و تربیت تھا۔ اس کے رویّے سے تمام ماتحت تعلیمی ادارے نالاں تھے۔ وہ جب قادیان سے باہر کسی شہر میں بطور معلّم کے ملازم تھا تو وہ چھٹی لے کر قادیان میں آن کر سکول میں ملازم ہو گیا۔ اور وہ بدستور دو مقامات سے تنخواہیں لیتا رہا۔ جب یہ جرم طشت از بام ہوا تو مولوی محمد دین نے انکشافِ راز میں کوئی لیت و لعل نہ کیا۔ اس لیے جب عبدالرحیم درد قادیان میں آن کر مولوی محمد دین کا افسر لگا، تو اُس نے بھی بڑھ چڑھ کر خفیف سرکتیں

گیں۔ اب مصری اور درد کا متحدہ محاذ بن گیا اور اُن کا "کانڈ" خلیفہ خود تھا۔

درد کی مقبوریت بڑھتی جا رہی تھی۔ کیونکہ وہ شخص جس طرف اُلٹو "درد" ہے کا مصداق تھا۔ خلیفہ نے اس کو لندن میں اپنی "مسجد" کا امام بنا کر بھیج دیا۔ جب ریلوے اسٹیشن پر مشایعت ہو رہی تھی تو اُس وقت ایک اور "مبلّغ" فضل الرحمٰن حکیم نائیجریا روانہ ہو رہا تھا۔ زخم خوردہ طلباء کو موقعہ غنیمت ہاتھ آیا۔ انہوں نے صرف فضل الرحمٰن سے مصافحہ کیا اور درد کو کمال بے دردی سے چھوڑ دیا۔ "خلیفہ" بھی وہاں تھا۔ لیکن اُس کو علم نہ ہوا۔ شیخ مصری نے فوراً "خلیفہ" کی توجہ اس منظر کی طرف مبذول کرائی اور کہا کہ حضور آپ کی موجودگی میں یہ احتجاج بے باکی سے ہو رہا ہے۔

## شیخ مصری کی گہری چال

شیخ مصری نے اس عیّاری سے "خلیفہ" کو مشتعل کیا کہ "خلیفہ" نے دوسرے دن جمعہ کے خطبہ میں ساری جماعت کو "ابلیس کی اولاد" اور "شیطان کی ذریّت" کہا۔ اور سخت تعزیری کارروائی کی دھمکی دے کر ایک کمیشن مقرّر کیا جس کے ارکان مرزا بشیر احمد "خلیفہ" کا منجھلا بھائی ـــ اور ایم۔ ایم احمد کا باپ چوہدری فتح محمد سیال۔ مولوی شیر علی اور مفتی محمد صادق تھے۔ اور "خلیفہ" خود صدر تھا۔ کارروائی کے لیے دو زود نویس تھے۔ ایک الفضل کا ایڈیٹر غلام نبی بلانوی اور دوسرا فخرالدین جو کچھ عرصے کے بعد "خلیفہ" کی سیکورٹی فورس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور طویل مقدمہ کے بعد اس کا قاتل پھانسی لگا اور اُس کی لاش قادیان میں زیارت گاہ بن گئی۔

ہائی کورٹ کے اُس وقت کے چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ نے فیصلہ لکھا اور حکومت کے ایماء پر یہ فیصلہ ہندوستان کے تمام مشہور روز ناموں میں شائع ہوا تھا۔

یہ کمیشن پندرہ دن کام کرتا رہا اور سارے شہر پر خوف مسلّط تھا۔ اس کارروائی کے دوران مؤلف کے سامنے مصری نے "خلیفہ" سے کہا کہ یہ ساری شرارت مولوی محمد دین کی ہے۔ چونکہ مؤلف "خلیفہ" کی مستورات کا اتالیق تھا اور مصری بھی عربی کا اتالیق تھا۔ اس لیے خلیفہ کی شام کی چائے پر مؤلف اور مصری اکٹھے تھے۔ اس لیے مصری کی غمازی کا علم ہوا۔ مصری کی بات سے خلیفہ سیخ پا ہو گیا۔ ازاں بعد مؤلف نے الفضل کے نائب ایڈیٹر رحمت اللہ شاکر کو جب وہ کمیشن کے سامنے پیش ہو کر واپس جا رہا تھا اتفاقاً کہہ دیا کہ مولوی محمد دین کے خلاف الزام مصری کی سازش ہے کیونکہ وہ تو الوداعی طور پر درد کو خود ملے تھے۔ اس پر مؤلف کو "خلیفہ" نے سمن کر لیا۔ اور آٹھ گھنٹے تک جرح ہوتی رہی۔ لیکن "خلیفہ" اپنے ارادے میں سُرخرو نہ ہو سکا۔ گویا یہ آفت بھی مصری نے برپا کی تھی۔ اس وجہ سے وہ ہر وقت ہر بات سے "خلیفہ" کی کبریائی ثابت کرنا چاہتا تھا۔

## دولہا دلہن کے لیے سڑک

اِن خدماتِ رذیلہ کے بدلے مصری قادیان میں "صدر عمومی" مقرر ہو گیا۔ اس کا تسلّط "مسجدوں" کے ذریعے ہر محلہ پر تھا۔ اُس نے قادیان میں مسلمان محنت کاروں کا ناک میں دم کر دیا۔ مسلمان بہشتیوں کو کنوؤں سے پانی لینے سے روک دیا۔ انہی دنوں "خلیفہ" کے بڑے بیٹے ناصر احمد (جو آج کل خلیفہ ربوہ ہے)

کی شادی اپنی پھوپھی کی بڑی لڑکی منصورہ سے ہونے والی تھی۔ بارات مالیر کوٹلہ میں شیروانی کوٹ جانی تھی۔ وہاں سے تزک و احتشام سے واپس ہونی تھی۔ قادیان کی مرکزی آبادی اور اضافی آبادی میں ایک وسیع نشیبی میدان تھا جس کو "ریتی چھلّہ" کہتے تھے۔ برسات سے یہ ایک وسیع تالاب بن جاتا تھا۔ مصری نے "خلیفہ" کی خدمت کا منصوبہ بنایا کہ مرکزی آبادی کے آخری سرے پہ ایک کیمسٹ بھائی محمود کی دکان تھی۔ اضافی آبادی کے شروع میں "خلیفہ" کے ماموں ڈاکٹر محمد اسماعیل کا مکان تھا۔ بیچ میں "ریتی چھتّہ" واقع تھا۔ مصری نے قادیانیوں سے چندہ اکٹھا کر کے سڑک تیار کرا دی تاکہ دولہا اور دلہن جب مالیر کوٹلہ سے قادیان آئیں تو اُن کی بارات موٹروں میں ہی مرکزی آبادی میں واقع گھر سے ہوتے ہوئے دار الحمد پہنچے اور "ریتی چھلّے" کا وجود روک نہ بن سکے۔

چونکہ "خلیفہ" کے رازہائے درونِ خانہ فضا میں پرواز کرتے پھرتے تھے اس لیے بے پردہ اور در پردہ احتجاج کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ اس معرکۂ ظلم و مقاومت میں مصری کا وجود "خلیفہ" کے لیے بڑا سازگار ثابت ہوا۔ وہ ہر حقیقی یا مفروضہ باغی پہ کمیشن مقرر کرواتا تھا۔ اور سنگین و روح فرسا سزائیں صادر کرواتا تھا وہ آلہ کار بن کر "خلیفہ" کے قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ لیکن عوام میں اس کے خلاف نفرت طوفان کی صورت اختیار کرتی چلی جاتی تھی۔

اس کی ایک لڑکی بی۔ اے کر کے اوّلیت کا شرف حاصل کر چکی تھی اور خلیفہ کے قصرِ خلافت میں اُس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ مؤلف بطور اتالیق کے جب وہاں جایا کرتا تھا تو اُس کو اُس "خاتون" کے نزول کی خبر رہتی تھی۔ وہ دوسری خواتین کی طرح " فَاَقِعٌ لَّوْنُهَا

تَسُرُّ النَّاظِرِیْنَ" بن کر ضیافتِ نظر ہوا کرتی تھی۔ مصری بھی بی۔ اے کرکے دوسرے "علماء" سے برتر تسلیم ہونے لگا تھا۔ حالانکہ اس کو انگریزی میں نہ تقریر کا ملکہ تھا نہ تحریر کا۔

## خلیفہ کے لیے مشرکانہ القاب

چونکہ خلیفہ ادّعائے باطل کا مریض تھا۔ مصری نے اس کے لیے مواد خام مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ پہلے اس کو (HIS HOLINESS) کا لقب اختیار کرنے کی کامیاب ترغیب دی۔ حالانکہ یہ عیسائی لقب ہے جو تجسیم خداوندی کے ناپاک عقیدے پر مبنی ہے۔ جب باہر لومۃ لائم کا سیلاب اُمڈا تو اس لقب کو ترک کر دیا۔ پھر "فضل عمر" کے خطاب کے لیے مصری نے سازو سامان کیا۔ اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے "مصلح موعود" کے بانس پر چڑھانے کی ناپاک کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے سارے علمی مطالعہ کو اس طرح استعمال کیا کہ خلیفہ قادیان میں "گوسالہ سامری" بن کر رہ گیا۔ دوسرے پڑھے لکھے ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق بنے ہوئے تھے۔

## تخم کی لازوال تاثیر

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنا پڑھا لکھا ہونے کے باوجود مصری نے یہ ناشائستہ حرکات کیوں کیں۔ اس کی وجہ صاف ہے وہ ہندو ذہنیت سے آزاد نہ ہوسکا۔ انگریزی کی ضرب المثل ہے کہ انسان قمیض سے باہر نکل سکتا ہے اپنی چمڑی سے باہر نہیں آسکتا۔ اسلام رگ و پے میں سرایت کر جائے اور کوئی قوت قدسی مضبطر کے طور پر نگران ہو تو کفر کی سمّیات کا استیصال ہوسکتا ہے۔ اگر یہ نعمت روحانی نصیب نہ ہو تو محض تعلیم کفر کی زہر کا

تریاق نہیں بن سکتی ۔ ایک حدیث مبارکہ ہے کہ اُحد اپنی جگہ سے بدل سکتا ہے لیکن انسان اپنا مزاج اور سرشت نہیں بدل سکتا ۔ انگریزی میں اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے :-

YOU CAN EDUCATE BRAIN BUT YOU CANNOT EDUCATE BLOOD

یعنی تعلیم سے ذہنی تغیر تو ہو سکتا ہے لیکن نظامِ دموی یعنی صلب اور بطن سے آئے ہوئے اثرات تعلیم سے زائل نہیں ہو سکتے ۔ ایسے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے "صدق" شاید جانا ہے مانا بالکل نہیں ۔ اس لیے بے رُوح دین ماننے والا صحیح تقوٰی سے محروم رہتا ہے ۔ یہی حال شیخ مصری کا تھا ۔ اگر رائی بھر بھی اس پر اس کے علم کا اثر ہوتا تو وہ "خلیفہ" سے اپنے ربطِ خاطر کو جنون کے درجہ تک نہ لے جاتا ۔ جب "خلیفہ" نے ختمِ نبوت کے پاکیزہ دینی مسلک کے خلاف ناپاک اور کافرانہ تعبیریں شروع کیں ۔ اور "ظل" اور "بروز" کی اصطلاحوں کے مفہوم مسخ کیے ۔ اور دنیائے اسلام کو کافر قرار دیا تو مصری نے جو "خلیفہ" سے زیادہ عالم تھا اور عربی زبان کا خاصہ درک رکھتا تھا ۔ التباس و تلبیس سے "خلیفہ" کی ضلالت کاری کا پورا پورا ساتھ دیا ۔ عقائد کو مکائد بنانے میں وہ کسی سے پیچھے نہ رہا ۔

## افشائے راز کا سانحہ

اس زمانہ میں جب مصری "خلیفہ" کی آنکھ کا تارا بنا ہوا تھا ۔ "خلیفہ" نے اس کے خاندان میں نقب لگائی ۔

مصری اپنی اولاد کو ہم عمروں سے ملنے نہیں دیتا تھا ۔ اس نے اپنے سکول اور ہوسٹل کے صحن میں ایک اکھاڑا بنا رکھا تھا ۔ اس کا بڑا بیٹا حافظ بشیر احمد اکھاڑے میں "تن سازی" کرتا تھا ۔ ایسا نوخیز جوان

"خلیفہ" کے عشرت کدہ کا کارساز رکن بن گیا۔ جب بیٹے نے "حضور" کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا اور "حضور" نے اس کی "پاکبازی" اور "ترکتازی" کی تعریفیں کیں تو مصری کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُس نے سمجھا اُس کا بیٹا "حضور" کی نظرِ کرم سے "ولایت" کے راستے پہ پڑ گیا ہے۔ لیکن "حضور" کے اُس بازار" کی آب و ہوا ہی مختلف تھی۔ چنانچہ وہ لڑکا بڑا بانکا اور بے باک ہو کر گھر میں بھی "دما دم مست قلندر" ہو کر رہنے لگا۔ مصری جو عادی نمازی اور صرفی و نحوی قسم کا واعظ تھا بڑا متحیر ہوا۔ جب وہ بیٹے کو نماز کے لیے کہتا تو بیٹے کے جواب میں الحاد کا پورا پورا انداز ہوتا تھا۔ مصری کو خدا سے تعلق کا ہمیشہ بڑا دعویٰ رہا اور اپنی بیوی کی "اولیائی" پہ بھی اُس کو پورا بھروسہ تھا لیکن ان دونوں کو "خلیفہ" کی سیاہ کاریوں کا خاک علم بھی نہ ہوا۔ وہ ابلیس صفت ننگِ انسانیت شخص کو قریباً قریباً پیغمبر کے برابر "ولی" مانتے تھے۔ ادھر بیٹے کا یہ حال تھا کہ وہ خلیفہ کی سیاہ کار مجلس کا کرتا دھرتا رکن تھا۔ اُس کے دل سے مذہب کاملاً نکل چکا تھا۔ اُدھر وہ اپنے باپ کی حماقت کے تماشے دیکھتا تھا۔ گویا اُس کو باپ سے وہی تعلق رہ گیا جو ایک جنگلی انسان کو والد سے ہوتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں باپ اور ماں کی عبادتوں اور عقیدتوں کا مخول اُڑاتا رہا۔ اس سے مصری کے گھر میں خطرناک بے سکونی آگئی۔ کیونکہ بیٹا کبھی کبھی برملا "خلیفہ" کی ناپاک زندگی کی طرف اشارہ کر دیتا تھا اور مذہب پر تو تمسخر کرتا ہی تھا۔ مصری نے سمجھا کہ قادیان میں "خلیفہ" کے مخالف گروپ نے اُس کے بیٹے کو اپنی مجرمانہ لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس لیے اُس نے "باادب با ملاحظہ حضور" سے اس کیفیت کی شکایت کی۔ جواب میں "حضور" نے اُس کے بیٹے کی پاکدامنی

اور کریکٹر کی بڑی تعریف کی تاکہ مصری کے شکوک کا ازالہ ہو جائے ۔ "خلیفہ" کو پورا علم نہ تھا کہ مصری کا بیٹا گھر میں اس کے متعلق کیا کھُل کھیل رہا ہے۔ اس طرح صیاد اپنے جال میں خود آ گیا۔ اُس کی تعریف تازیانہ بن کر مصری کے قلب پر لگی کہ دیکھو! "حضور پُر نُور" تو "بشیر" کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور یہ نالائق بیٹا "حضور" پر کیچڑ اچھال دیتا ہے ۔ چنانچہ تحقیقِ دقیق و عمیق کرنے کا خیال اس کے دل پر غالب آ گیا ۔ ان دنوں "بشیر" کپورتھلہ میں کالج کی تعلیم حاصل کر رہا تھا ۔ مصری نے "حضور" سے وہاں جا کر تحقیق کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس کی اندھی عقیدت نے خلیفہ کو پریشان کر دیا ۔ اُس نے مصری کو بڑا روکا لیکن وہ نہ رُکا ۔ اُدھر بشیر کو بھی پریشانی ہوئی کہ یا "باپ" کو ترک کرے یا "خلیفہ" کو بچائے ۔

"دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی"

اتنے میں "خلیفہ" نے عبدالرحیم درد کے بھائی سلطان محمود کو کپورتھلہ بھیجا کہ وہ "بشیر" کو پکا کرے تاکہ راز افشاء نہ ہو۔ اس مخمصے میں "بشیر" نے یہ تجویز کی کہ سلطان سے کہا کہ وہ اُس کو لکھ کر "حضور" کے احکام دے ۔ کیونکہ بورڈنگ کے کمرے میں اس کے اور کلاس فیلو بھی ہیں ۔ سلطان محمود رقعوں میں "خلیفہ" کی طرف سے ساری باتیں لکھتا گیا ۔ اور "بشیر" لکھ کر جواب دیتا رہا ۔ لیکن اقرار کے باوجود اُس نے سلطان محمود کے سارے رقعے جن میں "حضور" کی طرف سے اخفاء کی ہدایات تھیں سنبھال لیتا رہا اور جعلی کاغذ کے ٹکڑے پھاڑ پھاڑ کر "خلیفہ" کے جاسوس سلطان محمود کو جھوٹی تسلی دیتا رہا ۔ اب مصری وہاں پہنچا تو اُس نے سختی سے "بشیر" سے باز پُرس کی اور اُس کو "خلیفہ" سے باغی ہونے پر ملامت کرتا رہا ۔ "بشیر اب باپ سے کیا

کہتا۔ اُس نے سلطان محمود کے سارے رقعے باپ کو دے دیے اور آپ لحاف میں منہ لپیٹ کر لیٹ گیا۔ "خلیفہ" کی سیاہ کاریوں کا انکشاف برق خاطف کی طرح مصری پر گرا۔ اور وہ ساری رات روتا رہا۔ یہ سارا ماجرا "بشیر" نے مؤلف کو خود سنایا۔ جب وہ اور اُس کی فیملی قادیان سے رخصت ہو کر لاہوری جماعت کی پناہ میں آگئی تھی۔

## جوابی حملے کی طیاریاں

اب پانسا پلٹا۔ مصری نے درپردہ تحقیق شروع کر دی لیکن خاموش رہا۔ حالانکہ اُن دنوں یا اُس سے پہلے "خلیفہ" نے اپنے ماموں میر محمد اسحاق کو جلسۂ سالانہ کی نظامتِ علیا سے معزول کر کے مصری کو سارے جلسہ کا ناظمِ اعلیٰ بنا دیا تھا۔ لیکن "بشیر" کا معمہ واشگاف ہونے پر مصری انتقامی کارروائی پر مائل ہو گیا۔ اتنے میں بشیر کی شادی ہوئی اور "خلیفہ" کے منظورِ نظر نوجوان عبدالرحمٰن عرف "مائیں" کے متعلق افواہ اُڑی کہ اُس نے مصری کی بہو کے زیور چُرا لیے ہیں۔ مصری نے سرکاری عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ لیکن جماعت کی طرف سے مبیّنہ سارق کی تائید شروع ہو گئی۔ اور مصری کو مقدمے میں بڑی دقتیں پیش آئیں وہ ان افراد سے مل کر حالات دریافت کرنے لگا جو کسی زمانے میں اسی کے ہاتھوں مظالم اور "خلیفہ" کی سزاؤں کے ہدف بنے تھے۔

رمضان کا مہینہ تھا۔ مصری اپنے حلقے کا درسِ قرآن دے رہا تھا کہ مؤلف قادیان گیا۔ مصری خاص طور پر مؤلف کو ملا۔ اور "خلیفہ" کے حالات دریافت کرنے لگا۔ چونکہ مؤلف کو بہت کچھ معلوم تھا۔ مؤلف نے مصری کو بتایا اور بین السطور ملامت بھی کی کہ اب اُس کی مظلومیت اور بے بسی اُس کی "خلیفہ" سے فداکاریوں اور ستم رانیوں کا ثمرہ

ہے اور چاہ کن را چاہ درپیش ہوا معاملہ ہے۔

## شغال کی شیرانہ جرأت

جب مصری نے اپنے خیال میں کافی مواد اکٹھا کر لیا تو اُس نے "خلیفہ" کو پہلے ایک بہت طویل خط لکھا جس میں اس کی سیاہ کاریوں کا مفصل اور مؤثر ذکر کیا اور اس بات کا بھی کھلا ذکر کیا کہ کس طرح اُس نے اپنے مرید (مصری) کے گھر بھی نقب لگائی اور اس کی اولاد کو اپنی فحش کاری اور ہوسناکی کا شکار بنائے رکھا۔ (یہ خط بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے اِس باب کے بعد درج کیا جا رہا ہے) اور خط کے ساتھ ہی "خلیفہ" کی بیعت سے نکلنے کا اعلان کر دیا۔ اور یہ اعلان "الفضل" میں "خلیفہ" نے اپنے ڈھنگ پر شائع کرایا۔ لیکن جواب نہ ملنے پر یکے بعد دیگرے دو مختصر خط بطور یاد دہانی مصری نے لکھے۔ یہ مصری کو خاص امتیاز ہے کہ اُس نے خروج کا آغاز کیا اور بیعت ترک کرنے کا خود جلی اقدام کیا۔ حالانکہ وہ ربع صدی تک "خلیفہ" کا مرغ دست آموز بنا رہا۔ ایسے غلام ذہن اور چاپلوس ذہنیت والے مُرید کا خود نکلنے کا اعلان کرنا ایک تاریخی سانحہ تھا۔ یہ "خلیفہ" کے لیے بھی قدرت کی طرف سے تازیانۂ عبرت تھا کہ شغال صفت پیرو کے ہاتھوں رسوا و خوار ہوا۔ وہ مصری کی بغاوت سے اتنا پریشان ہوا کہ اُس نے اپنی ایک تقریر کے دوران کہا کہ وہ اس وقت آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر سب سے زیادہ یتیم ہے ساری ساری رات ماں اس کو چھت پر لیے پھرتی تھی۔ اور اُس کا غم غلط کرتی تھی۔ ضمناً بطور جملہ معترضہ ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا۔ "خلیفہ" کے ہم زلف شیخ بشیر احمد نے جو ہائی کورٹ پنجاب کے کچھ عرصہ جج رہے تھے۔ مؤلف سے

جماعت چھوڑنے کا ذکر کرتے ہوئے بڑے تجنتر سے کہا کہ دیکھو ہمارے بانیٔ سلسلہ نے شغالوں کو شیر بنا دیا" اور انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔

مؤلف نے جواباً کہا کہ "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"۔ لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ باپ کے بنائے ہوئے نام نہاد شیروں کو بیٹے "خلیفہ" نے کس ہنر مندی سے شغال بنا کر رکھ دیا۔ پھر مؤلف نے شیخ بشیر احمد سے اُن سے اللہ کے اپنے شغال ہوتے اور سیاہ کاریوں کو دیکھ کر کف لسان ہونے کا حال پوچھا تو انگشت بدندان ہو کر رہ گئے کیونکہ شیخ بشیر خود پورے طور پر آگاہ نہ تھے۔

## بارگاہِ محمودی میں مصری کا استغاثہ

شیخ مصری نے خروج کے بعد ایک بڑا اقدام یہ کیا کہ الزامات کی طویل فہرست بنا کر" بارگاہِ خلافتِ جعلی" میں پیش کر کے "خلیفہ" کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ اس سے پہلے اُس نے چند واقفانِ راز کو مل کر گواہ بنانے کی سعی کی۔ ان میں مؤلف بھی تھا۔ قادیان کی فضا میں شدید کھچاؤ تھا۔ گویا جماعت شدید شکمی تصادم میں مبتلا تھی۔ مصری کی طرف سے پوسٹر لگتے تھے کہ "خلیفہ" سیاہ کاریوں کی سزا میں معزول ہونا چاہیے۔ اس کے حلیف جنگ فخرالدین نے بڑے بڑے پوسٹر لگا کر قادیان کو فحش کے اڈوں کا مرکز قرار دیا۔ ان دنوں مؤلف ۲۸۔ایمپرس روڈ پر احمدیہ ہوسٹل کے پڑوس کی کوٹھی میں خان بہادر عبدالعزیز مرحوم (بھگت سنگھ کے مقدمہ میں سرکاری انعام حاصل کرنے والے پولیس افسر) کے خاندان کی ایک قریبی شاخ میں بطور اتالیق مقیم تھا۔ اُن کے صاحبزادے مسٹر ایس۔ اے محمود صاحب اُس

وقت بیرسٹر تھے۔ حال ہی میں وہ جج ہائی کورٹ ہوکر ریٹائر ہوئے تھے اور سرحدی ٹربیونل کے صدر بھی رہے۔ ایک رات انہی ایام میں رات کے پچھلے پہر مؤلف کو کسی آدمی نے جگایا وہ فخر الدین تھا۔ ہم دونوں میں اچھی خاصی جان پہچان تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مصری نے اپنے استغاثہ میں مؤلف کو گواہ کے طور پر پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ اقدام اس گفتگو پر مبنی ہے جو اس کی کچھ عرصہ پیشتر رمضان کے دوران قادیان میں مؤلف سے ہوئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے یہ کہا کہ قادیان میں مؤلف، مولوی محمد دین اور ملک غلام فرید شہرت رکھتے ہیں کہ وہ جرأت سے راستی پر قائم رہنے والے ہیں۔ یہ تملق تھا یا تدبر یہ خدا کو معلوم۔ لیکن یہ بات ٹھیک تھی کہ مؤلف اور دوسرے دو اشخاص آپس میں گہرے تعلق رکھتے تھے اور یہ بات "خلیفہ" کو بڑی کھٹکتی تھی۔

## مؤلف کا اندیشۂ شہادت

مؤلف نے فخر الدین سے وعدہ کیا کہ وہ ٹھیک ٹھیک شہادت دے گا۔ چونکہ قادیان میں متشددانہ کشمکش جاری تھی اور پوسٹر بازی ہو رہی تھی، مؤلف کے گواہ بننے کی بات نکل گئی۔ اس کے بعد مؤلف کے پاس بعض شنا سا لوگ آنے لگے اور کئی رنگ اور کئی ڈھنگ سے باز رکھنے کی تدابیر کرنے لگے۔ مؤلف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ بوجہ ماضی کی ملتی ہوئی BRAIN-WASHING کے اس کے دل پر قادیانی فرعون کا خوف ضرور طاری تھا۔ کیونکہ برطانوی راج بھی اس کا حامی تھا اور اندیشہ تھا کہ ہوسکتا ہے ـــــــــ کہ کسی خوف یا ناتجربہ کاری سے گواہی تیر بہدف نہ ہوسکے۔ اس کی پیش بندی کے لیے مؤلف نے ہر ملنے والے قادیانی سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ شہادت کے لیے دیدہ براہ ہے بطریق اس

لیے اختیار کیا گیا کہ مؤلف کو علم تھا کہ "خلیفہ" اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں خود شغال صفت ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ "خلیفہ" نے مؤلف کو نہ بلایا۔ ویسے بھی اُس کے گھر میں طبقۂ اُناث کا اتالیق ہونے کی وجہ سے "خلیفہ" پر اس کی خشن طبیعت کا اثر تھا۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ اپنی جنسی خطا کاریوں کے اضطراب انگیز شعور سے "خلیفہ" کو مؤلف کی شہادت سے خدا نے اُسے خوفزدہ کر رکھا تھا۔

## صداقت کی تیغِ بے دریغ

اس ضمن میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے ایک دن احمدیہ ہوسٹل سے گذرتے ہوئے قادیانی جماعت کے اُس وقت کے مقامی امیر اور "خلیفہ" کے ہم زلف شیخ بشیر احمد مل گئے۔ وہ منصوبہ سے ملے یا مفاجاتی طور پر یہ خدا کو معلوم ہے۔ مؤلف کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم ملے اور کہنے لگے کہ آپ کی (مؤلف کی) گواہی کا قادیان میں بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ کیا ارادہ ہے؟ مؤلف نے جواب دیا کہ کتمانِ شہادت تو گناہ ہے اور جھوٹی گواہی بہت ہی مکروہ گناہ ہے۔ اس پر شیخ بشیر مؤلف کے خروج کی بے خبری کے عالم میں کہنے لگے کہ اگر سچی گواہی سے جماعت (قادیان) کو نقصان پہنچے تو پھر؟ مؤلف نے کہا کہ اگر یہ جماعت اِس حد کو پہنچ گئی ہے کہ سچ سے مجروح اور جھوٹ سے محفوظ ہوتی ہے تو مصری وِصری کی بات بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔ اندریں حالات ان کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس جماعت سے خود مذہب کو کتنا خطرہ لاحق ہے جو جماعت جھوٹ سے پنپتی ہے اور سچ سے مرجھا جاتی ہے اُس کو ختم کرنا ہی اسلام کی بڑی خدمت ہے۔ اس صاف گوئی بلکہ تلخ نوائی سے امیر مقامی جو خود رازِ درونِ خانہ سے واقف تھے چپ ہو کر چلے گئے۔ مؤلف کا خیال ہے کہ اُن کی رپورٹ "قصرِ خلافت" میں پہنچ گئی ہوگی۔ جب "خلیفہ

نے اپنی عدالت قائم کی تو مصری کے بتائے ہوئے گواہوں کو مؤلف کے سوا سب کو بُلا لیا گیا ۔ اس کے بعد ساری کارروائی الفضل میں ضخیم صورت میں شائع ہوئی ۔ مؤلف کا کہیں ذکر نہ تھا ۔ اس پہ فخر الدین کی طرف سے یا احرار کی طرف سے بڑے بڑے پوسٹر قادیان میں لگے ۔ جن کے عنوان میں مؤلف کا نام جلی حروف میں تھا اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ مرزا محمد حسین سے گواہی کیوں نہیں لی گئی ، یہ صداقت کی تیغ بے دریغ کا جان لیوا خوف تھا کہ خلیفہ نے مؤلف کی گواہی نہ لی ۔

## ایک حیلہ پرویزی

چونکہ مؤلف کو ابتداء میں فحش کاریوں کی خبر " خلیفہ " کی سوتیلی خوشدامن مراد بیگم کے سگے بھتیجے (ڈاکٹر) احسان علی نے دی تھی ۔ اور اس کے بھائی عبدالرحمن (المعروف مائیں) سے مصری کا مقدمہ چل رہا تھا ۔ اس لیے جماعت کی طرف سے احسان علی نے چند پوسٹر لگائے جس میں مؤلف کو دھمکی دی گئی تھی ۔ مؤلف نے ایک زبانی پیغام سے احسان علی کو اس اقدام کے عواقب سے آگاہ کیا تو اُس نے چپ سادھ لی ۔ اس کے بعد مؤلف کی ضمیر پہ ایک اور سمت سے حملہ ہوا ۔ مؤلف کے گہرے محبت کرنے والے ایک اہلِ قلم ملک غلام فرید تھے ۔ اُن کی طرف سے مؤلف کو خط آیا جس میں مؤلف کو ترغیب دی گئی کہ وہ قادیان میں آئے اور میاں عبداللہ خاں (خلیفہ کے بہنوئی) کے گھر میں قیام کرے ۔ چونکہ اس سے پہلے دَور میں ملک صاحب کے ہاں ہی قیام ہوا کرتا تھا ۔ اس لیے مؤلف کو یہ ناگوار ہوا اور جواب میں احتجاج کیا ۔ اس پہ ملک صاحب نے اپنی بے بسی اور معذوری کا ذکر کیا اور اصرار کیا کہ مؤلف ضرور آئے ۔ اور " خلیفہ " کے بہنوئی میاں عبداللہ خاں کے پاس ہی ٹھہرے جو اس وقت " خلیفہ " کی دارالصدر والی کوٹھی دارالحمد میں رہتے تھے ۔ یہ حیلہ پرویزی تھا جس کے پیچھے خلیفہ

کا خفیہ ہاتھ کار فرما تھا۔

## ایک پہلو دار تحریر

مؤلف نے ملک صاحب کو لکھا کہ جو کچھ مصری نے لکھا ہے۔ وہ "خلیفہ" کے تاریک حالات سے بہت کمتر ہے۔ اور یہ کہ مؤلف تو جماعت کو تیاگ چکا ہے اور بعض مصلحتوں کی بنا پر خاموش ہے۔ کیونکہ خوفِ غمّاز۔ عدالت کا خطر۔ دار کا ڈر نظر انداز نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی قادیان آنے کے لیے لکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد ملک صاحب نے مؤلف کو بتایا کہ وہ مؤلف کے خط سے بہت مطمئن ہوتے تھے۔ اور گھر والوں سے مؤلف کی "سچ کی پاسداری" کا ذکر کیا تھا۔ مؤلف قادیان گیا اور "خلیفہ" کے بہنوئی کے پاس اضطراراً قیام کیا۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے جو مؤلف کی شاگرد رہ چکی تھیں کہا کہ اُن کے بھائی (خلیفہ) مؤلف کے رویّے سے خائف ہیں کیونکہ مؤلف ان کے گھر کی خواتین کا کئی سال اتالیق رہ چکا ہے اور اس کے ہولناک معلومات کا توڑ مشکل ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اُن کے بھائی کو اُمید ہے کہ اُن (خلیفہ کی بہن) کے کہنے سُننے سے معاملہ نظروں سے اُوجھل ہو جائے گا۔

مؤلف نے پہلو دار خط بنام "خلیفہ" اُس کی ہمشیرہ کو دیا۔ وہ پڑھ کر خاموش ہو گئیں اور اس خط کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ اُس میں یہ لکھا تھا کہ اگر خلیفہ نے مؤلف کے خلاف درپردہ جارحانہ کارروائی چھوڑ دی تو مؤلف بھی مصلحتاً خاموش رہے گا۔ لیکن "خلیفہ" طبعاً اس پہ پابندی نہ کر سکا۔ لیکن خدا نے مؤلف کو اس کے گزند سے محفوظ رکھا۔ اس عارضی قیام کے دوران "خلیفہ" کے ایک سالے صاحب ولی اللہ شاہ ملے اور کہنے لگے "جاؤ فوراً معافی مانگ لو" مؤلف نے کہا: "کیوں۔ ڈاکہ تو نہیں مارا چوری تو نہیں

کی ہے۔"

اس پر طعنے کے طور پر خلیفہ کا سالہ کہنے لگا: "تم گندے لطیفے بڑے سُناتے ہو۔"

مؤلف نے جواب دیا: "میں گندے فعل تو نہیں کرتا۔" میرے لطیفوں کا معاملہ تو آپ کی ایجاد ہے۔ مجھے آپ لوگوں کے اور آپ کے مرشد کے گندے افعال و اعمال کا حق الیقینی علم ہے۔" اس صاف گوئی سے اُن کے منہ پر قفل پڑ گیا۔

## خلیفہ کا خط بنام مولانا سالک (مرحوم)

اس کے بعد فخرالدین ایک اشتعال انگیز خطبے کے چند گھنٹے بعد قتل ہو گیا۔ "خلیفہ" نے ایک طویل خط میں مولانا سالک مرحوم کو اپنے خطبے کا حال لکھا اور بڑے فخر و مباہات سے سامعین کا اُس کے خطبے کے بعد بچھاڑیں کھا کھا کر گرنے کا منظر بیان کیا۔ مؤلف کو مولانا مرحوم سے گہرا قلبی تعلق تھا۔ انہوں نے سارا خط مؤلف کو دفتر "انقلاب" میں سُنایا اور ساتھ ہی بتایا کہ انہوں نے "خلیفہ" سے قادیان کی کیفیت دریافت کی تھی اور یہ مشورہ دیا تھا کہ اُن کو فخرالدین سے زیادہ مصری سے خائف ہونا چاہیے۔ کیونکہ جو مصری نے معزولی کا مسئلہ چلایا ہے یہ دُور تک مستقبل میں پھیل جائے گا۔

## مذموم رامحمود ساخت

جب تک مصری لاہور نہیں آیا تھا اُس کا گھر "خلیفہ" کی طرف سے یورشوں کا نشانہ بنا رہا۔ اُس کو کئی اطراف سے اور کئی ایک ہتھ چھُٹ جوانوں سے خونیں حملے کا خطرہ تھا۔ ایک قتل کے بعد خون منہ لگ گیا تھا۔ مؤلف کو سرحد کے مرحوم وزیر اعظم صاحبزادہ عبدالقیوم مرحوم کے ایک قادیانی عزیز نے بتایا تھا کہ اُسے اور اُس کے دوسرے

ساتھیوں کو حکم تھا کہ مصری کی لڑکیوں کو اُٹھایا جائے ۔ اُس کے گھر کا دُودھ بند کر دیا گیا تھا ۔ قادیان کے ایک مشہور دُودھ فروش محمد یوسف خاں نے مؤلف کو بالمشافہ یہ حال بتایا ہے۔ جب سر سے پانی گذر گیا تو مصری دُودِ چراغ محفل بن کر قادیان سے نکل آیا اور لاہوری جماعت کے سائے میں پناہ گزین ہوا ۔ اس کے بعد اُس نے اِس فتنہ بہ منتظم جماعت کو اپنے جوڑ توڑ کی جولان گاہ بنا لیا۔ وہ پچیس سال " خلیفہ قادیان" کی مدح اور مولوی محمد علی کی قدح کرتا رہا۔ چونکہ پرستاری عادت مستمرہ تھی۔ اس لیے لاہور آنے کے بعد مرزا محمود کی دشنام آمیز قدح اور مولوی محمد علی کی مبالغہ آمیز مدح کرنے لگا۔ اُس کی جبین کسی نہ کسی آستان کی محتاج تھی۔ اب پچیس سالہ مقہور ذات پہ گھاٹے عقیدت نچھاور ہونے لگے ۔ خوشامد کے تیر نشانے پہ بیٹھے اور مولوی محمد علی نے اُس کو جماعت کی انتظامیہ کا دوامی رُکن بنا دیا ۔ وہ محمود را مذموم ساخت اور مذموم را محمود ساخت کے قدیم مشغلے میں مصروف ہوگیا۔ چوں کہ وفاداری بشرطِ استواری اُس کی فطرت کے منافی تھی ۔ اس لیے جب مولوی محمد علی بیماری کے ہاتھوں معذور ہوا تو مصری نے اُس کے مخالفین کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ۔ اور مولوی محمد علی جس پر مصری اپنے "مرشد" کی ساری (پیش گوئیاں) لگاتا رہا تھا وہ اب اُس کی سازش کا شکار ہو گیا ۔ گویا :۔ "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں" کا مضمون بن گیا ۔ اور مولوی محمد علی نے وصیت کی کہ مصری کو اس کا جنازہ نہ پڑھنے دیا جائے ۔ جب وہ جنازے کے ساتھ جا رہا تھا تو مولوی محمد علی کے بھتیجے چوہدری فضل حق نے اُس کو لات مار کر گرا دیا ۔

# نادانوں کی نادانی نہیں جاتی

لاہوری جماعت کے متعلق مصری کے "کارہائے نمایاں" کے سے اس صدا بصحرا جماعت کے متعلق اِس باب میں اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ یہ جماعت فتورِ غیر منظم ہے۔ یہ جمود ہے اور خمود ہے — اس کے دعاوی تو بڑے ہیں لیکن ساٹھ سال میں ایک گلی کو رام نہیں کر سکے۔ وہ بدستور رام گلی ہے۔ اب اس گلی سے بھی نکل رہے ہیں — ان کے جلسے، ان کی عیدیں اور ان کے جلسے ان کی جماعت کی شکمی خلفشار کے غماز ہیں۔ اگر حالات کا تیر ہدف پر نہ بیٹھے تو ان کا حال یہ ہے "آپ اُٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے۔"

مولوی محمد علی کی پالیسی نے علمی نسل کشی کی ا۔

یعنی اپنے سوا کسی کو علمی سطح پہ اُبھرنے نہ دیا، جو چند پہلے سے عالم تھے اُن سے اپنی تالیفات کا کام اس انداز سے لیا کہ وہ عسرت اور لاعلاج مرض کی حالت میں دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ جب مصری کا نزول ہوا تو وہ خطرہ بن سکتا تھا۔ کیونکہ وہ یقیناً مولوی محمد علی سے زیادہ عربی کا عالم تھا۔ اور اُس کا قادیانی لٹریچر کا مطالعہ بھی وسیع تھا۔ چونکہ وہ اپنی بات کو مختصر موزوں الفاظ میں سمو سکنے کے ملکہ سے یکسر عاری تھا اور مولوی محمد علی اس کا بہت ملکہ رکھتا تھا۔ اس لیے مصری کو ابتداء میں ہی محفوظ سمجھ لیا گیا اور دوامی رکنیت کا انعام عطا کر کے اسے کالانعام بنا کر رکھ دیا۔ لیکن مصری اپنی بات کر کے رہا۔ مولوی محمد علی کے مخالفین کا سرغنہ بن کر مولوی کی تالیفات کو اُس کے خاندان کے تصرّف میں دینے میں مؤثر روک بنا رہا۔ اور چھوٹی سی تنظیم بھی کھڑی کر دی جس سے مجبور

ہو کر مولوی محمد علی نے مرض الموت کی حالت میں فیملی ٹرسٹ بنانے کی تجویز واپس لے لی۔ جب مصری اس جماعت میں شامل ہوا تو اس جماعت نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اُس کا خیر مقدم کیا۔ یہ "بُغض معاویہ" کے طور پر کیا۔ مصری کے راستے میں اُس کا اپنا ماضی حائل تھا۔

اُس نے یہ ترکیب نکالی کہ اُس نے قادیان کتب کا دوبارہ "بالاستیعاب" مطالعہ کیا اور اس مطالعہ سے اُس پر اُس کے قول کے مطابق یہ بات روشن ہوئی کہ وہ چالیس سال پہلے کے مطالعہ سے تائب ہو کر لاہوری جماعت کا ہم نوا ہو گیا۔ یہ محض ملائی عیاری تھی۔ لاہوری جماعت کے ایک امیر کبیر رُکن شیخ محمد فاروق نے جب مصری سے یہ پوچھا کہ قادیان میں قادیانی لٹریچر کے "گہرے" مطالعہ سے تو اُس پر مُرشد مرزا کی "نبوت" ثابت ہوئی۔ لیکن رام گلی میں آ کر مطالعہ کرنے سے پہلا مطالعہ باطل ہو کر رہ گیا۔ یہ کیا معمہ ہے تو مصری نے جواباً کہا کہ یہ طویل بحث کا موضوع ہے۔ لیکن لاہوری جماعت "غشاوۃ بصر اور وقر اذان" کی مریض تھی وہ اپنی دیرینہ نادانی سے حالات کا صحیح جائزہ لینے سے عاجز تھی۔ وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ مصری نے محمودی مظالم سے نجات اور عافیت حاصل کرنے کے لیے یہ قلابازی لگائی ہے۔ اگر محمود جیسا جابر، قاہر ہمہ گیر آمر مصری کو سنبھال نہ سکا تو لاہوری جماعت جن کے بطون و قلوب پر "اسلام" سے زیادہ "رام گلی" کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ مصری کو کیسے سنبھال سکتی تھی۔

## وصیّت اور وصیّت کرنے والے کا جنازہ

مولوی محمد علی نے جو وصیّت

کی اُس کو پیش اُفتادہ چیز سمجھ کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا ۔ تمام وہ زور دار مخالفین بمع مصری کے جماعت پر مسلط رہے ۔ امیر بھی وہی بنا جس سے مولوی محمد علی اپنے اعلانات کے مطابق ساری عمر نالاں رہے ۔ اور اُس کی بیگم نے اپنی مظلومیت کی روئداد شائع کی وہ بھی صدائے برنخواست ہو کر رہ گئی ۔ اب میدان میں مصری سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا ۔ اس کے سارے عقائد محمودیت کا گہرا رنگ لیے ہوتے تھے وہ تکفیرِ اہلِ قبلہ کا قائل تھا اور اس اثم کبیر کا مبلغ بھی تھا ۔ وہ مسلمانوں کے جنازے کے خلاف فتوے دیتا تھا ۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بن باپ پیدا ہونے کا قائل تھا حالانکہ مولوی محمد علی نے اس کے خلاف اپنی تفسیر میں بہت کچھ لکھا تھا ۔ محمودی جماعت رفع الی السّماء کی قائل نہ تھی ۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بن باپ ہونے کی قائل تھی لیکن یک نہ شد دو شد کے طور پر " لاہوریے " باپ " کے ہونے کے بھی قائل تھے ۔ سر آغا خان مرحوم کی وفات کے بعد جب جماعت کے ایک حصہ نے نماز جنازہ پڑھا تو کچھ لوگ مصری کے ساتھ مل کر جنازہ سے الگ ہو گئے ۔ یہ وہ اعمال تھے جن کی پاداش میں مصری کی اولاد ساری کی ساری دین سے عملاً باغی ہو چکی تھی ۔ اس کے دو بیٹے مؤلف کے ایک قسم کے شاگرد تھے ۔ وہ کہا کرتے تھے کہ وہ مسجد سے پیٹھ پھیر کر گذرنا اپنا مسلک سمجھتے ہیں ۔ جماعت کے شعبۂ نشر و اشاعت کے ایک انچارج نے جو اب وہ سبکدوش ہو چکے ہیں اور لندن میں مقیم ہیں

"کئی دفعہ مؤلف کو بتایا کہ مصری کو مولوی محمد علی کی تفسیر پر شدید اعتراضات ہیں ۔ وہ اس کو سقیم تفسیر تصوّر کرتا ہے ۔ چونکہ جماعت گروہی تصادم میں محصور تھی ۔ مصری " مولوی اِدھر علی اُدھر " بنا ہوا تھا ۔ جب ایک حصہ پھٹ کر نکل گیا ۔ اور مال روڈ کی ایک دکان

پہ میاں محمد کے ساتھ مل گیا تو مصری وہاں بھی کبھی کبھی "امامت" کیا کرتا تھا۔ اور مرکز کے وابستگان سے کہتا تھا کہ وہ اس لیے وہاں جاتا تھا کہ کہیں وہ بہت دُور نہ نکل جائیں۔ پھر جب بیٹا ہوا حقہ واپس لوٹا تو مصری پھر پردھان بنا رہا۔ کیونکہ جماعت جمود و خمود بن چکی تھی۔ کارخانہ داروں کے داؤ اور تھے اور مصری کے داؤ اور۔ وہ استحصال کرتے تھے۔ اور مصری بھی سلب و نہب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔

## مولوی اِدھر علی اُدھر کے بیٹے کا عقبی حملہ

مصری نے اپنے بیٹے کو ووکنگ مسجد کا پہلے کارکن پھر امام بناکر بھجوادیا۔ حالانکہ ایک ریٹائرڈ ڈی۔آئی۔جی قسم کے ایک رکن نے کہا کہ اس مجوب الحال "جوان" کا ماضی بہت داغدار ہے۔ لیکن جماعت کے اس شعبے کا انچارج ایک کرنل مذہبی روح سے بیگانہ تھا۔ اُس نے کسی کی نہ سُنی اور بشیر کو ووکنگ بھجوادیا۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ محمود کا صید زبوں اب لاہوریوں کا مبلغ بن کر مشرقی افریقہ (شاید یوگنڈا) کے کسی ملک میں گیا۔ کئی "ہزار روپے" برائے تبلیغ لیے۔ جب اُس سے حساب طلب کیا گیا تو اُس نے جواباً یہ کہا کہ اُس نے تبلیغی لٹریچر شائع کیا ہے اور وہاں سے سوہیلی زبان کی اناپ سناپ کتابیں بھیج دیں۔ کیونکہ اس کو لاہوری جماعت کی حماقت کا پورا علم تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ یہاں کسی کے مشورے پر اُن کتب کو کسی سوہیلی زبان کے جاننے والے سے پڑھوایا گیا تو بلی تھیلے سے باہر آگئی۔ حافظ بشیر نے اقرارِ جرم کے بعد بھی وہ خطیر رقم شاید واپس کی ہو۔ اس سانحہ خبیثہ کے باوجود اس مولوی "اِدھر علی اُدھر" نے اپنے بیٹے کو ووکنگ مسجد میں پہلے نائب امام اور پھر پورا امام بناکر بھجوادیا۔ اُس نے اس منصوبے

سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ جب لندن میں فتنۂ انکارِ ختم نبوت کے خلاف اشتعال پیدا ہوا اور اس غاصب "امام" سے معاملہ نہ سنبھالا گیا۔ اور مولوی لال حسین اختر صاحب سے شکست کھا کر ووکنگ مرکز میں اس کی پر تکلف دعوت کر کے ووکنگ مسجد کے سارے کاروبار کو مولوی لال حسین اختر صاحب کے حوالے کر دیا۔ یہ خبر پہلے پہل پاکستان میں فیصل آباد کے ہفتہ وار میگزین "لولاک" میں نکلی پھر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لاہوریوں میں خفیف سا اضطراب نمایاں ہوا لیکن وہ شکمی خصوصیات میں اسیر تھے وہ چپ ہی رہے۔ بامر مجبوری مولوی "اِدھر علی اُدھر" کے بیٹے کو فارغ کیا گیا لیکن وہ باپ کے توسط سے نوسو پونڈ کی رقم لے کر گیا۔ گویا یہ رقم اس کے فریبِ عظیم کا معاوضہ تھا۔

## جناب بیگم بھوپال مرحومہ کی پیشکش کی توہین

اس واقعہ سے اربابِ ربوہ کو پروپیگنڈا کا خوب خوب موقع ملا۔ جونکہ ووکنگ مسجد جناب بیگم بھوپال مرحومہ نے خواجہ کمال الدین کو خالص اسلام کی تبلیغ کے لیے تفویض کی تھی۔ بادئی "المنظرین" لاہوریے مرزا محمود سے سبقت لے گئے تھے۔ کیونکہ منکرین ختم نبوت کا مرکز پٹنی (PUTNEY) میں بہت بعد میں بنا تھا۔ پہلے پہل ٹرسٹ کے زیرِ سایہ ووکنگ مسجد کا معاملہ صراطِ مستقیم پر چلانے کی سعی جاری رہی لیکن منافرتِ اسلام کا غبارہ اس پر چھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مصری جیسے مکفّر کے بیٹے کو اس کی نگرانی مل گئی۔ مرزا محمود "لاہوریوں" کی نام نہاد سبقت سے ملول رہتا تھا۔ جب اس کے تربیت گزیدہ

مصری کے بیٹے نے خوب خوب استحصال کے بعد مسجد کو اپنی ملعون نگرانی سے پاک کر دیا اور مسجد پھر اہلِ اسلام کے پاس آگئی۔

"لاہوریوں" کی اس سبقت کے خاتمہ کو مرزا محمود نے اپنی کامیابی سمجھ لیا۔ بلکہ اس کے پرچارکوں نے یہ پروپیگنڈا بڑے زور سے کیا کہ مصری نے مرزا محمود کی "ایانزی" سے نکل کر انجام کار کام وہ ہی کیا جو مرزا محمود کے مفاد کے فروغ کا موجب بنا۔

## شیخ مصری کی بوالہبی

مصری کو جب بھی جمعہ کا خطبہ دینے کا موقع ملتا تو وہ اپنے مرشد مرزا کی اولاد کے متعلق پیش بینیوں کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اس طرح وہ اپنی ماضی کی محمود پرستیوں کی یاد تازہ کرتا رہا۔ وہ اپنے مرشد کی ایک عزیزہ کے اسراف وتبذیر کا اس طرح ذکر کرتا اور اس کے لباسِ فاخرہ اور زیورات کو اس انداز سے بیان کرتا گویا یہ خدا کی طرف سے "انعام" تھے۔ یہ کالا انعام "عالم" خدا کی نعمت اور خدا کی لعنت میں تمیز کے ملکہ سے عاری ہو چکا تھا۔ "لاہوریے" اس کی بوالہبی کی تشخیص نہ کر سکے۔ حالانکہ اس کے اعمال و اقوال کی رسی اس کے گلے میں طوقِ عقوبت بن کر پڑی ہوئی تھی۔

اب اس باب کے بعد اس کا وہ خط پیش کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوگا کہ وہ کس طرح مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر اپنے جلسوں کے لیے درسِ عبرت بن کر "قیدِ حیات و بندِ غم" میں گھر کر زندگی بسر رہا ہے۔

## مصری نے اکیلے جنگ کیوں لڑی

اس باب کے ختم پر یہ لکھنا بے ربط نہ ہوگا کہ

اتنا بزدل ہو کر مصری کو "خلیفہ" جیسے جابر اور قاہر کے مقابلے کی جرأت کیسے ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اخراج اور مقابلہ ناگزیر ہو چکا تھا۔ اُس نے رہ جانے کی پیش کش کی تھی۔ "خلیفہ" خائف ہو کر اُس کو نابود کرنے پر تل گیا تھا۔ اِبتداءً اس کو نبرد آزمائی کی جرأت اس واسطے ہوئی کہ خلیفہ کا سگا ماموں میر محمد اسحاق مصری کا شاید حلیف بن گیا تھا۔ ماموں اور بھانجا دونوں جنسی فضا میں ہم پرواز تھے۔ بعد اس ناگفتہ بہ جرم نے ٹکراؤ کی صورت پیدا کر دی۔ میر محمد اسحاق خلیفہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ "خلیفہ" نے اس کا قادیان میں مقبول عام درس بند کر دیا تھا۔ اور الفضل میں نام کے خلاء کے ساتھ ماموں کو بے نقاب کیا، اور ماموں کو احساس دلایا کہ وہ اب ماموں نہیں۔ لیکن ایک وقت جا کر اپنی بہن یعنی "خلیفہ" کی ماں کے کہنے پر پیچھے ہٹ گیا۔ اور مصری کو اپنے اشتعال خُو ساتھی فخر الدین کے ساتھ مل کر جنگ لڑنی پڑی جب وہ قتل ہو گیا تو مصری اکیلا رہ گیا۔ اس کے لیے مفر نہ تھا۔ اس واسطے اس کو قادیان سے فرار میں قرار ملا۔ لیکن دم تحریر تک اُس کے خوف زدگی کی یہ حالت ہے کہ اگر گھر میں کسی ملاقاتی سے ملتا ہے تو تمام دروازے اندر سے مقفل کر لیتا ہے،

یہ ہیں وہ لوگ جو ختم نبوت کے انکار سے عملاً اور عقلاً اپاہج ہو کر رہ گئے۔ گویا خدائی تعزیر اس زندگی میں شروع ہو گئی ہے جنسی جفاکاری نے خلیفہ کو بھی ایک متعفن لاش بنا کر چھوڑا۔ اُس کے اہل خانہ اس سے گریز کرتے تھے۔

# مصری کا خط بنام مرزا محمود

## افشائے راز کا شاہکار

مُدت سے میں چاہتا تھا کہ آپ سے دو ٹوک بات کروں مگر جن باتوں کا درمیان میں ذکر آنا لازمی تھا۔ وہ جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں ایسی تھیں کہ اُن کے ذکر سے آپ کو سخت شرمندگی لاحق ہونی لازمی تھی اور جن کے نتیجے میں آپ میرے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتے تھے اور چونکہ اکثر ہمیں آپس میں ملنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تہذیب اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ آپ ہمیشہ کے لیے میرے سامنے شرمندگی کی حالت میں آئیں۔ اس لیے میں اس وقت تک آپ کے ساتھ فیصلہ کُن بات سے رُکا رہا ہوں۔ لیکن اب حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے آپ کی اصل (SITUATION) رکھ دوں۔ اور آپ کو بتاؤں کہ جس طرف آپ جا رہے ہیں۔ وہ آپ کے لیے کیسی پُرخطر بات ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ میں نے تو مظلوم ہو کر بھی (جس کو شریعت نے بھی ظالم کے ظلم کے علی الاعلان اظہار کی اجازت دی ہے) اس بات میں شرم محسوس کرتا رہا کہ آپ کے سامنے بالمشافہ یا تحریر کے ذریعے آپ کی ان خاص راز کی باتوں کا ذکر لاؤں لیکن آپ جو ظالم تھے اور ایسے افعال شنیعہ کے مرتکب تھے جن کے سُننے سے بھی ایک معمولی شریف آدمی کی بھی رُوح کانپتی ہے۔ اس آدمی کو جس کا قصور اور جرم صرف اسی قدر تھا کہ بدقسمتی سے اس کو آپ کے افعال شنیعہ کا علم ہو گیا اور آپ

کو یہ علم ہوگیا کہ اُسے علم ہوگیا ہے۔ دُکھ دینے اور قسم قسم کے مصائب کا اُسے نشانہ بنانے اور اس کو جماعت کی نظر میں گرانے کے لیے طرح طرح بہتان اس پر باندھنے اور ان بہتانوں کو ہاتھ میں لے کر اس کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرنے کی لگاتار انتھک کوشش کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کی۔

## انکشاف روکنے کے لیے محمود کی ذلیل کوشش

یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ آپ کا مجرم ضمیر ہر وقت آپ کو اس بے شر اور بے ضرر انسان کے متعلق اندر سے یہی آواز دیتا رہا کہ اگر اس شخص نے میری ان کارروائیوں کا جو مَیں اندر خانے کر رہا ہوں، جماعت کو علم دے دیا تو میرا سارا کاروبار بگڑ جائے گا۔ اور میں شہرت سے گر کر قعرِ مذلت میں جا پڑوں گا۔ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس شخص کو قادیانی جماعت میں "عزت" حاصل ہے۔ مستریوں کے متعلق تو اس قسم کے عذر گھڑ لیے گئے تھے کہ اُن کے خلاف مقدمہ کیا گیا تھا یا اُن کی لڑکی پر سوت لانے کا مشورہ دیا تھا۔ مگر یہاں اس قسم کا کوئی بھی عذر نہیں چل سکتا۔ اس کی بات کو قادیانی جماعت مستریوں کی طرح رد نہیں کرے گی۔ بلکہ اس پر اُسے کان دھرنا پڑے گا۔ اور وہ ضرور دھرے گی۔ اس لیے آپ نے اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ آہستہ آہستہ اندر ہی اندر اس شخص کو جھوٹے پراپیگنڈے کے ذریعہ جماعت کی نظر سے گرا دیا جائے۔ اور اس کو اس مقام پر لے آیا جائے کہ اگر یہ میرے گندے راز کو فاش کرے تو جماعت توجہ نہ کرے اور اس کی بات کو بھی اس طرف منسوب کرنے لگ پڑے کہ اس شخص کو بھی کچھ ذاتی اغراض اور خواہشات تھیں جن کو چونکہ پورا نہیں کیا گیا اس لیے یہ بھی ایسا کہنے

لگ پڑے ہیں۔ اور ادھر سے آپ شور مچانا شروع کر دیں کہ دیکھا میں نہیں کہتا تھا کہ یہ اندر سے مستریوں یا پیغامیوں یا احراریوں سے ملے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے جن کو آپ کے ان گندے رازوں کا علم ہو جاتا ہے۔ آپ کے پاس زیادہ تر یہی ایک حربہ ہے۔ یہ آپ مت خیال کریں کہ جو کچھ آپ میرے خلاف کر رہے ہیں اُس کا مجھے علم نہیں ہوتا۔ مجھے آپ کی ہر کارروائی کا علم ہوتا رہا ہے اگر میں بھی آپ کے اشتعال انگیز طریق سے متاثر ہو کر جلد بازی سے کام لیتا اور ابتدا ہی میں اپنا مبنی برحقیقت بیان شائع کر دیتا۔ اور جو تقدس کا سراسر جھوٹا پردہ اپنے اُوپر ڈالا ہوا ہے اُس کو اُٹھا کر آپ کی اصلی شکل دُنیا کے سامنے ظاہر کر دیتا تو آج نامعلوم آپ کا کیا حشر ہوتا۔ یعنی میں نے محض صبر سے کام لیا۔ آپ کے ظلم پر ظلم دیکھے اور اُف تک نہیں کی۔ میں نے سمجھا تھا کہ میری خاموشی سے آخر آپ سبق حاصل کریں گے۔ اور سمجھ لیں گے کہ یہ شخص اس راز کو فاش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اور کچھ عرصہ تک میرے رویّہ کو دیکھ کر خود بخود اپنی غلطی محسوس کر کے نادم ہو کر اپنی ان ناجائز اور ظالمانہ کارروائیوں اور جھوٹے پراپیگنڈے سے باز آجائیں گے۔ لیکن آپ کا مجرم ضمیر آپ کو کب آرام سے بیٹھنے دے سکتا تھا۔ اور آپ کا اضطراب اور گھبراہٹ سے بھرا ہوا دل اس وقت تک آپ کو چین کی نیند نہیں لینے دے سکتا تھا۔ جب تک آپ اس شخص کو اپنی راہ سے دُور نہ کر لیں۔ جس سے آپ کو ذرا سا بھی خطرہ خواہ وہم ہی محسوس ہو رہا ہو۔ آپ غالباً اس وقت تک اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیا اس وقت تک جو مَیں خاموش رہا ہوں اپنی ملازمت کے چلے جانے کے ڈر سے رہا ہوں اس غلط فہمی کو جتنی جلدی بھی ہو سکے اپنے دل سے نکال دیں اور آپ کم

دلیری بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی روزی آپ کے قبضے میں ہے۔ مگر میں مشرک نہیں ہوں کہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس بات کا خیال کرنا تو کجا اس کو وہم میں بھی لا سکوں۔ پس یہ آپ کو یاد رہے کہ میں جو اس وقت تک باوجود آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو جانے کے اور اپنے خلاف غلط کارروائیوں کو دیکھنے کے خاموش چلا آ رہا ہوں۔ اس کی وجہ کسی قسم کے مالی یا جانی نقصان کا ڈر نہ تھا۔

## ابلیسی جباریت کی انتہا

آپ کو تعلقات کا اتنا بھی پاس نہ ہوا جتنا کہ ایک معمولی قماش کے بدچلن انسان کا ہوتا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ بدچلن آدمی بھی اپنے دوستوں کی اولاد پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتا ہے۔ لیکن افسوس آپ نے اتنا بھی نہ کیا اور اپنے ان مخلص دوستوں کی اولاد پر ہی ہاتھ صاف کرنا چاہا جو آپ کے لیے اور آپ کے خاندان کے لیے جانیں تک قربان کر دینا بھی معمولی قربانی سمجھتے تھے۔ میرے اخلاص کا تو یہ عالم ہے کہ جس وقت آپ کے ایک مرید (فضل داد) سے اجمالی علم ہوا اور پھر اپنے بیٹے بشیر احمد نے اس کی تفصیلی تصدیق کی تو میرا یہی فیصلہ تھا کہ اپنے بیٹے بشیر احمد کو گھر سے نکال دوں اور ہمیشہ کے لیے اس سے تعلقات منقطع کر لوں، مگر میں نے اس سے نرمی اس لیے کی کہ اُس کے ذریعہ سے اب میں اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ جس کے متعلق میں پہلے یقین کیے بیٹھا تھا کہ آپ کے چال چلن کی بابت آپ کو بدنام کرنے کے لیے کوئی زیر زمین گروہ اپنا کام کر رہا ہے۔ مجھے اس وقت بھی خیال غالب تھا کہ میرا بیٹا بشیر احمد بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے جو اس سازش کے بانی مبانی ہیں۔ کیونکہ مجھے یہ علم تھا کہ اس کو آپ کے اور آپ کے خاندان کے ساتھ بڑا اخلاص تھا

اور اس اخلاص کی موجودگی میں وہ کبھی بھی جھوٹے الزام آپ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ پس ایسی حالت میں میرے نزدیک دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں یا یہ الزامات سچے ہیں یا یہ کہ بشیر احمد بعض ایسے آدمیوں کے ہاتھ چڑھ گیا ہے۔ اور انہوں نے اس کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دے کر اس سے یہ کہلوایا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میں بشیر احمد سے اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس بنا پر اوّل میں نے بشیر احمد کے ساتھ مختلف رنگوں میں انتہائی کوشش کی کہ وہ ان باتوں کے غلط ہونے کا اقرار کرے مگر قطعاً کامیابی نہ ہوئی اور کامیابی ہوتی کس طرح اور کسی سازش کا پتہ لگتا کس طرح جب کہ کسی سازش کا نام ونشان ہی نہ تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے اُس نے بعض ایسے دلائل پیش کیے جو ایک حد تک قائل کر دینے والے تھے۔ ان میں قطعاً بناوٹ نہ معلوم ہوتی تھی

## قصّہ مصری کے بیٹے کا

دوسری طرف میں حیران تھا کہ وہ سب باتیں ان باتوں سے پوری پوری مطابقت کھاتی ہیں جو آپ کے خلاف بغاوت کرنے والے مستریوں کی بیٹی اور بیٹا کہہ چکے تھے۔ پس جب میں اِدھر سے اپنے مقصد میں ناکام رہا تو میں نے اپنی تحقیق کا رُخ دوسری طرف موڑا اور میں نے لوگوں میں زیادہ ملنا جلنا شروع کیا اور اس وقت تک میری یہی نیت تھی کہ میں سازش کا سُراغ لگاؤں۔ اس گہری سازش کا سُراغ تو کیا بتاتا تھا۔ اُلٹا چاروں طرف سے واقعات اور حقائق کا طومار میرے سامنے لا کھڑا کیا جو بشیر احمد کے بیان کے لفظ لفظ کی تصدیق کرنے کے لئے کافی تھا۔ بس اُسی وقت میں نے بشیر احمد کو معذور سمجھ کر اس کو سزا دہی کا خیال ترک کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بے گناہ بچے کو اتنے بڑے ظلم سے جو میں اُس پر آپ کے ساتھ اپنے فرطِ محبت اور فرطِ اخلاص کی وجہ سے کرنے

لگا تھا۔ یعنی ساری عمر کے لیے اس کو تباہ و برباد کرنے کا جو تہیّہ کر لیا تھا اس سے بچانے کے لیے یہ سامان پیدا کر دیئے کہ کئی جگہوں سے اس کے بیان کی تصدیق ہوتی چلی گئی۔ اور ایسی ایسی جگہوں سے ہوئی جن کے متعلق وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کوئی شرارت کریں گے یا کسی شریر کی سازش کا شکار ہوں گے یا خود سازش کے بانی ہوں گے۔ آپ تو اچھی طرح سے واقف ہیں کہ اشارہ سے ہی آپ کو فوراً مشار الیہ کا پتہ چل جائے گا۔ اور میں کسی مصلحت سے اپنی تحریر کو تفصیلی دلائل سے خالی رکھنا چاہتا ہوں۔ غرضیکہ میرے پاس ان باتوں کے اثبات کے لیے دلائل کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو پبلک میں ظاہر کیا جائے گا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بشیر احمد سچا ہے اور یہ سب افعال جو اس نے بیان کیے ہیں آپ سے سرزد ہوتے رہے ہیں۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کا علم ہو جانے کے جو میرے اور میری بیوی کے لیے سخت دکھ کا موجب تھیں اور جنہوں نے ہم دونوں کی صحت پر اتنا گہرا اثر کیا کہ آج تک بھی ہم اپنی صحت بحال نہیں کر سکے۔ کافی عرصہ تک ہم دونوں کمرہ میں اکیلے دروازہ بند کر کے روتے رہتے تھے۔ بچے بھی ہماری حالت دیکھ کر سخت پریشان تھے، مگر ان کو کوئی علم نہیں کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ ہماری آنکھیں سُرخ دیکھتے اور سہم جاتے ہیں مگر ادب سے وجہ دریافت نہ کرتے۔ باوجود اس قدر شدید صدمہ کے پھر بھی میں نے اس قدر شرافت سے کام لیا اور اپنے نفس پر اس قدر قابو رکھا کہ کسی کے سامنے ان باتوں کا اظہار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جن لوگوں سے مجھے مختلف واقعات کا علم ہوتا رہا۔ اُن سے بھی صرف واقعات سُنتا رہا اور یہاں تک احتیاط سے کام لیا کہ کسی ایک کو بھی کسی دوسرے کے بتائے ہوئے واقعات کا علم نہیں ہونے دیا۔ اس کا علم صرف اس کے بتائے ہوئے واقعات تک ہی محدود رہنے دیا۔

(یہ خدائی کوڑا تھا جو بصری کی پیٹھ پر برس کر اس کو اپنی "جُبلّا دیاں" یاد دلاتا رہا تھا - مؤلف) -

## بیٹے کی تہدید — باپ کی تلقین

اِدھر بشیر احمد کو یہ سمجھایا إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ کے ماتحت ممکن ہے اللہ تعالیٰ معاف کر دے اور اُسے تاکید کی کہ کسی کے سامنے اب ان باتوں کو دہرانا نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی پوچھے بھی تو صاف انکار کر دینا۔ بشیر احمد نے جب دیکھا کہ آپ میرے خلاف پراپیگنڈا کر کے مجھے جماعت میں گرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ادھر اُس کو بھی گرانے کے درپے ہیں تو اُس نے کئی دفعہ مجھ پر زور دیا کہ مَیں اعلان کر دوں۔ لیکن مَیں نے اُس کو ہمیشہ صبر کی تلقین کی۔ آخر تنگ آکر اُس نے خود اعلان کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک اعلان لکھ کر میری طرف بھیج دیا۔ چنانچہ اُسے بجنسہٖ اس خط کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اجازت کے بغیر شائع نہیں کر دیا۔ ورنہ "تیر از کمان جستہ" کا معاملہ ہو جاتا۔ لیکن میں اسے ہمیشہ روکتا رہا۔ اور اس اعلان کو بھی روک لیا اور ہمیشہ اُسے یہی تلقین کی کہ خواہ وہ کتنا ہی ہم کو بدنام کر لیں اور کتنی ہی کوشش ہمیں جماعت سے گرانے کی کر لیں۔ ہم نے ابتدا نہیں کرنی اور ہماری طرف سے یہی کوشش رہے گی کہ ہم صبر سے برداشت کرتے چلے جائیں۔ حتیٰ کہ وہ وقت آجائے کہ ہم جوابی طور پر اپنا بیان شائع کرنے پر مجبور سمجھے جائیں۔ تو جب کسی سے مقابلہ آپڑے تو مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو نقطۂ نگاہ ہوتا ہے اس کے لحاظ سے مدافعت بہت بعید از وقت ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے۔ چنانچہ اس وقت تک مَیں اس پر کاربند رہا ہوں۔

## تنگ آمد بجنگ آمد

اور اب جو میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں وہ بھی اس لیے کہ آپ پر آخری دفعہ حجت پوری کر دوں - اور آپ کو متنبہ کر دوں کہ کہیں آپ مجھے اپنی مدافعت پیش کرنے پر مجبور نہ کر دیں - چنانچہ اگر آپ نے اس قسم کا قدم اُٹھانے کی غلطی کی تو میں مجبور ہوں گا کہ اصل واقعات کو روشنی میں لاؤں اور جو اخفاء کا پردہ آج تک ان واقعات پر پڑا آرہا ہے، اُسے اُٹھا دوں - مبادا میں دائمی طور پر بدنامی کے ساتھ یاد کیا جاؤں - "پس اگر میں آپ کے افعال مذمومہ کے اظہار پر مجبور ہوا تو پھر اس کی ساری ذمہ داری آپ پر ہوگی - اور سمجھ لیں کہ اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَیْقَظَھَا کا مصداق کون بنے گا - میں نے آپ کے ظلم پر ظلم دیکھے اور صبر سے کام لیا - لیکن آپ باز آنے میں ہی نہیں آتے اور اپنے مظالم میں حد سے بڑھتے چلے جاتے ہیں - پس اب میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے - اس لیے انجام کو آپ اچھی طرح سے سوچ لیں - اس کی ذمہ داری آپ پر آئے گی - میں تو آپ یاد رکھیں اب تنگ آچکا ہوں - اور اگر آپ نے مجبور ہی کیا تو میں نے مقابلہ کے لیے مصمم ارادہ کر لیا ہے - اور جب تک میری جان میں جان ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کا مقابلہ کروں گا - اور آپ کے تمام دجل و فریب کو آشکارا کر کے چھوڑوں گا -

## شیخ مصری کا چیلنج اور انکشاف

مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ اس مقابلہ میں میری جان جائے یا مجھے مالی نقصان ہو - میں خاموش ہوں تو خدا تعالیٰ کے لیے اور اگر اُٹھوں گا تو محض خدا تعالیٰ کے لیے - میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف تو آپ نے اپنی عیاشی کو انتہا تک پہنچایا

ہوا ہے ۔ جس لڑکی کو چاہا اپنی عجیب و غریب عیاری سے بلایا اور اس کی عصمت دری کر دی اور پھر ایک طرف سے اس کی طبعی شرم وحیا سے ناجائز فائدہ اٹھا لیا ۔ اور دوسری طرف دھمکی دے دی کہ اگر تو نے کسی کو بتایا تو تیری بات کون مانے گا ۔ تجھے ہی لوگ پاگل اور منافق کہیں گے ۔ میرے متعلق تو کوئی یقین نہ کرے گا ۔ اور اگر کسی نے جرأت سے اظہار کر دیا تو مختلف بہانوں سے اُن کے خاوندوں یا والدین کو ٹال دیا ۔ مگر آپ یہ یاد رکھیں کہ آپ کا یہ طلسم صرف اس لیے ان پر چل جاتا تھا کہ وہ اپنے معاملہ کو انفرادی معاملہ سمجھتے ہیں لیکن جس وقت اُن کے سامنے تمام واقعات مجموعی حیثیت سے آئے تو پھر اُن کو بھی پتہ لگ جائے گا کہ یہ سب دھوکا ہی تھا جو ہمیں دیا جا رہا تھا ۔ لڑکیوں اور لڑکوں کو پھنسانے کے لیے جو جال آپ نے ایجنٹ مردوں اور ایجنٹ عورتوں کے ذریعے بچھایا ہوا ہے اس کا راز جب فاش کیا جائے گا ۔ تو لوگوں کو پتہ لگے گا کہ کس طرح اُن کے گھروں پر ڈاکہ پڑتا ہے ۔ وہ جو آپ کے ساتھ اور آپ کے خاندان کے ساتھ تعلق پیدا کرنا فخر سمجھتے تھے اُن کے گھروں میں سب سے زیادہ ماتم پڑے گا ۔ اور دوسری طرف جن لوگوں کو آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو جائے اُسے کچلنے کے درپے ہو جاتے ہیں ۔ اور اُسے کچلنے میں رحم آپ کے نزدیک تک نہیں پھٹکتا ۔ اور پتھر سے بھی زیادہ سخت دل کے ساتھ اس پر گرتے ہیں ۔ اور آپ کی سزا دہی میں انتقامی پہلو ہی ہوتا ہے ۔ چنانچہ مثال کے طور پر مستریوں کی عزیزہ ہی کو لے لو ۔ کس قدر ظلم اس پر آپ کی طرف سے ہو رہا ہے جو کچھ اس نے کہا تھا اس کی سچائی تو

اب بالکل ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن وہ بے چاری باوجود سچی ہونے کے قیدیوں سے بدتر زندگی بسر کر رہی ہو گی۔ اس کی صحت بھی تباہ ہو چکی ہو گی۔ ایک اور مثال فخرالدین کی ہے۔ اس کو بھی آپ نے اس وجہ سے سزا دی ہے کہ اس کو آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو چکا ہے اور آپ پر یہ خوف غالب ہے کہ یہ مجھے بدنام کرے گا۔ حالانکہ یہ آپ کا وہم ہی تھا۔

## روٹی کی مار کا خوف

چنانچہ اس وہم کی ہی بناء پر آپ مدت سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ کبھی کوئی موقع ہاتھ آئے تو اسے جماعت سے نکال دیا جائے۔ تاکہ یہ روٹی سے تنگ آکر ذلیل ہو کر معافی مانگ لے۔ پھر ساری عمر آپ کی سیاہ کاریوں کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکے۔ اور آپ اطمینان سے اپنی عیاشیوں میں مشغول رہیں جیسا کہ اب آپ پہلے اس طریق سے بعض ایسے آدمیوں کو چپ کرا چکے ہیں۔ قاضی اکمل صاحب (نامور صحافی اے آر بشلی کے والد) پر جو ظلم کیا گیا اس کی تہہ میں بھی یہی مقصد کام کر رہا تھا۔ اسی طرح اور بہت سی مثالیں ہیں۔ جن کو وقت آنے پر پیش کیا جائے گا۔ اور ان تمام مظالم کی داستانیں جو بناوٹی تقدس کے پردہ میں آپ کر رہے ہیں وقت آنے پر کھول کھول کر لوگوں کو بتائی جائیں گی۔ ان تمام مظالم کو ڈھانے میں آپ کو جرأت ایک تو اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ آپ نے لمبے عرصے تک مختلف رنگوں میں کوشش کر کے لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دی ہے کہ آپ ایک مقدس انسان ہیں۔ کہیں اپنے آپ کو "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا مصداق بنایا ہے۔ کہیں "موعود خلیفہ"۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ طلسم آپ کا بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ لوگ آپ کے اس طلسم کے نیچے صرف اس وقت تک ہی ہیں جب تک ان کو آپ کے

غلیظ چال چلن کا صحیح علم نہیں ہوتا اور اُن کو پتہ نہیں لگتا کہ جس قدر دلائل آپ کو "مصلح موعود" بنانے کے لیے دیے گئے ہیں۔ وہ سب غلط ہیں۔

### اقتدار کا گھمنڈ

ایک طرف تو آپ کو اس وجہ سے جرأت ہے کہ لوگوں کے دلوں میں غلط طور پر آپ کا تقدس بٹھلا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ آپ کی بات کو خدائی بات سمجھ بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف آپ کو اپنی طاقت اور اقتدار کا گھمنڈ ہے جو اوّل الذکر کی وجہ سے آپ نے حاصل کیا ہوا ہے۔ تیسرے اس وجہ سے آپ نے یہ چال چلی ہوئی ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہ دیا جائے۔ اور منافقوں سے بچو! منافقوں سے بچو! کے شور سے لوگوں کو خوفزدہ کیا ہوا ہے۔ اور ہر ایک کو دوسرے پر بدظن کر دیا ہوا ہے۔ اب ہر شخص ڈرتا ہے کہ میرا مخاطب کہیں میری رپورٹ ہی نہ کر دے اور پھر فوراً مجھ پر منافق کا فتویٰ لگ کر جماعت سے اخراج کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اور یہ سب کچھ آپ نے اس لیے کیا ہوا ہے کہ آپ کی سیاہ کاریوں کا لوگوں کو علم نہ ہو سکے۔ لیکن یہ آپ کا غلط خیال ہے۔ قادیان میں بھی اور باہر بھی ایک بڑی تعداد ہے جو آپ کی سیاہ کاریوں سے واقف ہے اور روز بروز یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ عنقریب یہ مواد پھوٹے گا۔ بہت سے لوگ کسی جرأت کرنے والے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور یہ انسانی فطرت ہے کہ اکثر لوگ خود جرأت نہیں کر سکتے۔ لیکن جرأت کے ساتھ کسی کو اُٹھتا دیکھ کر خود اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آخری بات جو آپ کو ان تمام مظالم پر جرأت دلا رہی ہے وہ بائیکاٹ کا حربہ ہے۔ آپ نے قادیان کے نظام کو ایسے رنگ میں چلا دیا ہوا ہے کہ تمام کی روزی کو اپنے

ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس سے انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ بے شک ان باتوں کی وجہ سے جو اقتدار آپ کو حاصل ہو چکا ہے آپ یقین رکھتے ہیں کہ آپ اپنے مدمقابل کا سر ایک آن میں کچل سکتے ہیں۔ اور اب تو آپ فدائیوں کا گروہ بھی بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ میں جو آپ کے مقابلے کے لیے کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ ایک نہایت ہی کمزور، بے بس، بے کس، بے مال، بے یار و مددگار ہوں۔ اور جہاں آپ کو اپنی طاقت پر ناز ہے وہاں مجھے اپنی کمزوری کا اقرار ہے۔ ہاں میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حق کی قوت میرے ساتھ ہے اور غلبہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کو ہوتا ہے جو حق کی تلوار لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں میری بات کی طرف توجہ نہ کی جائے اور میں اس مقابلہ میں کچلا جاؤں لیکن حق کی تائید کنے کے لیے اور باطل کا سر کچلنے کی غرض سے کھڑے ہونے والے مرد اس قسم کے انجاموں سے کبھی نہیں ڈرتے۔ حضرت ابن زبیر حق کی خاطر باطل کی فوجوں کے مقابل میں اکیلے ہی میدانِ جنگ میں نکلے اور جان دے دی لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔۔۔
حضرت امام حسینؓ چند آدمیوں کے ساتھ باطل کی فوجوں کے سامنے صف آرا ہو گئے اور ایک ایک کر کے جان دے دی لیکن باطل کی اطاعت نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس بات کو وہ ثابت کرنا چاہتے تھے آخر ثابت ہو کر رہی۔

### مصری کی انجام سے بے پرواہی

پس اس مقابلہ میں مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں کہ میرا انجام کیا ہو گا۔ اور میری بات کوئی سنے گا یا نہیں۔ میری تقویت اور ہمت بڑھانے کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ میں حق

پر ہوں اور آپ باطل پر ہیں اور باطل کا سر کچلتے ہوئے اگر میں اور میرے اہل وعیال بھی شہید کر دیے گئے جس کا اقدام بھی اگر کیا گیا تو سخت ناعاقبت اندیشانہ ہوگا۔ اور خطرناک نتائج پیدا کرے گا ہم کامیاب رہیں گے ناکام نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ ہمیں اس مقابلہ پر پیٹھ پھیرتے نہیں دیکھیں گے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری تائید کرے گا۔ اور اگر آج نہیں تو آئندہ لوگ حقیقت سے آگاہ ہوکر رہیں گے۔ اور اُن پر سچائی ظاہر ہوکر رہے گی۔ ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اور آپ کے چال چلن سے واقف ہوکر جماعت خلافت کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہوگی۔ اور آئندہ اپنے انتظام کی بنیاد مستحکم اصولوں پر رکھے گی۔ اور ان فریب کاریوں سے جن میں آپ نے قوم کو رکھا ہوا ہے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گی کیونکہ دلائل اور حقائق کا مقابلہ آخر لوگ کب تک کریں گے۔ کس قدر ظلم ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اُس کو آپ کی بدچلنی کا علم ہوگیا ہے۔ اُس کے پیچھے جاسوس لگوا دیے جاتے ہیں۔ اور اُن کو مقرر کرنے سے قبل انہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص منافق ہے۔ اس کے نفاق کو روشنی میں لانا ہے۔ اب وہ یہ سمجھ کر کہ "خلیفہ" نے بتایا ہے کہ فلاں منافق ہے۔ اگر ہم ایسی رپورٹیں نہ دیں جو اس کے نفاق کی تائید کرتی ہوں تو ہم نالائق سمجھے جائیں گے۔ فوراً اس کی ہر نقل و حرکت اس کے ہر لفظ و حرف کو اسی رنگ میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ اور رپورٹوں پر رپورٹیں بھیجتے چلے جاتے ہیں جن سے ایک فائل تیار ہوتا رہتا ہے اور اس غریب کو علم بھی نہیں ہوتا کہ اُس کو پکڑنے کے لیے کس کس قسم کے جال بچھائے جا رہے ہیں اور وہ اس میں پھنستا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ ایک ذرا سے بہانے پر اُس کو پکڑ کر سزا دی جاتی ہے۔ اور گذشتہ تمام رپورٹوں کو

بھی دلیل بنالیا جاتا ہے جس کی کوئی تحقیق نہیں کی جاتی۔

آپ کو خود چاہیے کہ جلد از جلد اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کریں اور یہ مظالم جو آئے دن آپ سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد کوئی نہ کوئی آپ کا رازدان آپ کی ذات پر اتہام لگانے لگ جاتا ہے۔ یاد رکھیں یہ بات ضرور جماعت کی توجہ کو تحقیق کی طرف پھیر دے گی اور پھر آپ کی خیر نہیں۔ اس لیے آپ فوراً ان باتوں سے توبہ کر کے اپنے اُوپر رحم کریں۔

**زلزلہ خیز بدکاری** میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ فخرالدین کو نکالنے میں آپ نے سخت غلطی کی ہے اور جلد بازی سے کام لیا ہے۔ اس کو آپ کے چال چلن کے متعلق بہت سے واقعات معلوم ہیں اور اس نے اُن کی اشاعت سے باز نہیں آنا۔ صرف واقعات ہی نہیں بلکہ اُن تمام اشخاص کے نام بھی شائع کرے گا۔ جنہوں نے آپ کی بدچلنی کی نہ صرف شہادتیں دی ہوئی ہیں۔ بلکہ کئی واقعات اپنی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ نہ صرف آپ کو حیران کر دینے والی ہو گی بلکہ دنیا کو بھی حیرت میں ڈال دے گی۔ اور جماعت میں قیامت خیز زلزلہ پیدا کر دے گی۔ پھر ان میں سے ایسے لوگ ہیں جن کو جھٹلانا یا جن کو جماعت سے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے آپ کو عین وقت پر بتلا دیا ہے فقد اعذر من انذر۔

گو آپ اپنی بدچلنی کی وجہ سے معزول ہونے کے قابل ہیں مگر جماعت آپ کے ہاتھ میں اپنے نظام کی باگ ڈور دے چکی ہے۔ میں آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ مجھے مختلف ذرائع سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ جنبی ہونے کی حالت میں ہی بعض دفعہ نماز

پڑھانے آجاتے ہیں۔

میں نے جو کچھ عرض کرنا تھا سچائی اور دیانت داری کے ساتھ سلسلہ کی اور آپ کی بہتری کو مدّنظر رکھ کر عرض کر دیا ہے۔ اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کی جو قضا ہوگی وہ جاری ہو کر رہے گی۔

یہ خط یکم جون ۱۹۳۷ء کو لکھا گیا اور ۱۱ رجون ۱۹۳۷ء کو بھیجا گیا۔

ماخوذ از "کمالاتِ محمودیہ" مرتبہ مظہر الدین ملتانی۔

نوٹ:- اس خط میں جن باتوں کا اعادہ اور تکرار تھا یا بہت ہی عریاں باتیں تھیں۔ اُن کو حذف کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ باقی کثیر حصّہ اِس مراسلہ کے حق کو اظہر من الشمس کرنے کے لیے کافی ہے۔ (مؤلف)

# محمد یوسف ناز کا حلفیہ بیان

اگرچہ میں نے خلیفہ صاحب ربوہ کا مباہلے کا مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان تحریروں میں کسی نقص کا جواز نکال لیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ کہیں کہ اس کی زناکاری کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس لیے مباہلہ نہیں کر سکتا۔ وقت کی بچت کی خاطر میں محمد یوسف ناز اپنا بیان ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے اور اس کے بعد میں مؤکد بعذاب حلف اٹھاتا ہوں۔

"میں اپنے علم، مشاہدہ اور رؤیت عینی اور آنکھوں دیکھی بات کی بنا پر خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ ربوہ نے خود اپنے سامنے اپنی "مخدرات" کے ساتھ دیوثی کا منظر سٹیج کروایا اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔ اس بات پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ

بالمقابل حلف اُٹھانے کو تیار ہوں۔"
دستخط محمد یوسف ناز
معرفت عبد القادر تیرتھ سنگھ جے بلوانی روڈ عقب شالیمار ہوٹل
کراچی۔

ماخوذ از کمالات محمودیہ" صفحہ ۳۹ - ناشر بیت القرآن پوسٹ بکس ۱۰۴۸
لاہور

نوٹ:۔ اس حلفیہ بیان میں عریانی کے ازالے کی سعی کی گئی ہے۔
(مؤلف)

# جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

**سول سرجن کی شہادت** | ڈاکٹر میر محمد اسماعیل سول سرجن خلیفہ صاحب کے ماموں اور خسر بھی تھے،

وہ کہتے ہیں:۔

"...... بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ خلیفہ عیاش ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ جو چند دن بھی عیاشی میں پڑ جائیں وہ ایسے ہو جاتے ہیں جنہیں انگریزی میں (WRECK) کہتے ہیں۔ ایسے انسان کا نہ دماغ کام کا رہتا ہے نہ عقل درست رہتی ہے ۔ نہ حرکات صحیح طور پر کرتے رہتے ہیں۔ غرض سب قویٰ اُس کے برباد ہو جاتے ہیں اور سر سے لے کر پیر تک اُس پر نظر ڈالنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عیاشی میں پڑ کر اپنے آپ کو برباد کر چکا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں:۔

## اَلزِّنَا یُخْرِجُ الْبِنَاءَ

کہ زنا انسان کو بنیاد سے نکال دیتا ہے

(الفضل ۱۰ر جولائی ۱۹۳۷ء)

خلیفہ ربوہ بعینہٖ ان امراض میں مبتلا ہو کر مرا ...... اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ نہ عقل کام کرتی تھی نہ اعضاء صحیح طور پر کام کرتے تھے ۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ زنا انسان کو بنیاد سے نکال دیتا ہے ۔ من وعن یہی حالت طاری تھی۔ خبیث مرض یعنی فالج کا شکار رہا۔ خصوصاً لوگوں نے اس کی عقل وفہم کا اندازہ جلسہ سالانہ پر بخوبی لگا لیا تھا کہ کس طرح وہ اپنی عقل کے دیوالیہ پن کا مظاہرہ کرتے تھے اور حاشیہ بردار درمیان میں لقمہ دیتے تھے مگر یہ لقمہ بے سود ثابت ہوتا تھا ۔ خود خلیفہ صاحب کا بیان بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے ۔ اس کی اپنی عبارت درج ذیل ہے :۔

" میری بیماری کی وجہ سے دماغ کو خوراک پہنچنی بند ہو گئی ہے ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ چند ہفتوں میں دماغی حالت اپنے معمول پر آجائے گی ۔ لیکن اب تک جو ترقی ہوئی ہے اس کی رفتار اتنی تیز نہیں ...... آدمیوں کے سہارے سے ایک دو قدم چل سکتا ہوں مگر وہ بھی مشکل سے ۔ دماغ اور زبان کی کیفیت ایسی ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی خطبہ نہیں دے سکتا ۔ اور ڈاکٹروں نے دماغی کاموں سے قطعی طور پر منع کر دیا ہے "

" مجھ پر فالج کا حملہ ہوا ۔ اور اب میں پاخانہ پیشاب کے لیے بھی امداد کا محتاج ہوں ۔ دو قدم بھی نہیں چل سکتا "

(الفضل ۔ ۱۲ر اپریل ۱۹۵۵ء)

" ۲۶ر فروری کو مغرب کے قریب مجھ پر بائیں طرف فالج کا حملہ ہوا

اور تھوڑے وقت کے لیے مَیں ہاتھ پاؤں سے معذور ہو گیا ...
دماغ کا عمل معطل ہو گیا۔ اور دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ مَیں اس
وقت بالکل بے کار ہوں اور ایک منٹ نہیں سوچ سکتا۔"
(الفضل ۲۶ر اپریل ۱۹۵۵ء)

## باپ کی بیٹے کے متعلق پیش بینی

"جو اس مقدس تعلیم کو اپنی بدکرداری کے نمونہ سے ناپاک کرے گا اُس کا حشر ڈاکٹر ڈوئی سے کم نہ ہو گا۔ نہایت سخت دُکھ کی مار۔ قہر الٰہی، غضب الٰہی اور خبیث امراض یعنی فالج اور پاگل پن کا شکار ہو گا۔"

خلیفہ صاحب خود کہتے ہیں:۔

"مَیں اب ۶۰ سال کی عمر کا ہوں اور فالج کا شکار ہوں۔"
(الفضل ۔ ۴ر اگست ۱۹۵۶ء)

# محمودی اعمال نامہ کی ایک جھلک

خلیفہ صاحب قادیان (ربوہ) کی اپنی شریعت میں سب کچھ جائز ہے
فرانس کے ناچ گھر میں ننگے ناچ دیکھنا شریعتِ محمودیہ کے عین مطابق ہے
پھر اطالوی حسینہ کو سسل ہوٹل سے لے جانا ان کے جھوٹے
تقدس کی ادنیٰ مثال ہے۔ مرزا محمود نے خود ہی تسلیم کیا ہے۔

"جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین
سوسائٹی کا عیب والا حصّہ بھی دیکھوں گا۔ قیامِ انگلستان کے دوران
میں مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو مَیں نے

چودھری ظفراللہ خاں صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں جہاں یورپین سوسائٹی عریاں نظر آسکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے۔ مگر مجھے اوپیرا (OMPRA) میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ چودھری صاحب نے بتایا یہ وہی سوسائٹی کی جگہ ہے۔ اُسے دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لیے دُور کی چیز اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا۔ کیا یہ ننگی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ننگی نہیں بلکہ شفاف کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس لیے ننگی معلوم ہوتی ہیں"۔

(الفضل۔ ۲۸ر جنوری ۱۹۳۴ء)

## اطالوی سینہ اور خلیفہ قادیان

انگریزی ہوٹلوں میں اکثر جوان لڑکیاں خدمت گار ہوتی ہیں جو معزز لوگ وہاں کھانے پینے جاتے ہیں۔ وہ جوان لڑکیاں اُن کے سامنے ان کی خوشی کی اشیاء لا کر پیش کرتی ہیں آج کل کی تہذیب کی رُو سے ان مہذبوں کا یہی دستور ہے کہ کھانا لانے والیوں کی بھی تواضع کرتے ہیں اور وہ عموماً اس کھانے میں شریک ہو جاتی ہیں۔ اسی اثنا میں تفریحی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ دورانِ گفتگو میں ہی سب مراحل طے ہوجایا کرتے ہیں خلیفۂ قادیان لاہور سسل ہوٹل منٹگمری روڈ میں گئے وہاں پر جو کچھ ہوا اخبارات کی زبانی سنیئے:۔

"مرزا محمود کی آمد اور سسل ہوٹل کی منتظمہ کی گمشدگی تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں مل سکا۔ یکم مارچ ۱۹۳۴ء کو سسل ہوٹل

کی طرف سے مشتہر ہوا تھا کہ جمعرات یکم مارچ پانچ بجے سے ۹½ بجے رات تک ناچ ہوگا۔ بڑے بڑے انعامات بدستور سابق تقسیم کیے جائیں گے۔ تماشائی شام چار بجے سے جمع ہونے شروع ہو گئے اور پانچ بجے اچھا خاصا جمع ہوگیا۔ ہر ایک شخص کھیل شروع ہونے کا منتظر تھا۔ مگر خلافِ توقع رسٹ ڈرائیو شروع ہوا۔ ناچ کا بینڈ بجنا شروع ہوا۔ آخر استفسار پر سسل ہوٹل کے ایک بہرے سے معلوم ہوا کہ رسٹ ڈرائیو کا تمام سامان منتظم کے کمرے میں ہے اور منتظم کو مرزا محمود موٹر میں بٹھا کر لے گئے ہیں۔

نامہ نگار آزاد ۱۳ر مارچ ۱۹۳۴ء۔

اس واقعہ کو زمیندار نے نظم کی صورت میں یوں شائع کیا۔

## اطالوی حسینہ از "نقاش"

اے کشورِ اطالیہ اے باغ کی بہار
لاہور کا دامن ہے تیرے فیض سے چمن

پیغمبرِ جمال تیری چلبلی ادا
پروردگارِ عشق تیرا دلربا چلن

اُلجھے ہوئے ہیں دل تیری زلفِ سیاہ میں
ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سو ختن

پروردۂ فسوں ہے تیری آنکھ کا خمار
اور وہ جنوں ہے تیری بوئے پیرہن

پیمانۂ نشاط تیری ساقِ صندلیں
پیمانۂ سرور تیرا مرمریں بدن

رونق ہے ہوٹلوں کی تیرا حسن بے حجاب
جس پر فدا ہے شیخ تو لٹو ہے برہمن

جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشۂ نبوتِ ظلی ہوا ہرن

میں بھی ہوں تیری چشمِ پُرفسوں کا معترف
جادو وہی ہے آج لے قادیاں شکن

(زمیندار۔ لاہور۔ مارچ ۱۹۳۴ء)

(ارمغانِ قادیان صفحہ ۹۴) مکتبہ کارواں۔ لاہور۔

## اطالوی رقاصہ کا (قادیان آنے کا) الفضل میں اعتراف

اس کے بعد مختلف اخباروں میں شور و غوغا ہوا کہ خلیفہ صاحب قادیان کے خطبہ کی جو تقریر شائع ہوئی اُس میں اس میں اس اطالوی لیڈی کے لے جانے کا اعتراف کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں اس لیڈی کو اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو انگریزی لہجہ سکھانے کے لیے لایا تھا۔

(الفضل - ۱۸، مارچ ۱۹۳۴ء)

اس کا جواب اہل حدیث نے یوں لکھا:

"پس مطلع صاف ہوگیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اطالوی عورت خاص کر ہوٹل کی انگریزی کیا پڑھاتی ہوگی۔ اطالوی لوگ تو خود انگریزی صحیح نہیں بول سکتے۔ انگریزی زبان میں دو حرف (ٹھ) اور (T) بالخصوص ممتاز ہیں۔ دونوں حروف اطالوی لوگ عربوں کی طرح ادا نہیں کرسکتے۔ علاوہ اس کے ایسی معترضہ معصیات کا اثر لڑکیوں اور پردہ نشین بیویوں پر کیا ہوگا۔"

(اہل حدیث - امرتسر)

## اطالوی حسینہ

سسل ہوٹل لاہور کی ایک اطالوی منتظمہ جو ہوٹل میں مرزا محمود احمد خلیفۂ قادیان کے ایک روزہ قیام کے بعد اچانک غائب ہوگئی تھی دوسرے دن قادیان کی سرزمین میں دیکھی گئی۔ اور اخبار "زمیندار" نے نظم کی صورت میں اسے یوں شائع کیا:

## ہوٹل سسل کی رونقِ عریاں کہاں گئی

عشاق شہر کا ہے زمیندار سے سوال — ہوٹل سسل کی رونقِ عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جان گئی ایمان کیسا ساتھ — کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جانِ جہاں گئی

خوف خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرورِ کون ومکاں گئی

بن کر فروشِ حلقۂ زندان لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا سامان جہاں گئی

رُوما سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں جانِ جہان گئی

یہ چیستاں سُنی تو زمیندار نے کہا
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

(زمیندار - ۱۵ - مارچ ۱۹۳۶ء)

(ارمغانِ قادیان صفحہ ۵۰ - مکتبہ کارواں کچہری روڈ - لاہور)

جب چار دانگ عالم شور مچا تو "خلیفہ" نے اطالوی حسینہ کو اپنے رازدار ڈرائیور پانچ ہزار روپے دے کر قادیان سے رخصت کر دیا - یہ بات ڈرائیور مذکور نے مؤلف کو قادیان میں بتائی تھی - لاہور آن کر حسینہ نے لوگوں کے کہنے سُننے پر مقدمہ کی طیاری پر کمر باندھی - وہ اس وقت ایک وکیل کے پاس گئی - (جو جج اعلیٰ ہو کر ریٹائر ہوا) تو اُس وکیل نے اُس سے کہا - تم جیسی پیشہ ور لڑکیاں یہاں اسی کسب کے لیے آتی ہیں - تم کو عصمت کا دعویٰ زیب نہیں دیتا - اور نہ ہی تم عصمت شکنی ثابت کر سکتی ہو - جواباً اُس پیشہ ور حسینہ نے کہا: "آپ کی بات صحیح ہے. لیکن مجھے جس بات سے صدمہ ہوا ہے وہ خلوت سیئہ نہ تھی بلکہ اُس جنسی ملاپ کے وقت خلیفہ کا اپنی بیٹی کو پاس بٹھا لینا مجھ پر شاق گذرا" - جونہی اُس نے یہ کہا وکیل نے اُس کے کاغذات پھینک دیے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی معصیت کے وقت بیٹی کو پاس بٹھالے - اطالوی حسینہ کی بات ٹھیک تو تھی لیکن اُس کو فوراً احساس ہو گیا کہ خلیفہ کا یہ طریقۂ واردات ہے کہ اُس کی پورش زدہ لڑکی کی بات نامقبول ہو کر رہ جائے بلکہ مقدمہ کرنے پر وہ خود پھنس جائے - خلیفہ کی معصیت بھی اس کی مدافعت بن جاتی تھی -

# توہینِ رسالتؐ کا المیہ

## عالمِ اسلام کے لیے لمحۂ فکریہ

جماعت "احمدیہ" ربوہ نے اپنی پرانی روایات کے پیشِ نظر ایک بار پھر ایسا موضوع "پیدا کیا" "جو تمام عالمِ اسلام کے لیے نہ صرف موجب کرب قلق ہے بلکہ اس سے اختلاف کا ایک نیا باب وا ہو گیا" - روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت مورخہ ۴/ جولائی ۱۹۵۹ء میں مرزا بشیر احمد (جو خلیفہ محمود کے بھائی تھے) نے ایک طویل مضمون میں اس بات کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ صلح حدیبیہ کے غم میں نسیان کی بیماری لاحق ہو گئی تھی۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس کو فتح مبین کہا گیا ہے۔ اور انگریز مستشرق مانٹ گمری واٹ نے اس کو NON-AGGRESSION PACT قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس میثاق حدیبیہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں اسلامی نظام کو مستحکم کرنے کا موقع ملا۔ اور یہودیوں کے فتنے کا سدِ باب کیا۔ مکے کے کفار رسول اللہ علیہ وسلم کی تیغِ تدبر سے ذبح ہو کر واپس لوٹے۔ اس کے عرب قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے ——

(MUHAMMAD AT MEDINA-P-49)

مرزا بشیر احمد نے کوئی چوبیس خطرناک بیماریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ یہ تمام عوارض انبیاء کو ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔

ہم اس مضمون کا ضروری حصہ من وعن درج ذیل کرتے ہیں۔ قارئین بخود اس امر کا اندازہ لگا لیں گے کہ موجودہ حالات میں ایسے موضوع پر قلم اُٹھانا کن ناگفتہ بہ حالات پر منتج ہوا کرتا ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:۔

" بالآخر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جو خدا تعالیٰ کے ایک عالیشان نبی بلکہ افضل الرسل اور خاتم النبیین تھے۔ آپ کو نسیان کا عارضہ کیوں لاحق ہوا جو بظاہر فرائضِ نبوّت کی ادائیگی میں رخنہ انداز ہو سکتا ہے تو اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مرض ٹائیفائڈ سے فوت ہوئے تھے سِل، دِق، دمّہ، نزلہ، کھانسی، نقرس، دوران سر، پھوڑے پھنسیاں، آنکھوں کا آشوب، جسم کے درد، جگر کی بیماری، دانتوں کی تکلیف، اسہال کی بیماری، انتڑیوں کی بیماری، گردے کی بیماری، پیشاب کی بیماری، اعصابی تکلیف، ذکاوتِ حس، گھبراہٹ اور بے چینی، دماغی کوفت، نسیان، حوادث کے نتیجہ میں چوٹیں اور زخم، لڑائی کی ضربات وغیرہ وغیرہ سب کی زد میں آسکتے ہیں اور آتے رہے ہیں۔

آپ بعض اوقات نماز پڑھاتے ہوئے رکعتوں کی تعداد کے متعلق بھی بھول گئے اور لوگوں کے یاد کرانے پہ یاد آیا۔

" آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کبھی کبھی عام اور وقتی نسیان ہو جاتا تھا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد کچھ عرصہ کے لیے بیماری کے رنگ میں نسیان ہو گیا "

مرزا بشیر احمد نے اپنے مضمون میں جن چھبیس بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے درپردہ اپنے معذور بھائی خلیفہ کی علالت کا

دفاع کیا ہے میاں صاحب اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ان انبیاء کے اسمار گرامی بھی درج کرتے جن کو یہ بیماریاں لاحق ہوتی رہی ہیں ۔مرزا بشیر احمد کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد بیشتر حلقوں نے اس کے خلاف اپنی آرا، کا اظہار کیا تھا ۔ہفت روزہ چٹان کے مدیر شہیر آغا شورش کاشمیری نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر جس محتاط انداز میں حکومتِ وقت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے اس سے زیادہ محتاط طریق اس بارہ میں اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

چٹان مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۵۹ء کے اداریہ کا نوٹ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

" مرزا بشیر الدین محمود بڑے زمانے سے بیمار ہیں ۔عمر کے ساتھ مختلف بیماریوں نے گھیر رکھا ہے ۔ انہی بیماریوں میں نسیان اور ان کے ہم قافیہ عوارض بھی شریک ہیں ۔چونکہ آپ نے اپنے معتقدوں میں خاص قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل کر رکھا ہے اس لیے اپنی بیماریوں کی صفائی میں عجیب وغریب تاویلات و تعبیرات گھڑ رہے ہیں ۔ ہمارے نوٹس میں ایک دوست ۱۴ر جولائی ۱۹۵۹ء کا الفضل کا شمارہ لائے ہیں ۔اس شمارہ کے پورے چار صفحوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے امراض کی حدیثیں زیر بحث لاکر نہایت ہوشیاری سے مرزا محمود کی ان بیماریوں کا دفاع کیا گیا ہے ۔جن کے احساس سے آپ کے پیروؤں کی ایک جماعت اعتقاداً متزلزل ہے ۔ ہم محکمۂ تعلقات عامہ کے افسروں سے صرف یہ التماس کریں گے کہ جس باریک بینی سے ان کی احتسابی نگاہیں دنیوی خداوندوں کے معترضین کی زبان و قلم کا جائزہ لیتی ہیں ۔ اگر اسی نسبت سے ایک جھپلتی ہوئی نگاہ اس مقالہ پر ڈال چکے ہوتے تو ہم ان ملفوف الفاظ میں عرض کرنے کی جسارت نہ کرتے۔

"الفضل کو اپنے امام کی مدح و ستائش کا پورا حق حاصل ہے لیکن اِن بیماریوں کو بالواسطہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیماری سے ملا کر اُن کے تقدّس کا ناد بھونکنا نہ صرف بے ادبی ہے بلکہ اس سے ہم ایسے لوگوں کے جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے جن عاجزوں کی معراج یہ ہے کہ اپنے آپ کو رسول اللہ کے کُتّوں سے مماثلت دیتے ہوئے بھی خوف محسوس کرتے ہیں کہ شاید ہم اس قابل بھی نہیں ہیں۔

؎ نسبتے خود بہ سگت کردم وبس منفعلم
زآنکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

(چٹان مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۹ء)

مرزا بشیر احمد نے تمام بحث نسیان پر کی ہے اور یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ خلیفہ کو محض ذرا سا نسیان ہو گیا ہے جو نعوذ باللہ رسالتمآب کو بھی ہو گیا تھا۔ حالانکہ جو حدیث مرزا بشیر احمد نے پیش کی ہے وہ پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ جب حضور علیہ السلام کو یہود کی اس ناپاک سازش کا علم ہوا تو حضورؐ نے خود جا کر اس جگہ کو پامال کر دیا اور لوگوں کی یہ غلط فہمی دُور کر دی کہ سحر کے نتیجہ میں حضورؐ کو کوئی نسیان کی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ صد افسوس کہ مرزا بشیر احمد نے چودہ سو سال بعد وہی تاثر پیدا کرنا چاہا ہے جو اُس زمانہ کے شرپسند یہودیوں نے پیدا کرنا چاہا تھا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

مرزا بشیر احمد چاہتے تھے کہ انبیاء کی طرف سِل، دِق منسوب کر کے خلیفہ کی بیماریوں کا دفاع کیا جائے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ وہ خلیفہ کی اصل بیماری "فالج" اور اُس کے جنسی محرکات کا ذکر کرتے ہوئے کتراتے ہیں جس میں اُن کے بھائی نام نہاد "مصلح ربّانی خلیفہ ثانی" بطور عذاب بتلا ہیں۔
اگر مرزا بشیر احمد کو بھی اس بارہ میں نسیان ہو گیا ہے تو وہ الفضل

کے فائل کھول کر دیکھیں جن میں جا بجا فالج کا چرچا ہے۔ اور پھر ایک اور مضمون لکھا ہے کہ انبیاء (نعوذ باللہ) مدقوق اور مسلول ہی نہیں مفلوج بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ سل اور دق کے مریض کو تو حکماء عامۃ الناس سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب ماموریں کو ہمہ وقت بندگانِ خدا سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے اور فریضہ تبلیغ میں شب و روز مشغول رہتے ہیں تو پھر یہ امر خدا تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے منافی نہیں ہے کہ وہ ایسے متعدی مرض میں مبتلا شخص کو ہدایت کے لیے مامور فرمائے جو خود مدقوق و مسلول ہو اور دوسروں کے لیے باعثِ خطرہ۔

در اصل مرزا بشیر احمد خدا تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرنا چاہتے ہیں جو شانِ خداوندی کے خلاف ہے۔ اور رسول کی ذات پر وہ بیماری چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو شانِ رسالت کے منافی ہے۔

اِس کفر کاری اور جہنمی جسارت کا خدا نے یہ انتقام لیا کہ مرزا بشیر احمد خود اور اُس کا بڑا بھائی خلیفہ اور سب سے چھوٹا بھائی مرزا شریف احمد گوناگوں عوارض اور امراض میں مدتوں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ چھوٹے بھائی کا تو یہ حال تھا کہ وہ لوگوں سے مانگ مانگ کر پینے ڈین کا چسکا پورا کرتا تھا۔ مؤلف کو لاہوری کے امیر نے بالمشافہ بتلایا کہ یہ شخص آیا اور نڈھال ہو رہا تھا۔ انجمن کے خزانے سے اُس کو رقم خطیر دی۔ یہ اُس بیٹے کا حال تھا جس کے متعلق اس "الہام" کو اچھالا جاتا ہے:" بادشاہ آتا ہے" وہ متعدد اشخاص کا مقروض تھا اور جن لوگوں نے کسی جیسے بہانے کے چکر میں آن کر اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی جمع شدہ فنڈ کی رقوم اس کو بطور "قرضہ حسنہ" دی تھیں۔ وہ "قرضہ سیئہ" ہو کر ان کی موت کا پیغام بن گئیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مزعومہ اور ملعونہ
فہرستِ امراض بنانے والوں کے دروں خانہ کا اگر طبی محاسبہ ہو۔
تو محاسبہ کرنے والے طبیب ورطۂ حیرت میں غرق ہو کر رہ جائیں۔

---

---

مطبوعہ محمد اشرف پرنٹنگ پریس ایبک روڈ نئی انار کلی لاہور